

فَقُلْ لِلْعَيْنِ الرَّهْمِ يَا كَاتِبِي سَنَا الشَّمْسُ فَاسْتَفْشِي ظِلَّ اللَّيَالِيَا
گرد آلود آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے آپ پر ڈھکی

مقامِ حیات

المستعجب

مَدَارِكُ الْأَذْكِيَارِ فِي حَيَاةِ الْأَبْيَارِ عليہم السلام

مکین گنبد خضر اہل حیاتِ برحق کا بیان

تالیف

ڈاکٹر علامہ محمد محمود
ڈائریکٹر اسلامک ایڈیٹری ناچسٹر



دارالمعارف

لفظہ پارکیٹ، اردو بازار، لاہور

حقوق التالیف کاتما محفوظة للمؤلف

نام کتاب	مقام حیات
مصنف	ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر
کتابت	محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال
صفحات	۷۵۲
ایڈیشن ہذا	۱۴۱۴ھ / ۲۰۱۹ء
ناشر	جامعہ طیبہ اسلامیہ لاہور
	دارالمعارف اردو بازار لاہور
تعداد	گیارہ سو
قیمت اعلیٰ مجلد	۱۶۰ روپے
ممالک یورپ	۱۲ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف پراویو سماج روڈ سنت نگر
جامعہ طیبہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کائونی لاہور
پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

فہرست مضامین

			تعارف و اعتراف
۴۰	مخالفین کا علمائے دیوبند کو	۳۳	
	حیات فی الدنیا کا لازم قرار دینا۔	۳۳	لا دینیت کا محاذ
۴۱	وقت کا موعود حیات ہے مہمات نہیں	۳۴	اندرونی اتحاد کی ضرورت
۴۱	حیات الانبیاء پر فریقین کا اتفاق	۳۵	دین محمدی کا اہم ترین موضوع
۴۲	مخالفین کا اپنا اقرار	۳۵	اسلام کا عقیدہ معاد
۴۲	حیات جسدی کے انکار کے	۳۵	ارکان ایمان کا رکن خامس
	خطرناک نتائج۔	۳۵	ایمان بالآخرت
۴۲	معتزلہ دروافض اور اہل سنت کا	۳۶	منکرین معاد کے استبعادات
	نظریہ آخرت میں اختلاف۔	۳۶	قرآن کریم کے جوابات
۴۲	اہل سنت حیات جسدی کے قائل ہیں	۳۶	جو بدن گناہ کرے وہی سزا پائے
۴۵	وفات کے بعد روح و بدن میں علاقہ	۳۷	سواد اعظم اہل سنت کا عقیدہ
	نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔	۳۷	عالم برزخ میں حیات نبویہ
۴۵	حضور روح و بدن کے مجموعہ سے رسول ہیں	۳۸	نفس و روح ہو یا اشرف روح
۴۶	حیات جسمانی کے انکار کا دوسرا نتیجہ	۳۸	روح پاک کا مقراضی
۴۶	حضور عہدہ و رسولہ نہ رہیں گے	۳۸	حیات دنیا والے جسد میں
۴۷	کرامیہ کا عقیدہ کہ حضور اب صرف	۳۹	حیات کا مدار رزق مادی پر نہیں
	حکمی طور پر رسول ہیں۔	۳۹	حیات میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔
۴۷	علامہ ابن حزم کرامیہ کے رد میں	۳۹	

- ۶۱ حضرت انشاء ولی اللہ حضرت علیؑ کی حمایت میں
- ۶۲ مجتہد اور مناظر میں فرق
- ۶۳ مجتہد اور مقلد میں فرق
- ۶۵ کیا مسئلہ حیات النبی یا وفات النبی {
مرحمت سے قرآن میں مذکور ہے؟
- ۶۶ آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال
- ۶۶ کیا آیت اموات غیر احوالہ مماتی {
عقیدے پر قطعی الدلالة ہے؟
- ۶۹ آیت اموات غیر احوالہ کا موضوع بیان
- ۷۱ آیت اموات غیر احوالہ میں کیا کسی {
اور معنی کا بھی دخل ہے؟
- ۷۲ آیت اموات غیر احوالہ میں عموم مجاز
- ۷۳ قرآن کریم اور حضورؐ کی وفات شریفہ
- ۷۵ بائبل میں صلیب مسیح کا ذکر کیا بائبل {
کے اصلی نہ ہونے کی دلیل نہیں؟
- ۷۵ کیا اثبات عقائد کے لیے دلائل ظنیہ سے {
استشہاد ہو سکتا ہے؟
- ۷۶ علامہ شاطبیؒ کا بیان
- ۷۶ ملا علی قاریؒ کا بیان
- ۷۷ قرآن عزیزہ کا موت انسانی میں {
ذہن باطنیت سے اختلاف۔
- ۴۹ حضورؐ کو حقیقی طور پر رسول ماننا چاہیے
- ۵۰ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اپنا عقیدہ
- ۵۰ کتب عقائد میں نبوت حقیقی کی تصریح
- ۵۱ کرامیہ اپنے اشاعت کے محاذ پر
- ۵۲ امام بیہقی علامہ قشیری اور ابن عساکر سنی محاذ پر
- ۵۳ کرامیہ جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں
- ۵۴ کرامیہ کے مخصوص عقائد
- ۵۴ انکار حیات کا تاریخی پس منظر
- ۵۵ کرامیہ کے خلاف علامہ سبکیؒ کا بیان
- ۵۶ علامہ سبکیؒ کے ہاں صحیح سنی عقیدہ
- ۵۶ امام ابو القاسم قشیریؒ کا سنی عقیدہ
- ۵۷ علامہ ابن عابدین الشامیؒ کا سنی عقیدہ
- ۵۸ انبیاء رسالت سے معزول نہیں ہوتے
- اس غلط عقیدہ سے متاثر ہونے {
والے دوسرے مسئلے۔
- ۵۹
- مقدمہ
- ۶۱ استدلال بالقرآن کا دلکش نعرہ
- ۶۱ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی
- ۶۱ حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت۔

موت کی حقیقت

- ۸۸ عربی میں موت کے مختلف نام
- ۸۸ قرآن کا استعمال لفظ توفی
- ۸۸ ابانہ الروح عن الجسد اور
- ۸۸ زوال قوت حیوانیہ۔
- ۸۸ موت کے لیے سبق حیات ضروری نہیں
- ۸۸ مسبقیت حیات موت کے لیے لازم نہیں
- ۸۹ آنحضرتؐ کی موت طیبہ کی شان
- ۹۰ حنڈ کی حیات بھی طیب موت بھی طیب
- ۹۰ موت کے باوجود بعض آثار حیات کا تسلسل
- ۹۰ آثار حیات جو اجماعاً قائم ہو رہے
- ۹۰ آپ کے اموال آپ کی ملک پر باقی ہے
- ۹۰ موت ایک صفت ہے جو صفت حیات
- ۹۲ کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔
- ۹۲ روح اور حیات میں ملازمہ نہیں
- ۹۲ موت کا شرعی مفہوم
- ۹۲ اختلاف دارین کا تحقق ہو جائے
- ۹۲ موت عدم محض اور فنا کے خالص نہیں
- ۹۵ عالم آخرت کی عنصری حیات
- ۹۶ حشر آخرت ذرات منتشرہ سے کیے
- ۹۶ انبیاء کے ابدان ریزہ ریزہ نہیں ہوتے
- ۹۶ صورتحال سے بے خبری عدم حیات کی دلیل نہیں
- ۹۶ عزیر علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام
- ۹۶ کے ابدان موت کے باوجود محفوظ رہے
- ۷۸ قرآن کی رو سے موت کی حقیقت
- ۸۰ موت اور نیند میں عمل مشترک
- ۸۰ آثار حیات کا کچھ دیر باقی رہنا
- ۸۰ آنحضرتؐ کے آثار حیات اب تک باقی
- ۸۰ صاحب بدایہ کا موقف عدم تغیر
- ۸۱ آیت اللہ توفی الافس کہ
- متشابهات میں شامل کرنا۔
- ۸۱ حدیث صحیح بخاری سے اس کا رد
- ۸۲ نیند والے کے لیے ارسال روح
- ۸۲ کے علاوہ احیاء کا لفظ بھی وارد ہے
- ۸۲ ارسال احیاء کے ساتھ روح کے
- ۸۲ الفاظ بھی حدیث میں وارد ہیں۔
- ۸۲ قرآن کی رو سے موت ایک وجودی تغیر ہے
- ۸۲ امام رازیؒ اور علامہ آکوسیؒ کے بیانات
- ۸۲ موت کا وجود حدیث کی روشنی میں
- ۸۲ موت کے ذبح ہونے کی روایات
- ۸۲ گنہگار جہنمیوں پر ایک اور موت

- ۹۹ حشر کے دن پہلے آنحضرتؐ قبر سے نکلیں گے
- ۱۰۰ اور دل لیے لفظ بعثت اور آپ کے لیے لفظ خروج
- ۱۰۱ رعیت میں اعتماد اور اسناد کے دو دور
- ۱۰۱ صحت حدیث معلوم کرنے کی دو راہیں
- ۱۰۱ اعتماد علی السلف کو قائم رکھنے کی ضرورت
- تمہید
- ۱۰۳ عالم برزخ کی کبھی کبھی جھلکیاں
- ۱۰۳ حیات النسانی کے چار دور
- ① عالم ارواح
- ۱۰۳ عالم ارواح میں ارسال اور اس کی خبر
- ۱۰۵ عالم ارواح کو عالم ارواح کیوں کہتے ہیں
- ② عالم دنیا
- ۱۰۶ عالم دنیا میں بدن کے احکام روح پر غالب
- ۱۰۶ تغذیہ و تنمید اس زندگی کے لازم ہیں
- ۱۰۶ یہ دنیا دارا التکلیف اور دار العمل ہے
- ۱۰۶ عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں
- ۱۰۶ جنت اور جہنم کا اس دنیا میں مشاہدہ
- ۱۰۸ اجر امت اور ذنوب امت کا مشاہدہ
- ۱۰۸ پہلی امتوں اور پہلے انبیاء کو دیکھنا
- ۱۰۹ فتنوں کو بارش کی طرح اترتے دیکھنا
- ۱۱۰ دنیا کا مثل ہو کر آپ کے سامنے آنا
- ۱۱۰ آپ کا بچا دو دھ حضرت عمرؓ کی فتنہ میں
- ۱۱۰ علم کی ایک برزخی صورت — دو دھ
- ۱۱۱ دین کی ایک برزخی صورت — تھیں
- ۱۱۱ کنز سے نکلنے ڈول — خلافت
- ۱۱۱ دیا بکھرے بالوں والی عورت کی صورت میں
- ③ عالم برزخ
- ۱۱۳ قرآن کریم میں اس جہان کی خبر
- ۱۱۳ برزخی زندگی میں روح و حیات میں تلازم نہیں
- ۱۱۴ برزخ میں روح و بدن کا تعلق بھی ہو سکتا ہے
- عالم برزخ ایک جہت موطن دنیوی میں ہے اور اس میں ارتقا عمل ہے۔
- ۱۱۴ مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف
- ۱۱۳ ۱۔ عام اموات کا برزخ
- ۱۱۴ ۲۔ شہداء کا برزخ
- ۱۱۴ ۳۔ انبیاء کا برزخ
- ۱۱۵ عالم برزخ کو سمجھنے کے لیے ایک دنیوی تجربہ
- ۱۱۵ نیند برزخ کی قریب ترین منزل ہے
- ۱۱۵ قبر کی واردات شرعی تعقیب ہیں مجاز نہیں
- ۱۱۶ توفی میں موت اور نیند دونوں جمع
- ۱۱۶ حدیث کی رو سے موت نیند کی بہن

عالمِ آخرت

اسلام کا عقیدہ برزخ

۱۳۱	۱۱۸	چار جہانوں میں کوئی دو متوازی نہیں
۱۳۲	۱۱۸	ہر دوسرا جہاں پہلے سے وسیع ہے
۱۳۲	۱۱۹	چاروں جہانوں کا آپس میں ایک لطیف ربط
۱۳۲	۱۱۹	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان
۱۳۳	۱۱۹	کہ عالمِ قبر اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے
۱۳۴	۱۲۰	عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں ایک کھلا فرق
۱۳۴	۱۲۱	حکیم الاسلام قاری محمد طیب کا بیان
۱۳۴	۱۲۱	تین جہانوں میں صحتِ بدن کے تعلق کی نوعیت
۱۳۵	۱۲۱	عالمِ برزخ کا عالمِ دنیا سے قریبی تعلق
۱۳۵	۱۲۳	اہلِ برزخ کی اہلِ دنیا سے دلچسپی
۱۳۶	۱۲۴	اہلِ برزخ اور اہلِ دنیا کی باہمی واقفیت
۱۳۶	۱۲۴	باہمی واقفیت کے پانچ طریقے
۱۳۷	۱۲۴	پانچ طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات
۱۳۸	۱۲۵	استدلال کا شخصیتی درجہ
۱۳۹	۱۲۶	استدلال کا طبقاتی درجہ
۱۳۹	۱۲۷	استدلال کا کلیاتی درجہ
۱۳۹	۱۲۸	کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح
۱۳۹	۱۲۸	ہر سہ استدلال سے برزخ کا اندازہ
۱۳۹	۱۲۹	انسان کا مستقل دارالقرار
۱۳۹	۱۲۹	صرف آخرت ہے۔
۱۳۱	۱۱۸	اسلام کا عقیدہ برزخ
۱۳۲	۱۱۸	حضرت علامہ قرطبی کا بیان
۱۳۲	۱۱۹	حضرت علامہ سیوطی کا بیان
۱۳۲	۱۱۹	حضرت مولانا مہاتاری کا بیان
۱۳۳	۱۱۹	① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت
۱۳۴	۱۲۰	یہ صرف ایامِ ثلاثہ ہیں یا موطنِ ثلاثہ
۱۳۴	۱۲۱	۱۔ علامہ نسفی کی شہادت
۱۳۴	۱۲۱	۲۔ ابنِ ابی حزمی کی شہادت
۱۳۵	۱۲۱	۳۔ علامہ قرطبی کی شہادت
۱۳۵	۱۲۳	۴۔ امام رازی کی شہادت
۱۳۶	۱۲۴	۵۔ قاضی شتار اللہ کی شہادت
۱۳۶	۱۲۴	۶۔ تفسیر خازن کی شہادت
۱۳۷	۱۲۴	قبر میں سلام سے سلامِ تحیہ مراد ہو سکتا ہے
۱۳۸	۱۲۵	علامہ ابن عطیہ کی شہادت
۱۳۹	۱۲۶	صلوٰۃ و سلام اسی دنیوی بدن پر
۱۳۹	۱۲۷	② قرآن کریم میں قیامت سے پہلے
۱۳۹	۱۲۸	آلِ فرعون کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے
۱۳۹	۱۲۸	حافظ ابن کثیر کی شہادت
۱۳۹	۱۲۹	③ قوم نوح پر ڈوبنے سے متصل آگ
۱۳۹	۱۲۹	کا عذاب برزخی زندگی کا ثبوت ہے

- ۱۵۶ ④ قرآن کی رو سے انسانی زندگی کے تین دور ۱۴۱ صاحب شکرۃ کی شہادت
- ۱۵۶ عذاب قبر احادیث کی روشنی میں ۱۴۲ قبر کے اندر کے چھپے معاملات
- ۱۵۷ ⑤ قرآن کریم میں سوالات اخروی پر ثابت قدمی کی شہادت۔ ۱۴۲ روایت برابر پر قرآن کی تلاوت
- ۱۵۷ حضرت عبدالعزیز بن عباسؓ کی روایت ۱۴۳ { ۱۴۲ } عذاب قبر کا شمار ادھر بھی ادھر بھی
- ۱۵۸ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ۱۴۲ { ۱۴۳ } چالیس صحابہ کرامؓ سے قبر میں کئے جانے والے سوالات کا ثبوت۔
- ۱۶۰ حضرت بابر بن عازبؓ کی روایت ۱۴۳ عذاب قبر کے انکار سے انسان کفر کی سرحد پر ۱۴۲
- ۱۶۰ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ۱۴۳ عذاب قبر کے منکر کے چھپے نماز جواز نہیں ۱۴۵
- ۱۶۲ حضرت عبدالعزیز بن عمرؓ کی روایت ۱۴۳ عذاب قبر کی احادیث تو اتر کے درجہ میں ۱۴۵
- ۱۶۲ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ۱۴۳ مرنے کے ساتھ عذاب الہون کا سامنا ۱۴۷
- ۱۶۳ حضرت جابرؓ کی روایت ۱۴۳ مرنے کی ضرر میں اور عذاب الحریق کا سامنا ۱۴۹
- ۱۶۳ حضرت جابرؓ کی دوسری روایت ۱۴۳ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی ۱۵۰
- ۱۶۳ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ۱۴۳ حضرت عقیلیؓ کا ایمان افروز بیان ۱۵۱
- ۱۶۵ حضرت ام المؤمنینؓ کی روایت ۱۴۵
- ۱۶۶ **قبر کی واردات** ۱۵۰
- ۱۶۶ اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد ۱۵۲
- ۱۶۶ نو علیل القدر صحابہؓ کی گواہی ۱۵۳
- ۱۶۶ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی گواہی ۱۵۳
- ۱۶۸ ابن جریر الطبریؒ کی گواہی ۱۵۳
- ۱۶۹ امام طحاویؒ کی گواہی ۱۵۳
- ۱۶۹ حاکم ابو یوسف جصاص رازیؒ ۱۵۵
- عذاب قبر محدثین کی نظر میں
- امام ابو داؤدؒ کی شہادت
- امام مسلمؒ کی شہادت
- امام بخاریؒ کی شہادت
- امام ترمذیؒ کی شہادت

دسویں صدی کی شہادت

۱۸۲	علامہ سید علی کا بیان
۱۸۳	علامہ ودائی
۱۸۴	علامہ شعرانی
۱۸۴	علامہ قہستانی
۱۸۵	علامہ علی القاری

گیارہویں صدی کی شہادت

۱۸۸	۱. امام ربانی مجدد الف ثانی
۱۸۹	۲. شیخ عبدالحق محدث دہلوی

بارہویں اور تیرہویں صدی

۱۹۰	۱. حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۱۹۵	۲. شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۲۰۱	۳. قاضی ثناء اللہ ربانی پتی
۲۰۲	۴. علامہ شامی
۲۰۳	۵. قاضی شوکانی
۲۰۵	۶. علامہ آلوسی

چودھویں صدی کی شہادت

امام بیہقی اسفرائینی قشیری
ابن عساکر اور امام غزالی
صاحب ہدایہ کی گراہی

ساتویں صدی کی شہادت

۱۶۲	۱. علامہ قطبی
۱۶۳	۲. امام نووی
۱۶۴	۳. علامہ نسفی

آٹھویں صدی کی شہادت

۱۶۵	۱. علامہ صدر الدین القونوی
۱۶۵	۲. علامہ سبکی شافعی
۱۶۶	۳. قاضی عہد الدین الاعمی
۱۶۶	۴. حافظ ابن تیمیہ
۱۶۶	۵. حافظ ابن قیم

نویں صدی کی شہادت

۱۶۹	علامہ سید شریف البحر بانی
۱۶۹	حافظ ابن حجر عسقلانی
۱۸۰	علامہ بدر الدین العینی
۱۸۱	حافظ ابن ہمام الاسکندری

دنوی زندگی نہیں دنیا کی سی زندگی ہے

<p>۲۲۸ دنوی زندگی کی تعریف</p> <p>۲۲۸ وفات کے بعد اس دنوی زندگی میں ۲۲۸ اناشیعوں کا عقیدہ رجعت ہے۔</p> <p>۲۲۹ حضور کی برزخی زندگی کو دنوی کہنے کی جہت</p> <p>۲۲۹ نیند کے حالات اور برزخ کی واردات</p> <p>۲۲۹ حضور کا جسد اطہر بالکل تروتازہ</p> <p>۲۳۰ برزخ میں روح کا عود کرنا دنیا کی طرح سے نہیں</p> <p>۲۳۱ علامہ تقی زانیؒ کی شہادت</p> <p>۲۳۱ علامہ عبدالعزیزؒ پر پاڑ مئیؒ</p> <p>۲۳۱ حافظ ابن حجرؒ کی تائید</p> <p>۲۳۲ قاسم بن قطلوبغا کی شہادت</p> <p>۲۳۲ ملا علی قاری کی شہادت</p> <p>۲۳۳ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی شہادت</p> <p>۲۳۳ اس دور کے معتزلہ کی اہل حق سے استہزاء</p> <p>۲۳۶ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ</p> <p>۲۳۷ مشقی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ</p> <p>۲۳۷ قبر کی زندگی کس پہلو سے دنوی زندگی ہے؟</p> <p>۲۳۸ حاکم ابن ابوزریؒ قبر کی زندگی کو قرآن کے ۲۳۸ حوالے سے دنوی زندگی مانتے ہیں۔</p>	<p>۲۰۹ امام العصر مولانا انور شاہؒ</p> <p>۲۱۰ مفتی عزیز الرحمنؒ</p> <p>۲۱۰ مولانا حسین علی مرحومؒ</p> <p>۲۱۰ نواب صدیق حسن خانؒ</p> <p>۲۱۰ مسک محدثین اور مسک متکلمین</p> <hr/> <p>۲۱۱ اعادہ روح اور اشراق روح</p> <p>۲۱۳ صحت روایت کا مدار و اعتبار</p> <p>۲۱۴ علامہ ذہبیؒ کی شہادت</p> <p>۲۱۵ امام عبدالرحمن بن المہدیؒ</p> <p>۲۱۵ علامہ سیوطیؒ کی شہادت</p> <p>۲۱۶ حدیث اعادہ روح</p> <p>۲۱۷ راویوں پر کلام</p> <p>۲۱۹ حدیث کی تصحیح کرنے والے</p> <p>۲۱۹ پہلی پانچ صدیوں کی شہادت</p> <p>۲۱۹ چھٹی صدی کی شہادت</p> <p>۲۲۰ ساتویں اور آٹھویں صدی کی شہادت</p> <p>۲۲۱ نویں اور دسویں صدی کی شہادت</p> <p>۲۲۲ گیارہویں صدی کی شہادت</p> <p>۲۲۲ بارہویں صدی کی شہادت</p> <p>۲۲۳ تیرہویں صدی کی شہادت</p> <p>۲۲۵ ایک سوال اور اس کا جواب</p>
--	---

- ۲۵۲ علامہ الدین ابوالحسن الخازنؒ کی شہادت ۲۲۹ انبیائے سابقین کے آنے کی صورت
- ۲۵۲ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت ۲۳۹ ملاقات انبیاء پر قرآن کی شہادت
- ۲۵۲ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۲۳۹ علامہ قرطبی کی شہادت
- ۲۵۲ برسرِ مطلب آدمیم ۲۳۰ تفسیر جلالین کا بیان
- ۲۵۵ حیات برزخی کا دنیوی پہلو ۲۴۱ امام فخر الدین رازیؒ کا تفسیری ضابطہ
- ۲۵۲ برزخ کی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد ۲۴۲ علامہ لغوی کی شہادت
- ۲۵۲ مجھے قیامت تک رہنے کا اختیار دیا گیا ۲۴۲ حضرت سعید بن جبیرؓ (۵۹۵ء) کی شہادت
- ۲۵۶ دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق ۲۴۴ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ
- ۲۵۶ برزخی زندگی کی آہٹ کہاں تک سنی جا سکتی ہے ۲۴۵ قاضی شوکانیؒ کی شہادت
- ۲۵۶ انبیاء کا سلسلہ عمل رکنا نہیں ہے ۲۴۶ علامہ محمود آلوسیؒ کی شہادت
- ۲۵۹ انبیاء کا برزخی پرچے میں یہاں آنا ۲۴۶ حضرت قتادہؓ (۵۱۸ء) کی شہادت
- ۲۶۰ حضرتؑ کا حضورؐ سے ملاقات کرنا ۲۴۶ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت
- ۲۶۱ یہ ملاقات ابدان سے تھی صرف ارواح سے نہ ۲۴۷ ملا علی قاریؒ کی عبارات
- ۲۶۲ پہلے انبیاء یہاں آکر حج بھی کر سکتے ہیں ۲۴۷ حضرت عیسیٰ کی پہلے انبیاء سے ملاقات
- ۲۶۳ حضرت ہود اور حضرت صالح کے گزرنے کی خبر ۲۴۸ حضرت عیسیٰ کی روحہ اطہرہ پر ماضی اور سلام
- ۲۶۳ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے گزرنے کی خبر ۲۴۹ حضرت عیسیٰ فوج روحانہ سے احرام باندھیں گے
- ۲۶۵ قرآن کی خبر کہ آپؐ موسیٰ سے ضرور ملیں گے ۲۴۹ حضرت عیسیٰ بعد نزول اللہ کے رسول ہوں گے
- ۲۶۵ موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا ۲۴۹ حضرت عیسیٰ پر انتظامی امور میں وحی آئے گی
- ۲۶۵ قبر کے اعمال کا احادیث سے ثبوت ۲۵۰ لیکن وحی شریعت نہیں۔
- ۲۶۵ انبیاء کی برزخ میں حیات ارتقاء عمل سے ہے ۲۵۰ عالم برزخ سے سنی بات پر عمل ضروری نہیں
- ۲۶۶ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے ملاقات ۲۵۱ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں

- ۲۶۲ اعمال دنیوی اعمال کے حکم میں ۲۶۲ آثار حیات اگر گھنٹوں منتہی نہ ہوں تو
- ۲۶۳ عبادت صرف موت تک کے لیے ہے ۲۶۳ کیا یہ ایک جدی نوع کی موت نہ ہوگی
- ۲۶۴ عالم برزخ کی عبادت تکلیفی نہیں ۲۶۴ معتزلہ کا امساک کا موقف
- ۲۶۴ جنت میں یاد الہی مکلف کے طور پر نہ ہوگی ۲۶۴ اہل السنۃ و الجماعۃ کا جواب
- ۲۶۴ قرآن پاک کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۴ ۱. علامہ آکوسی کی شہادت
- ۲۶۵ حدیث کی رو سے جنت میں یاد الہی ۲۶۵ ۲. مولانا مٹھانوی کی شہادت
- ۲۶۵ حضور کا برزخی زندگی میں امت کے لیے استغفار ۲۶۵ ۳. حافظ ابن قیم کی شہادت
- ۲۶۶ حضور پر زائرین کے سلام کا جواب دینا واجباً نہیں ۲۶۶ روح و بدن کا ہر تعلق دنیا کا نہیں
- ۲۶۶ انبیاء کے وفات کے باوجود ان کے اعمال باقی رہے ۲۶۶ ریاض الجنۃ سرزمین مدینہ میں ہے

قبر کی حقیقت

- ۲۶۹ انبیاء کے وفات کے باوجود انکی اہلک باقی ہیں ۲۶۹ عدت وفات سے امہات المؤمنین کا نکاح ختم نہیں ہوا۔
- ۲۶۹ قبر کا مفہوم اسکی دلالت لغوی کلیۃً ہے نہیں ۲۶۹ ارواح شہداء کی سیر کیا بھی دنیا میں بھی ہو سکتی ہے
- ۲۶۹ قبر کی وسعت و فحش پردہ غیب میں ہے ۲۶۹ اشاعرہ حیات اور اعادہ روح میں
- ۲۸۰ صلوٰۃ زکوٰۃ اور حج کے لفظی اور اصطلاحی معنی ۲۸۰ تلامذہ کے قائل نہیں۔
- ۲۸۱ قبر — قرآن کریم کی روشنی میں

آیت اللہ یتوفی الالفن حین موتہا پر بحث

- ۲۸۱ قبر — قرآن کریم کی روشنی میں ۲۸۱ موت کے لیے دو چیزیں لازم ہیں
- ۲۸۲ قرآن اس ظاہری قبر کو ہی قبر کہتا ہے ۲۸۲ روح کا ٹکٹا اور آثار حیات کا خاتمہ
- ۲۸۲ قبر کا دوسرا کنارہ کسی عمار کی نظریں میں ۲۸۲ نیند میں روح بھٹکنے کے باوجود روح کا
- ۲۸۳ قبر — اعادیت کی روشنی میں ۲۸۳ ایک خاص تعلق بدن سے قائم رہتا ہے۔
- ۲۸۸ میں اعادیت کی شہادت ۲۸۸
- ۲۸۹ قبر — صحابہ کرام کے ہاں ۲۸۹

- ۳۰۲ عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو ۲۸۹ حضرت ابن عباسؓ کی شہادت
- ۳۰۳ معنی قبر پر سعودی پیشوا کی شہادت ۲۸۹ حضرت عمرؓ کی شہادت
- ۳۰۵ شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بیٹے کی شہادت ۲۹۰ حضرت بریدہؓ کی شہادت
- ۳۰۵ سرخیل علماء نجد محمد بن عبد اللطیف ۲۹۰ حضرت عمرو بن العاصؓ کی شہادت
- ۳۰۵ آپ قبر مبارک پر سلام سنتے ہیں ۲۹۰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت
- ۳۰۶ برزخ کے حالات مشاہدہ میں نہیں آتے ۲۹۱ حضرت جابرؓ کی شہادت
- ۳۰۶ { فرشتوں کا سرمے والوں کو چھٹنا
ہم نہیں دیکھتے بگیرہ ہوتا ہے ۲۹۱ ای وہیں کہ حکم ہوتا ہے کہ میت پر تنگ ہو جا
- ۳۰۶ بعض کالمین پر انکشاف حق ہے ۲۹۲ معنی قبر پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شہادت
- ۳۰۶ کرة ارضی اور عالم بالا کے ارتباطات ۲۹۲ مخالفین کا اپنا اقرار کہ قبر یہی ہے
- ۳۰۶ فرشتوں کا حضورؐ کے پاس آنا جانا ۲۹۲ شہداء احمد کی انہی زمینی قبروں پر حضورؐ گزے
- ۳۰۸ فرشتوں کا میدان جنگ میں نزول ۲۹۲ حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر
- ۳۰۹ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ۲۹۵ معنی قبر پر فریقین کا اتفاق
- ۳۰۹ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا بیان ۲۹۵ قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟
- ۳۰۹ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ۲۹۶ سیدنا حضرت عثمانؓ کی روایت
- ۳۰۹ فرشتے کے اصلی صورت میں نہ آنے کی حکمت ۲۹۶ حضرت عبداللہ بن سعودؓ کی شہادت
- ۳۱۰ ۳ شخصت کا برزخ عام درجے کا نہیں ۲۹۸ حضرت عمرو بن العاصؓ کی اپنے بیٹے کو نصیحت
- ۳۱۰ ۳ شخصت کا طرف طبعی عام درجے کا نہیں ۲۹۸ سوال و جواب اسی قبر میں
- ۳۱۰ ۳ شخصت کا برزخ عام لوگوں کی طرح کا نہیں ۲۹۹ ملا علی قاریؒ کی شہادت
- ۳۱۱ { کیا ان چار جہانوں کے سوا
کوئی اور جہان بھی ہے ۳۰۰ قاضی شوکانیؒ کی شہادت
- ۳۰۰ مقرر موات یہی زمین ہے
مرنے کے بعد ٹھکانہ اسی زمین میں ہے ۳۰۰

عالم مثال

- ۳۱۶ { اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذابِ قبر کے لیے کسی اور بدن کی تلاش میں۔
- ۳۱۶ عذابِ قبر کے لیے مثالی بدنوں کا کیا کوئی ثبوت ہے؟
- ۳۱۶ { پرندوں کو شہداء کے اجسادِ مثالیہ قرار دینے والوں کا ذوقِ علم۔
- ۳۱۸ عقائد کی اساس صوفیہ کے مشاہدِ اپنے پرہیزگاری پر ہے؟
- ۳۱۸ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات
- ۳۱۸ { عقائد کی بناء صوفیوں کے مشاہدات اور ابدانِ مثالیہ پر رکھنا کونسی شانِ علم ہے؟
- ۳۱۸ صوفیہ نے جو دیکھا فوسری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو
- ۳۱۹ مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت
- ۳۲۰ انکارِ عذابِ قبر کی ضرورت کیوں ٹپری؟
- ۳۲۲ عذابِ قبر پر علماء حق کے بیانات
- ۳۱۱ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کا بیان
- ۳۱۱ معانی کی تصویریں مختلف اشکال میں
- ۳۱۲ حقائق کی تصویریں مختلف صورتوں میں
- ۳۱۳ عالم غیب اور عالم شہادت کے مابین کی منزل
- ۳۱۳ عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں تیسری منزل
- ۳۱۳ برزخِ دنیا اور آخرت کے مابین
- ۳۱۳ عالم غیب اور شہادت کے مابین
- ۳۱۳ { برزخ اس دوسرے مفہوم میں مستقل وجود رکھتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف
- ۳۱۳ { معراج کی رات عالمِ برزخ کے مسافر حضورؐ کو عالمِ مثال میں دکھائے گئے۔
- ۳۱۳ قاضی بیضاویؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی دوراہیں
- ۳۱۳ رانی اس جہان کا اور سرئی اس جہان کے
- ۳۱۳ اجسادِ اصلیہ اور مثالیہ کے دو احتمال
- ۳۱۴ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک دربارہ معراج
- ۳۱۵ { علماء شرع کے ہاں عالم ارواح عالمِ برزخ اور عالم اجساد ہی ہیں شاید صوفیہ نے برزخ کو مثال کہہ دیا ہو
- ۳۱۶ { اسلام میں عالمِ مثال کا تصور
- ۳۱۶ { مقامِ بدن کے تعیین سے مقامِ روح کا تعیین
- ۳۲۲ { تنفیح المبحث
- ۳۲۴ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اقرار وفاق
- ۳۲۵ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں بڑا فرق ہے
- ۳۲۵ { حضورؐ کی حیاتِ جسمانی بھی ہے روحانی بھی اور برزخی بھی۔
- ۳۲۵ { مسئلہ زیرِ نزاع میں اصل مبحث مطلق حیات
- ۳۲۵ { نہیں حیات بعد الوفا ہے۔

ثبوت وفات کے دلائل ہمارے خلاف نہیں ۲۲۵ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے ۲۲۳

وفات کا وقوع پھر زندہ ہونے کے منافی نہیں ۲۲۵ روح کی حقیقت پر امام العصر حضرت علامہ انور شاہ

۲۲۴ { اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا بیان۔

۲۲۵ { طریبان موت اور عادیہ حیات کے احتمالات ثلثہ

۲۲۲ { کے بعد پھر روح بدن میں یا بدن پر

۱۔ ابانۃ الروح عن الجسد ۲۲۶ حیات شہداء کا ثبوت حیات انبیاء

۲۲۵ { ثابت کرنے کے لیے بمنزلہ زینہ ہے۔

۲۲۴ { ۲۔ ابانۃ الروح عن الجسد کے بعد پھر بدن سے تعلق

۳۔ انقباض الروح فی القلب سے

پورے جسد اطہر میں آثار حیات باقی

۲۲۸ حضرت مولانا نانوتوی کا کسی ایک پر اصرار نہیں

۲۳۰ اصل مبحث حیات البنی قائم ہونا ہے

۲۲۶ { **حیات شہداء** ۲۲۶

عامہ امور کی زندگی بہ طور منتشرہ ایک روحانی زندگی ہے ۲۲۶

۲۳۰ شہداء کرام کی زندگی بھروسہ قرآن ایک جسمانی زندگی ہے ۲۲۶

۲۲۶ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کا بیان

۲۳۰ علامہ ابن الہادی کا حقیقت افرند بیان

۲۳۰ حیات اور موت دونوں کی اپنی انواع ہیں

۲۳۰ حیات انسانی کے پانچ انداز

۲۳۱ قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے

۲۳۲ علامہ تفتازانی "حافظ ابن قیم" حافظ ابن حجر

۲۳۲ { علامہ ابن الہادی اور علامہ آلوسی کی شہادتیں

۲۳۲ حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

۲۳۳ ایک اہم سوال اور اس کا جواب

۲۳۳ حیات برزخی کا حیات جسمانی سے تضاد نہیں؟ یہاں زندہ کن کو کہا گیا ہے؟

حیات جسمانی

حیات کا محل جسم ہی ہے

۱۔ شہداء کی جسمانی حیات

۲۔ پرندوں کی جسمانی حیات

۳۔ امتداد موت سو سال تک

۴۔ بستوں کی زندگی آبادیوں سے

حیات برزخی

- ۲۴۵ بل دفعہ اللہ الیہ رفع جسمانی کے لیے
۲۴۵ ۲۴۵ غدار روح کی ضرورت ہے یا بدن کی؟
- ۲۴۵ ۲۴۵ علامہ ابو عبد اللہ القریطی کا بیان
۲۴۹ ۲۴۹ شہداء کی حیات معتزلہ بھی مانتے ہیں
- ۲۴۵ ۲۴۵ یونزاقون۔ شہداء سے خاص نہیں
۲۴۹ ۲۴۸ صاحبزادہ ابراہیم کے لیے جنت میں خود پلانٹولی
- ۲۴۸ ۲۴۸ حضرت شاہ ولی اللہ کا مدینہ کا ایک مشاہدہ
۲۴۸ ۲۴۸ حضرت شاہ ولی اللہ کا سفر معراج پر ایک بیان
- ۲۴۸ ۲۴۸ ارواح شہداء میں ملکہ تجسد
۲۴۸ ۲۴۸ ارواح شہداء سفید پرندوں کی شکل میں
- ۲۴۸ ۲۴۸ آیت حیات شہداء کے تقاضے
۲۴۸ ۲۴۸ اس میں حیات جسمانی کا بیان ہے
- ۲۴۸ ۲۴۸ آیت لا تنزلوا زراہ کو قبر میں لے جانا
۲۴۸ ۲۴۸ شہداء کی حیات روح و جسد سے ہے
- ۲۴۸ ۲۴۸ علامہ نسفی کی شہادت
۲۴۸ ۲۴۸ علامہ سفارینی کی شہادت
- ۲۴۸ ۲۴۸ قاضی شوکانی کی شہادت
۲۴۸ ۲۴۸ علامہ آلوسی کی شہادت
- ۲۴۸ ۲۴۸ روح کسی صورت میں تجسد ہو یا نہیں
۲۴۸ ۲۴۸ ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ نئی زندگی کا بیان؟
- ۲۴۸ ۲۴۸ جہنمی سیاہ پرندوں کے قالب میں
۲۴۸ ۲۴۸ شہداء سبز پرندوں کے روپ میں
- ۲۴۸ ۲۴۸ کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں
۲۴۸ ۲۴۸ امام اوزاعی کا بیان
- ۲۴۸ ۲۴۸ علامہ نسفی کا حوالہ بحر الکلام سے
۲۴۸ ۲۴۸ ارواح کے علاوہ رزق پانچواں لے برزخی افراد

- یہ عام اموات نہیں باجمل میں مرئیے ہیں ۲۷۳ جب سب مرنے قبروں سے اٹھیں گے تو
- متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہیں ۲۷۳ انبیاء کا احیاء ہو گا یا ان کا بے ہوشی سے افاقہ ہو گا
- احادیث کی رو سے طبعی موت پانچوالے شہداء ۲۷۴ صور موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا
- ردق من عند اللہ ضروری نہیں کہ روحانی ہو ۲۷۴ الا من شاء اللہ کا استثنا۔
- پہلا اور دوسرا صغہ ۲۸۵
- حیات شہداء کے شواہد** ۲۷۵
- حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمر انصاریؓ اور حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ دونوں سالم۔ ۲۷۵
- سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا بدن سالم ۲۷۶ نفعہ اولیٰ اور نفعہ ثانیہ میں وقت کا فاصلہ
- حضرت عبد اللہ بن تامر کا جسد تازہ خون سے ۲۷۷ نزول عیسیٰ بن مریم اور قتل و جلال
- حضرت عمرؓ کا قدم محفوظ دیکھا گیا ۲۷۷ ایک شکل ترین حدیث کا ذکر (نوری)
- حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبد اللہ بن جابرؓ ۲۷۸ قاضی عیاض مالکیؒ کا پیش کردہ حل
- ۶۱۹ء کا واقعہ صدق ۶۲۲ء سے۔ ۲۷۹ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان
- ماہنامہ تعلیم القرآن کی خبر ناقابل انکار صداقت ۲۷۸ مخالفین کا اقرار کہ بعد الوفات
- ایک جہنم فلم ساز کمپنی کی کارروائی ۲۸۰ حیات انبیاء بالاتفاق ثابت ہے۔
- یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ ۲۸۱ عقیدہ حیات کے ساتھ پانچ اقرار
- حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے حق ہونے کا نشان۔ ۲۸۲ ۱۔ حضرت ابو جہر شہادت پالے کے بھی زندہ ہیں کیونکہ قرآن شہداء کو زندہ کہتا ہے۔
- طاہرین صحابہؓ کن صورتوں میں اٹھائے جائیں گے۔ ۲۸۳ حضرت ابو بکرؓ کو بھی مرتبہ شہادت ملا
- جب صورتوں کا جائے اور انبیاء اٹھائے جائیں گے ۲۸۳ ۲۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ شہادت
- ۳۔ مسند حیات النبیؐ کا تعارف ۲۹۱

حیات بعد الوفات لیسہ الکائنات

- ۴۲۸ { صحبت خامس تدقیق الکلام فی عرض
الصلوة والسلام علی سید الانام.
- ۴۲۸ حضور پرورد بزرگی کیفیت سے آتی تھی
- ۴۲۸ معراج کی رات دنیوی جہد اور بزرگی نظر کے
- ۴۲۹ { عام حالات میں بھی آپ نے اعمال امت
کے بہت سے بزرگی جلوے دیکھے }
- ۴۲۹ حدیث عرض اعمال از روایت عبد اللہ بن مسعود
- ۴۳۰ حضور پرورد پیش ہونے کے خاص اوقات
- ۴۳۱ عرض صلوة والسلام دنیا سے بزرگی تک مسلسل
- ۴۳۱ ردائے علیٰ روحی کا معنی ردائے علیٰ لفظی
- ۴۳۲ طبرانی کی روایت الابغی صلاتہ
- ۴۳۲ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث
- ۴۳۳ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث
- ۴۳۳ آٹھویں صدی محدث ابن الملقن کی شہادت
- ۴۳۳ نویں صدی کے محدث حافظ ابن حجر کی شہادت
- ۴۳۴ نویں صدی کے محدث حافظ سخاوی کی شہادت
- ۴۳۵ دسویں صدی کے محدث حافظ سیوطی کی شہادت
- ۴۳۵ گیارہویں صدی کے محدث علامہ خفاجی کی شہادت
- ۴۳۶ بارہویں صدی کے محدث شاہ ولی اللہ کی شہادت
- ۴۳۶ تیسریں صدی کے محدث مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شرح
- ۴۳۷ چودھویں صدی کے محدث سہارنپوری
- ۴۹۷ { الباب الاول وفيه خمسة فصول
الفصل الاول وفيه حديث اوس بن اوس
في حديث اجساد الانبياء
قطعات روایت میں ربط مطالب
صحابہ کا سوال آیت اور حضور کا جواب
خط اجساد اسی جہد عنقریب سے متعلق ہیں
منکرین حیات کی کثافت فکر
تائید مزید من روایت ابی الدرداء
روایت ابی الدرداء کی تصحیح کرنے والے
- ۴۹۸ {
- ۴۹۹ {
- ۴۰۰
- ۴۰۱
- ۴۰۲

حدیث الفصل الاول وفيه ثمانية من المباحث

- ۴۰۳ مبحث اول در احوال روایات
- ۴۰۶ و توثیق رجال حدیث اوس بن اوس
- ۴۰۷ مبحث ثانی بتیس محدثین نے تصحیح کی
- ۴۰۸ گیارہ حوالے اور عبارات
- ۴۱۳ مبحث ثالث حدیث کا مفہوم حیا النبی
- ۴۱۳ گیارہ حوالے اور عبارات
- ۴۲۲ مبحث رابع حدیث ابی الدرداء
- ۴۲۷ و توثیق روایات

۴۴۵ فاذا صرفت رھین رمس (مرقات)
 ۴۴۶ مولانا شہید کا عقیدہ خنط جسد پاک

الفصل الثانی وفیہ تشریح منہج البحث

۴۴۷ حدیث ابی ہریرہؓ ما من احد یسلم علی
 ۴۴۷ بحث اول چار بنیادی سوالات
 ۴۴۸ جہاں بدن اطہر ہے وہیں عرض سلام ہے
 ۴۴۸ ایک روایت میں یسلم علی عند قبری کے الفاظ
 ۴۴۹ علامہ زین الدین ابو بکر المرغنیؒ کی شہادت
 ۴۴۹ علامہ عزیزیؒ شارح جامع صغیر کی شہادت
 ۴۴۹ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت
 ۴۵۰ بحث ثانی در تحقیق رواۃ حدیث
 ۴۵۱ تصحیح محدثین دس حوالے
 ۴۵۲ کیا زید بن عبدالشکر نے حضرت ابو ہریرہؓ کا زمانہ پایا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ کا جواب
 ۴۵۲ بحث ثالث کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب
 ۴۵۲ درود روز پیش ہوتا ہے یا صرف جمعہ کے دن
 ۴۵۸ جلالہ الافہام کی ایک حدیث میں تعحیف
 ۴۵۸ بلغنی صوتہ یا بلغنی صلواتہ
 ۴۵۹ بحث رابع فی تصحیح التقدیمین
 ۴۶۰ امام احمدؒ کی تصحیح امام ابو داؤدؒ کی تصحیح

۴۴۷ علامہ عثمانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث کی تصدیقاً
 ۴۴۸ دوسری صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ کا بیان کہ آپ کا جسد اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔
 ۴۴۸ درود و سلام حضور پر پیش ہونا اس پر
 ۴۴۸ حضرت عبدالشکر بن مسعودؓ کی شہادت
 ۴۴۸ حضرت عبدالشکر بن مسعودؓ کی تعلیم درود
 ۴۴۹ درود پہنچانے والے کا رکناں الہی
 ۴۵۰ حضرت ابوالدرداءؓ کی تصدیق
 ۴۵۱ سیامین فی الارض کا دائرہ کار
 ۴۵۱ محدث کبیر ملا علی قاریؒ کی شہادت
 ۴۵۱ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شہادت
 ۴۵۱ قاضی شوکانیؒ کی شہادت
 ۴۵۲ اس شبہے کا جواب کہ حدیث کے موقع پر
 ۴۵۲ حضرت عثمانؓ کا درود آپ پر کیسے نہ آیا۔
 ۴۵۲ بحث سادس
 ۴۵۲ التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہید
 ۴۵۲ طے کرنے کے متعدد معنی
 ۴۵۲ ۱. ملحق ہونا۔ ۲. ایک ذات ہونا۔
 ۴۵۲ ۳. دفن ہونا۔
 ۴۵۲ میں کبھی سے کے معنی میں (نرد اللغات)
 ۴۵۵ حضرت گنگرہیؒ کی طرف سے وضاحت

فی تصحیح التاخرین

- ۴۶۰ مبحث ثانی ۴۶۹
- مولانا عبدالجبار غزنوی مولانا ظفر احمد عثمانی ۴۶۰
- شیخ عبدالعزیز بن باز ۴۶۰
- مبحث خامس فی معنی رد الروح ۴۶۱
- ردین المحدثین مولانا اور شاہ کی شرح حدیث ۴۶۱
- محدث سہارنپوری مولانا خلیل احمد کی شرح حدیث ۴۶۲
- شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی شرح حدیث ۴۶۲
- حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی کی شرح حدیث ۴۶۲
- شرح حدیث ان لله ملئکت مسیحین فی الارض ۴۶۲
- آنحضرت کا سماع عند القبر ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے ۴۶۵
- علمائے سجد کی دو جلی شہادتیں ۴۶۵
- مبحث ثالث ۴۶۰
- انبیاء کا اجساد منصریہ سے آسمانوں پر ۴۶۱
- بانانا کیا قبروں کے کھلنے سے ہوا ۴۶۱
- قبروں کے کھلنے کا وقت تو صرف قیامت ہے ۴۶۱
- قبروں سے کچھ وقت علیحدہ رہنے کا استبعاد ۴۶۱
- انبیاء کی بیت المقدس حاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے ۴۶۲
- بیت المقدس کی ملاقات اگر ابدان مثالیہ سے ہو ۴۶۲
- تو لازم نہیں کہ مومن کو قبر میں بدن مثالی سے دیکھا ہو ۴۶۲
- ارواح قدیریہ مثل ہوں تو بھی حیات فی القبر کی نفی نہیں ۴۶۲
- مبحث رابع ۴۶۶
- حدیث صلوة موسیٰ فی العبر ۴۶۶
- حضرت موسیٰ سے ملاقات کی قرآنی خبر ۴۶۶
- مبحث اول ۴۶۷
- حدیث صلوة موسیٰ کے خلاف قرآن ہونے کا دعویٰ ۴۶۷
- معرارج کی رات آپ حضرت موسیٰ سے مختلف ۴۶۷
- مقامات میں مختلف اوقات میں ملے تھے ۴۶۷
- دارالعمل کے بعد جو یہ عمل کی نفی ہے ۴۶۷
- نفس عمل کی نہیں ۴۶۷
- حضرت علامہ قرطبی کی شہادت ۴۶۷
- مولانا اور شاہ کی شہادت ۴۶۸
- حافظ ابن حجر کی شہادت ۴۶۸
- امام بیہقی کی شہادت ۴۶۸

الفصل الثالث فیہ ترتیب من المباحث

- قرآن کریم سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۴ حدیث الانبیاء احوال فی قبور ہم بصلون ۴۸۶
- احادیث سے آخرت کے اعمال کا ثبوت ۴۷۵ سب راویوں کا مشترک سلسلہ روایت ۴۸۷
- جنور کا آخرت میں امت کے لیے استغفار ۴۷۶ حافظ ابو یعلیٰ الموصلی کا سلسلہ استاد ۴۸۷
- حضرت تھانویؒ کا ایک نہایت جامع تبصرہ ۴۷۷ مبحث اہل فی معنی الحدیث ۴۸۸
- مبحث خاص ۴۷۷ انبیاء کے لیے وہی پیرا یہ حیات ہے جو ۴۸۸
- حدیث کی سند پر اعتراضات ۴۷۷ قرآن کریم میں شہداء کا پیرا یہ حیات ہے ۴۸۸
- مراسیل مجاہدہ خود محبت ہیں ۴۷۸ الانبیاء سے اجساد و ارواح دونوں مراد ہیں ۴۸۹
- مبحث سادس ۴۷۸ حضرت مولانا انور شاہ کی شہادت ۴۸۹
- وادی ازرق یا لیلۃ الاسرار کے ۴۷۹ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت ۴۹۰
- مشاہدات حقیقی تھے یا مثالی؟ ۴۷۸ حضرت علامہ سمہودیؒ کی شہادت ۴۹۰
- اصل سے مراد اصل ہی ہے جب ۴۷۹ ایک اور جہت سے معنی پر غور ۴۹۱
- تک قرینہ صارفہ نہ ہو۔ ۴۷۹ جو حیات مقصد حیاتِ خالی ہو وہ موت ہے ۴۹۱
- ابدان مثالی کے قائلین پر ایک الزام ۴۸۰ اس معنی و مفہوم پر قرآن پاک کی شہادت ۴۹۱
- حافظ ابن حجر نے دو احتمالات کو جگہ دی ہے ۴۸۰ روح اور جسد کی نسبت سے تین کیفیتیں ۴۹۲
- حافظ نے خود اصل تشریف آوری کو ترجیح دی ہے ۴۸۰ روضہ منورہ کی حیات تیسری قسم کی ہے ۴۹۳
- اللہ کی قدرت کا اقرار کرنے سے ۴۸۱ حضرت کی حیاتِ قبریہ کے دو جزو ہیں ۴۹۴
- کوئی مشکل نہیں رہتی۔ ۴۸۱ ۱۔ صرف روح کی زندگی نہیں ۴۹۴
- ۲۔ اشتغال بالاعمال ۴۹۴
- حدیث صلوة بنی النضر سنی پڑھنے والی کا حاشیہ ۴۸۳ حضرت مولانا انور شاہ کی شہادت ۴۹۴
- عالم برزخ کے حقائق اور کیفیات ۴۸۳ قاضی شوکانیؒ کی شہادت ۴۹۵
- حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شہادت ۴۹۶

افصل الرابع و فی ترتیب من المباحث

- ۴۹۷ علامہ سندھیؒ کی شہادت
- ۴۹۸ علامہ شعرائیؒ کی شہادت
- ۴۹۸ حافظ ابن حجرؒ کی شہادت
- ۴۹۸ علامہ بدرالدینؒ کی شہادت
- ۴۹۹ مبحث ثانی فی احوال الرواة
- ۵۰۰ حجاج بن الاسودؒ
- ۵۰۱ کشف استارہ من وجہ الکفارہ
- ۵۰۲ اس حدیث کا شاہد موجود ہے
- ۵۰۳ مبحث ثالث
- ۵۰۳ راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی اپنی دعا
- ۵۰۵ راوی حدیث ثابت بنانیؒ کی قبر میں زندگی
- ۵۰۶ مبحث رابع
- ۵۰۶ جن اکابر علمائے ہند نے اس حدیث کو قبول کیا
- ۵۰۷ حدیث پر تواتر کا دعویٰ
- ۵۰۷ حوالجات ۲۳ حوالے
- ۵۰۳ مبحث خامس الکلام علی عالم المثال
- ۵۲۳ چار جہاں بالترتیب عالم مثال متوازی
- ۵۲۴ حضور نے جنت اور جہنم کو متوازی سمتوں میں دیکھا
- ۵۲۵ عالم مثال کے مختلف اداوم (آدم)
- ۵۲۴ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہاں
- ۵۲۶ عالم مثال کی حقیقت
- ۵۲۷ مبحث سادس فی معنی القبر
- ۵۲۸ ایک غلطی کا ازالہ
- ۵۲۸ ۲ شخصیت کے عہد میں قبر کے عام اطلاقات
- ۵۲۸ صحابہ اور تابعینؒ کے ہاں لفظ قبر
- ۵۲۹ حضرت ابو ایوب انصاریؒ کی
- ۵۳۱ قبر پر گور کے شعلے
- ۵۳۲ **الفصل الخامس فی تسمیۃ من اللہیات**
- ۵۳۲ حدیث ابی ہریرہؓ من صلی علی عندی
- ۵۳۲ مبحث اول فی معنی الحدیث
- ۵۳۳ منزل مٹی کے فاصلے سے سننا
- ۵۳۳ آپ کو دنیا میں بھی حاصل تھا
- ۵۳۳ قبر میں قریب سے سنتے کی ایک اور روایت
- ۵۳۳ آپ کا حضرت عیسیٰ کو قبر مبارک سے جواب دینا
- ۵۳۳ طبرانی کی روایت کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے
- ۵۳۳ حدیث زمین پر سیاحت کرنے والے
- ۵۳۳ تاکہ مجھے درود و سلام پہنچاتے ہیں
- ۵۳۵ انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں
- ۵۳۵ اس سے مراد سماع حقیقی بلا واسطہ ہے
- ۵۳۶ حضرت ابن عمرؓ کی روایت بحوالہ شیخ عبدالحق
- ۵۳۶ حضرت مولانا تھانویؒ کی شہادت

- المبحث الثاني ۵۲۸ تحقیق رواتہ سندابی الشیخ ۵۲۲
- فی بیان الشاہد من الحدیث ۵۲۸ مبحث رابع ۵۲۲
- روایت عبداللہ بن مسعود ان اللہ ملئکتہ سیاحین ۵۲۸ جن علمائے اعلام نے اسے تسلیم کیا ہے ۵۲۵
- دونوں سندیں سفیان ثوری تک ۵۲۸ بارہ علمائے کبار ۵۲۶
- فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں؟ ۵۲۸ جو الحجات از بعض عبارات ۵۲۶
- قبر مبارک پر کیونکہ وہ سیاحین فی الارض ہیں ۵۲۸ ابن تیمیہ، ابن قیم، ماقط ابن حجر، حافظ سخامی ۵۲۶
- حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند کا حال ۵۲۹ ابن حجر مکی، ابن کثیر، علامہ خفاجی، المناوی ۵۵۰
- دوسری سند کے راوی محمود بن وکیع بن الجراح ۵۲۹ ملا علی قادری، علامہ طحطاوی، قاضی ثناء اللہ ۵۵۲
- یہ حدیث کن کن کتابوں میں پائی جاتی ہے؟ ۵۲۰ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب سجندی ۵۵۲
- کن کن محدثین نے اسے معتمد کہا ہے؟ ۵۲۰ مولانا عبدالحی لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں ۵۵۲
- حضرت شاہ عبدالعزیز کا تواتر کا دعویٰ ۵۲۱ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۵۵۵
- مولانا محمد منظور نعمانی کی شرح حدیث ۵۲۱ حضرت مولانا مختار دلی، مولانا عبدالغفور امرتسری ۵۵۶
- مبحث ثالث ۵۲۱ مبحث خامس ۵۵۷
- تحقیق اسانیدابی الشیخ والبیہقی ۵۲۱ علامہ ابن عبدالہادی کا اسے معنی قبول کرنا ۵۵۷
- ابوالشیخ اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں ۵۲۱ امام بیہقی اس روایت کو دوسرے شواہد [۵۵۹
- ابوالشیخ کی سند جتید ہے ۵۲۱ صحیح ہو کر کرتے ہیں رد نہیں کرتے]
- بیہقی کا راوی ابو عبدالرحمن محمد بن مروان ۵۲۲ فروع کے اختلاف اور اصول کے اختلاف ۵۵۹
- منکرین کا رد حدیث کے لیے دوسرے پتیرہ ۵۲۲ کی دو حدیثیں۔ ۵۶۰
- یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے ۵۲۲ حید اور صحیح میں فرق ۵۶۰
- کیا کسی امام نے اسے قرآن کے خلاف کہا ہے؟ ۵۲۲ دعویٰ غرابت اور اس کی وضاحت ۵۶۱
- مخالطے کا ایک اور انداز ۵۲۲ صحیح بخاری میں غریب کے الفاظ ۵۶۲

بحث سادس

- ۵۲۴ ان آیات کا موضوع کیا صرف انبیاء
 ۵۶۲ ہیں یا مفسرین ان میں مجاہد ابھی ذکر کئے۔
- ۵۶۴ ارشاد العوام لعرض الصلوٰۃ والسلام
 امام مالک کے نزدیک آپ کی حیات تامہ ۵۶۴ عقلمت کا معنی علم کی نفی یا دھیان کی نفی
- ۵۶۵ مشہور دسی کتاب نور الایضاح کا حوالہ
 ۵۶۵ درود و سلام کے سوا کیا کچھ اور بھی سننا ہے
- ۵۶۵ ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءواک
 ۵۶۵ واقعہ حضرت بلال بن الحارثؓ
- ۵۶۵ حضور کی ہمسائیگی تھی ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں
 ۵۶۵ تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ
- ۵۶۶ شفاعت کے لیے عرض کرنا
 ۵۶۶ روضہ انور پر اسلام پر ایہ خطاب میں

الفصل الما اول مسلک خلفائے راشین

- ۵۶۶ علامہ ابن الہمام کی تعلیم طریق زیارت
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت
- ۵۶۸ ماہنامہ تعلیم القرآن راو الپنڈی کا فتویٰ
 حضور کے حضور صلوٰۃ و سلام کے کلمات
- ۵۶۸ نزول وحی کے وقت آنحضرتؐ کی حالت
 اس حالت کے پیش نظر وقوع موت میں احتمال
- ۵۶۹ گنبد خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام
 حضرت عمرؓ کے انکار وفات کے مختلف احتمالات
- ۵۷۰ شیخینؓ کو نبی کریمؐ کے حضور واسطہ بنانا
 حضرت عمرؓ انک میت کے وعدہ بے خبر نہ تھے
- ۵۷۰ اوروں کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے
 تعطیل جو اس ظاہر اور موت میں اشتباہ
- ۵۷۰ فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ
 حقیقت الامر اور حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ
- ۵۷۰ سماع مرتبی میں سلف کا اختلاف بتلاتا ہے کہ
 دونوں میں کوئی بات قطعی نہیں۔
- ۵۸۲ جبہ اطہر سے عام قرآن موت ظاہر نہ تھے
 قرآن موت کا تدریجی تتبع
- ۵۸۲ حکمت شاہ ولی اللہؒ نے حضرت عمرؓ کے
 انکار وفات میں ایک گہرائی محسوس کی۔
- ۵۸۳ صحابہؓ نے آپؐ کو دوسری اموات
 کا سا معاملہ نہ کیا۔
- ۵۸۱ پکار دور سے بلانے کو کہتے ہیں
 قریب بات کہنا پکارنا نہیں ہوتا۔
- ۵۸۱ قرآن کریم میں اموات کے پکار
 سننے کی نفی ہے۔

- اختصاصات الوفات لید الکائنات ۵۸۴ حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد ۵۹۶
- تنوع موت پر پہلی شہادت ۵۸۳ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مسئلے کی تائید ۵۹۸
- تنوع موت پر دوسری شہادت ۵۸۴ حضرت عثمانؓ فوالنورینؓ کا اعتقاد ۵۹۹
- بنی کی نیند اور دوسروں کی نیند میں فرق ۵۸۵ مجاورت قبر سے مجاورت رسول کا دعویٰ ۵۹۹
- محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ کی شہادت ۵۸۶ لا اقان مجاور رسول اللہؐ سواہ ۶۰۰
- اعتقاد الصدوقؒ لِحیات الرقیقہ ۵۸۷ حضرت علی المرتضیٰؑ کا اعتقاد ۶۰۱
- جو موت موعود تھی وہ واقع ہو چکی ۵۸۸ جوار قبر رسول سے جوار رسالت کا دعویٰ ۶۰۲
- آپ پر دوسری موت آئندہ نہ آئے گی ۵۸۷ حضورؐ کے روضہ کے پاس بھی شور نہ ہو ۶۰۲
- مفہوم موتین کی تعیین ۵۸۷ ایک اعرابی کی حضورؐ کے روضہ پر حاضری ۶۰۲
- علامہ عینیؒ کا ایمان افروز بیان ۵۹۰ اور روضہ سے آواز روایت حضرت علیؑ ۶۰۲
- قبر میں حیات اور پھر موت دونوں ہیں ۵۹۰ آیت جلاء و کبر پر حاضری کو بھی شامل ہے ۶۰۲
- حافظ ابن حجرؒ کا تائیدی بیان ۵۹۰ اس حکم کے باقی ہونے پر علماء دیوبند کی شہادتیں ۶۰۳
- شارح بخاری علامہ نور اسحق دہلویؒ کی شہادت ۵۹۱ شیخ عبد اسحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۶۰۵
- حضرت شیخ عبد اسحق محدث دہلویؒ کی شہادت ۵۹۲ (تمتہ الفصل)
- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عقیدہ حیات النبیؐ ۵۹۲ بیان عقیدہ ازام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ ۶۰۶
- مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا عقیدہ ۵۹۳ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل ۶۱۱
- ان شارحین حدیث نے جو کچھ بیان کیا ہے ۵۹۳ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے صیغہ ہائے سلام ۶۱۲
- اسے اہلسنت کا مذہب کہہ کر بیان کیا ہے ۵۹۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حاضری ۶۱۲
- اعتقاد الفاروقؓ الاظمؓ لِحیاء النبی الخاتم ۵۹۵ درود و سلام کی ادا میں احناف کا موقف ۶۱۳
- حضورؐ کی آواز سے اونچی آواز کرنے کا حکم ۵۹۵ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی ۶۱۳
- کیا وفات کے بعد بھی اس آیت پر عمل لازم ہے؟ ۵۹۶ روضہ اطہر پر حاضری

۶۲۳ درود و سلام کی ادوار میں احناف کا موقف ۶۱۴ ملا علی قاریؒ کی عبارت

الفصل الثالث

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روئے اطہر پر حاضری ۶۱۴

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اپنی قبر کی کرامت ۶۱۴

۶۲۳ اکابر فرقہ اہل حدیث

الفصل الثانی فی بیان المذہب الرابع

۶۲۳ قاضی شوکانیؒ کی عبارات

۶۲۳ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

۶۲۴ نواب صدیق حسن خانؒ کی شہادت

۶۲۵ حضرت مولانا نذیر حسین دہلویؒ

۶۲۵ مولانا وحید الزمان حیدرآبادیؒ

۶۲۵ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ

۶۲۶ مولانا عطاء اللہ حنیف

۶۲۶ مولانا فضل الرحمن بہری پوری

۶۲۶ مولانا شمس الحق ملتانی

۶۲۶ علامہ حسان الہی ظہیریؒ

تمتہ الفصل

۶۲۷ علمائے آل شیخ کا متفقہ عقیدہ

۶۲۷ سعودی سفیر عبدالحمید الخلیب کا تصدیق

الفصل الرابع فی موقف المسلمین

۶۲۸ عقیدہ علامہ تور شہستیؒ

۶۲۹ عقیدہ الاستاذ ابو منصور البغدادیؒ

مالکی مذہب کا بیان

امام مالکؒ اور خلیفہ ابو جعفر منصور کی گفتگو

امام مالکؒ کا فرقے کے زیارت قبر نہ کہے

شافعی مذہب کا بیان

طبقات شافعیہ کی عبارت

علامہ یوسف اردوبیلی کی عبارت

حنبل مذہب کا بیان

علامہ ابن عقیلؒ کی عبارت

علمائے نجد کی تصریحات

حنفی مذہب کا بیان

وہسی کتاب نور الایضاح کی عبارت

مراتی الفلاح کا بیان سماع عند القبر

علامہ طحاویؒ کا بیان سماع عند القبر

علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت

علامہ ابن عابدینؒ کی عبارات

حضرت علامہ عینیؒ کی عبارت

۶۲۷ ⑥ مولانا رشید احمد گنگوہی کی شہادت

تمتہ الفصل

۶۲۷ حیات حب جمع علیہ عقیدہ ہے تو
انکار حیات فی القبر کن کا عقیدہ ہے؟

۶۲۷ علامہ عینیؒ کی شہادت

۶۲۷ حافظ ابن حجرؒ کی شہادت

الفصل السابع

۶۲۸ مبحث اول

۶۲۸ حیات فی القبر کا تحقق

۶۲۹ طریق حیات فی القبر خواہ اعادہ روح
سے ہو یا اشرف روح بر بدن سے

۶۳۰ اعادہ روح کی روایت اور
اس کی تصحیح کرنے والے ائمہ

مبحث ثانی

۶۳۱ رد الاشتبہات فی تحقیق الروايات

۶۳۲ زاذان کا سماع حضرت برادر سے

۶۳۵ مبحث ثالث

۶۳۵ اعادہ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

۶۳۶ تحقیق المقام - تین مسلک

۶۵۰ مبحث رابع

۶۲۸ اشاعرہ اور ماترید یہ کا متفقہ فیصلہ

۶۲۹ عقائد علمائے دیوبند اور المہند

الفصل الخامس

شواہد الحیات من بیان الواقعات

۶۳۰ ① واقعہ ترہ

۶۳۰ مسجد نبوی میں حضرت سعید بن مسیبؓ

۶۳۱ روضتہ اطہر سے اذان و تکبیر کی آواز

۶۳۲ قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

۶۳۲ مولانا انور شاہ صاحب کا بیان

۶۳۲ ② واقعہ سلطان نور الدین زنگیؒ

تمتہ الفصل

شیخینؒ کو گنبد خضریٰ سے نکالنے کی سازش

الفصل السادس

شہادات اجماع

① محدث سخاویؒ کی شہادت

② علامہ عینیؒ کی شہادت

③ علامہ محمد عابد سندھیؒ کی شہادت

④ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

⑤ نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ

اعادۂ روح اور اقبال روح میں موازنہ

۶۶۱ حضرت کے ہاں درودِ موت کا عقیدہ }
ضروریات میں سے۔

الفصل الثامن

۶۶۲ حضرت سے آیت اللہ صیونی الانفس معنی نہ معنی

۶۶۳ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۶۶۴ حیات النبی کے باعث منع وراثت

۶۶۴ حدیث بنی اللہ صی بین نفاق کی تصدیق

۶۶۴ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے سوال کے

۶۶۵ جواب میں حضرت گنگوہیؒ کا پُر انوار جواب۔

۶۶۶ ۳۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

۶۶۶ ۴۔ محدث العصر مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

۶۶۶ ۵۔ شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد الرحیم رائی پوریؒ

۶۶۶ ۶۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ

۶۶۶ ۷۔ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۶۶۶ ۸۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

۶۶۶ ۹۔ مفتی اقلیم منیر حضرت مفتی کفایت اللہ دیوبندیؒ

۶۶۸ ۱۰۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

الفصل الثانی

۶۵۳ بعض دوسرے مقررین کے اجساد کا محفوظ رہنا

۶۵۳ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی حیات جسدی

۶۵۳ عمرو بن الجحومؓ کی حیات جسدی

۶۵۳ حضرت خذیفہ بن یمانؓ

۶۵۳ حضرت جابر بن عبد اللہؓ

۶۵۳ قاضی شوکانیؒ کی شہادت کہ حیات شہداء

روح اور جسبہ دونوں سے متعلق ہے۔

الباب الرابع وفيه فصلان

الفصل الاول

علمائے دیوبند میں المہند کی مرکزی حیثیت

المہند لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

مسک دیوبند ایک واضح اور

شخصی صورت میں۔

دس موجود اکابر دیوبند کا عقیدہ حیات النبی

۶۵۸ مسد حیات النبی کا مدار صرف آب حیات نہیں

۶۵۹ دس مرحوم اکابر دیوبند کے عقائد

۶۸۱ ۱۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

۶۸۲ ۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

۶۵۹ ۱۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم الصیقلی نانوتویؒ

۶۶۱ ۲۔ حضرت کانک میت وانعم میتوں پر ایمان

- حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قاصد ذریعے سلام بھیجا ۶۸۵
- ۵۔ مخدوم العلماء مفتی محمد حسن بانی جامعہ شرفیہ لاہور ۷۰۷
- ۶۔ مولانا مفتی محمد صادق جامعہ عباسیہ بہاولپور ۷۰۷
- ۷۔ استاد العلماء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ملتان ۷۰۷
- ۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی لاہور ۷۰۷
- ۹۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر راولپنڈی ۷۰۷
- ۱۰۔ حافظ الحدیث مولانا محمد عبدالقادر خواستی خانپور ۷۰۷
- ۶۸۹ قریب سے سنتے نہیں تو ایسا کیوں تھا؟
- حضرت نالوتوی اور حضرت گنگوہی کے مسک میں کوئی فرق نہ تھا۔ ۶۸۹
- المہذب میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے ۶۸۹
- اردو اشتہارات میں یہ بحثیں لانا درست نہیں ۶۹۰

تربیع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد
دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ ۱۴۰۵ھ

- کیا روضہ میں دنیا کی سی زندگی ہے؟ ۷۱۰
- حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور
شیخ القرآن مولانا غلام الشراخ کا تصفیہ ۷۱۱
- عمیرہ حیات الانبیاء قرآن کریم میں ۷۱۲
- پانچ آیتوں سے مسئلے کا ثبوت ۷۱۲
- حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں ۷۱۳

- ۳۔ محدث العصر حضرت مولانا طغرل عثمانی ۶۹۱
- ۴۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی ۶۹۱
- ۵۔ مفتی اعظم دیوبند مفتی مہدی حسن شاہ بھانپوری ۶۹۳
- ۶۔ خلیفہ اعظم حضرت مولانا حسین علی نصیر الدین غورخشوی ۶۹۶
- ۷۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری ۶۹۷
- ۸۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر راولپنڈی ۶۹۸
- ۹۔ جانشین حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ۶۹۸
- مولانا عبدالغنی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی ۶۹۸
- ۱۰۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھنوی ۶۹۹

پاکستان کے اس کا بریلک دیوبند کا متفقہ اعلان

- ۱۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری کراچی ۷۰۷
- ۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ۷۰۷
- ۳۔ اتاد الاساتذہ مولانا محمد رسول خاں لاہور ۷۰۷
- ۴۔ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صدوق مدرس ۷۰۷
- ۱۔ الانبیاء اھیاء فی قبور ہم یصلون ۷۱۳
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۴
- ۲۔ رد اللہ علی روحی فارذ علیہ ۷۱۶
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۶
- ۳۔ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ۷۱۷
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۷۱۸

۵. فہم من شكة سياحين في الارض ۴۲۰ بزرگان دیوبند اور اقرار اجماع ۴۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۲۰ اصحابِ ظواہر کا اقرار اجماع ۴۴۲
۵. من صلی علی عند قبوی سمعته ۴۲۱ قیاس صحیح اور حیات الانبیاء ۴۴۲
- حدیث کے صحیح ہونے کی تصریحات ۴۲۱ منکرین حیات کس فرقے کے لوگ ہیں؟ ۴۴۲
۱. مسئلہ حیاة النبی اور محدثین غلام ۴۲۳ منکرین حیات کے چھپے نماز پڑھنا ۴۴۵
۲. مسئلہ حیاة النبی اور متکلمین کرام ۴۲۸ حضور کے روضہ پر حاضری کی تاکید ۴۴۵
۳. مسئلہ حیاة النبی اور فقہاء اسلام ۴۲۹ زیارة روضہ اطہر احادیث کی بدستھی میں ۴۴۶
۱. محدثین دیوبند اور عقیدہ حیاة الانبیاء ۴۳۰ زیارة روضہ اطہر پر فقہاء کی تصریحات ۴۴۶
۲. متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیاة الانبیاء ۴۳۳ منکرین عذاب قبر کا شرعی حکم ۴۵۰
- انبیاء کی نسبت موت کا اعتقاد ۴۳۵ { شفاعت، رویت باری کرام کاتبین اور عذاب قبر کے منکرین کا ایک حکم ۴۵۰
- بھی ضروری ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم
۳. فقہاء دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء ۴۳۵ زیارة روضہ اقدس پر اجماع امت ۴۴۹
- حیات انبیاء کرام اور اصحابِ ظواہر ۴۳۷ منکرین حیات اہل سنت سے خارج ۴۴۷
- شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی ۴۳۹ صاحبِ خلافت القادوسی کی تصریح ۴۵۰
- اجماع امت اور مسئلہ حیاة الانبیاء ۴۴۱ حافظ ابن ہمام کی شہادت ۴۵۱
- علامہ سخاوی کی شہادت ۴۴۱ فتاویٰ عالمگیری کا فیصلہ ۴۵۱
- علامہ سندھی کی شہادت ۴۴۱ علامہ قرطبی کی شہادت ۴۵۱
- شیخ عبدالحق کی شہادت ۴۴۲ علامہ سالمی کی شہادت ۴۵۲
- نواب قطب الدین کی شہادت ۴۴۲ بحر العلوم عبدالعلی کی شہادت ۴۵۲
- علامہ داؤد بغدادی کی شہادت ۴۴۲

مہر دارالعلوم دیوبند

مخدوم العلماء جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحب

کا مؤلف مقام حیات نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید مجدکم السامی

سلام سنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا انشاء اللہ۔ «مقام حیات»، جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ طرز بیان انتہائی بلیغ، موثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور اجاب کے لیے ہر وقت دعا گو ہوں۔

والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

۱۳۸۱ھ

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۶۲ء

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا فتویٰ

”نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابین ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبروں کی زیارت
کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور
دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کرے۔“

السلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاته.

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا،
جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر ٹوٹا دیتا ہے یہاں تک
کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔^۱

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں
ٹوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فیمسك التي قضى عليها الموت كما مطلب یہ ہے کہ موت والے
کی روح اس دنیا میں اُس کے بدن میں ٹوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے
ٹوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں ٹوٹنے سے روکی
ہوتی ہے۔ شیخ عبداللہ بن باز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:-

اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیات برزخی کے
لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں ہے۔

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور پر وفات آئی اور انک میت وانہم میتون
کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اس آیت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لیے مانع سمجھنا اور اس سے
عقیدہ حیات البنی کو رد کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیات شہداء
پر لفظ وارد نہ ہوتی۔

تعارف و اعتراف

اس نازک دور میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے، تن آسانیوں اور لذت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ — ضرورت تھی کہ احترام دین اور فکرِ آخرت رکھنے والا طبقہ — جسے کہ عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے، — اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جدوجہد — دین و ملت کے اصولی مسائل کے تحفظ پر لگا دے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترام دین کے احساس میں مشترک تھے، تفصیلِ فکر و عمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

لا دینیت کا محاذ

مالی قدروں اور حسی لذتوں کا آمیزہ — اسلام کو اپنے رستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر لا دینی کے لیے ایک متحدہ محاذ بنا رہا ہے — زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں — مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا — تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے —

ہنوز دہلی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسائلِ عمل بے شک ایک ہی جاوہِ شریعت کے نظامِ وسعت اور ایک ہی چہرہٴ عمل کے مختلف کنارے تھے۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی باہم نزاع لفظی کی حدود سے مجاوزہ نہیں لیکن افسوس کہ محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ

کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آگئے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحریب کی تند ہوا میں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر روز دہمند اور حساس مسلمان کا دل ٹپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہیے۔

یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریق عمل پیش کر کے اسلام کے نظام و وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقول اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے نا جانہ فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائل متفقہ میں بھی کیرے نکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو، اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدباب کے لیے جملہ عوامل بروئے کار لائے جائیں۔ فطرت کا نظام انقلاب اور قومی زندگی کا تدوین و جبر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں، بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدت ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیش رو نہیں، بلکہ علم و معرفت کے وہ ستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علم نبوت — پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائق تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساس ملی کا یہ چشمہ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

راہ آباد رو کہ این جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است
(اقبال)

اسلام کا عقیدہ معاد — دین محمدی کا اہم ترین موضوع

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع اللہ رب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سُنتا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ قرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرہ میں ہیں ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ واجب الوجود کی کوئی صفت بھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے قلب پر ملاہ اعلیٰ کی کوئی تھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدہ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدہ معاد ہے، اُسے

(حشر جہاد) بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس طرح توحید باری

Resurrection

کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے مسئلہ اللہ اور یقین آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام کے یہی تین اصول ہیں۔ توحید، آخرت، اور رسالت۔ اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔ التوحید والرسالة والآخرۃ۔ ایمان ٹھیل میں اللہ تعالیٰ فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الردۃ النذیہ میں ہے:-

هذا هو الركن الخامس من اركان الايمان وهو الايمان باليوم الآخر وجمهور

بنی آدم یؤمنون بالبعث بعد الموت وقد دل منه علی ذلك العقل والقطرة

كما صرح به جمیع الكتب السماویة ونادی به الانبیاء والمرسلون

والناس فی البرزخ یفتنون ویمنون او یذبون علی ذلك۔^۱

ترجمہ۔ ارکان ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف ہمنامی کرتے ہیں، تمام آسمانی کتابوں میں اسکی صراحت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اس دن کی آواز دیتے آ رہے ہیں اور لوگ بزرخ ہیں (اس درمیانی زندگی میں) آسمانوں میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعیم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

بولوگ منکرین مذہب atheist تھے۔ انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی۔ وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے۔

اس کا ایک جواب بہت آسان تھا، وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق رُوح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک رُوحانی جہاں spiritual world ہے مرنے پر بدن کی ریزنگاری اس جہاں سے متعلق ہے، رُوح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات رُوح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی قبر میں تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جلد ہے ہیں اس کی بے شک فنا ہے رُوح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا، اگر آخرت کا معاملہ صرف رُوح سے ہوگا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا، قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے۔
سوال یہ تھا:-

قال من يحيى العظام وهي رميم. (پہلی آیت ۷۸)

ترجمہ: کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں۔

جواب میں فرمایا:-

قل يحيى الذي انشاها اول مرة وهو بكل خلق عليم. (پہلی آیت ۷۹)

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے بتایا اُن کو پہلی بار۔ اور وہ سب

طرح بنانا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں یہ مضمون متعدد مقامات پر پھیلا ہوا ہے یہاں انسانی سوچ حیرت میں گھبر جاتی

ہے۔ کیا ضرورت پڑی تھی کہ اپنی مُردہ ابدان کو پھر سے اٹھایا جائے اور اُن ایک ایک

قرے میں زندگی لائی جائے، کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آخرت کے سارے معاملات صرف رُوح سے

متعلق رکھے جاتے اور آخرت کے اَلْم و نَعِیْم کا مورد وہی انسانی رُوح ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے

ایسا نہیں کیا۔ اُس نے یہی چاہا کہ جن بدنوں سے انسان نے گناہ کیے ہیں یا شقیں اٹھائی ہیں وہی

ابدان آخرت میں نَعِیْم و اَلْم کی جزا یا سزا پائیں۔ یہ نہیں کہ آخرت کی جزا و سزا صرف رُوح پر اترے

انسان اپنے دُنیا کے بُرے عملوں کی ایک گونہ سزا پاتا ہے آخرت کے بُرے حساب سے پہلے اُسے

قبر میں سوال و جواب کے ایک مرحلے سے گزرنا ہے پھر تاحشر وہ اپنے انجام کو دیکھتا رہے گا۔ یہ

درمیانہ جہاں چونکہ عام نظروں سے مخفی ہے اس لیے اُسے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی ٹھوکریں

کھائی ہیں۔ یہ ایسی زندگی ہے جس کے بارے میں عقل و نقل کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ اہل السنۃ

والجماعۃ اور معتزلہ و کرامیہ کا زیادہ محاذ اسی زندگی کے گرد بنا ہوا ہے۔

یہی اختلاف بڑھتے بڑھتے معتزلہ کو اس مقام پر لے آیا کہ وہ شہدار کی حیاتِ جسمانی کو بھی

لا تشعرون کے تحت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اُسے شعور میں لانے کے لیے وہ ظاہر

قرآن سے ٹکرائے اور پھر آگے چل کر انبیاء کی حیاتِ برزخی بھی اُن کے لیے ایک معتمد بن گئی۔ اہل السنۃ

والجماعۃ ظاہر حدیث کے ساتھ رہے اور جو بات عام سمجھ میں نہ آتی تھی اُسے وہ لا تشعرون

کے ٹھنڈے سائے میں آرام سے قبول کرتے گئے۔

جاننا چاہیے کہ اہل السنۃ والجماعۃ سوا و اعظم کا سلف و خلف سے یہ عقیدہ چلا آ رہا

ہے کہ سَنَسْرَبُ سَمِی اللہ علیہ وسلم کو اس دُنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالمِ برزخ میں جو حیاتِ حال

ہے وہ اسی حیدرِ اطہر کے ساتھ ہے، جو دُنیا میں آپ کا تھا اور جسے روئے مطہرہ میں دفن کیا گیا۔

قبر منورہ کی اس حیات جسمانی کا مدار اس دُنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ روحانی پر ہے۔ حضور کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبار تعلق بالبدن حیاتِ جسمانی اور باعتبار تعلق بالرزق حیاتِ روحانی ہو۔ آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں، جس نے بھی اس مسئلہِ خامہ پر فرسائی کی، اُسے اس متواتر نظریے کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔ احناف و شوافع، مالک و حنابلہ، محدثین و مُتکلمین اور فقہاء و ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی۔ باوجود تلاش و جستجو کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اطہر روضہ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور رُوح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔۔۔ من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی رُوحِ اقدسِ اعلیٰ علیتین سے لاکر پھر آپ کے جبہ اطہر میں ٹوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفاتِ شریفیہ کے وقت رُوح مبارک قبض ہو کر آپ کے قلب منورہ ہی میں ٹھہر گئی تھی، جو بعد دفن پھر سارے جبہ اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضہ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی رُوح کوٹانے سے قائم ہوئی، یا رُوح پھیلانے سے اس کا استقرار ہوا۔ ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیت وصولِ حیات کیا تھی۔ امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج اپنے روضہ شریفیہ میں حیاتِ جسمانی سے فائز حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی رُوحِ اقدس نے اعلیٰ علیتین، رفیقِ اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اُس نے روضہ منورہ میں پڑے ہوئے جبہ اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جبہ اطہر میں حیات لُٹ آئی، یا امر واقع یہ تھا کہ رُوحِ اقدس اس خطیرہ قدسیہ یا اعلیٰ علیتین سے تعلق قائم کر کے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جبہ اطہر میں ٹوٹا دی گئی، یعنی روضہ منورہ کی یہ حیاتِ جسمانی رُوح مبارک کوٹانے سے قائم ہوئی، یا تاثیر رُوح سے اس کا تقوّم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی

ضرورت نہیں کہ اس دُصولِ حیات کی کیفیت کیا تھی، صورتِ واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدرِ مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روزنہ شریفہ میں حیاتِ جسمانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ جبداطہر وہی ہے جو اس دُنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حدود یہی رہتیں کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روزنہ شریفہ کی حیات ————— کا تقوّم جبداطہر میں روح مبارک دوبارہ کوٹانے سے ہوا یا روح مبارک پھیلانے سے ————— آپ کی یہ حیاتِ جسمانی دُخولِ رُوح سے قائم ہوئی یا یہ حیاتِ تاثیرِ رُوح سے عمل میں آئی ————— تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز جو اختلافاتِ عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں، اُن پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں، ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دُنیا والے جبداطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات ہے اور اُس کا مدار اس دُنیا کے بزرگِ مادی پر نہیں، بلکہ عالم برزخ کے بزرگِ روحانی پر ہے۔ دُنوی حیات کے صرف اپنی کو لازم کہ وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے مستقل دلیل شریعتِ طاہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ اختلافِ دُارین متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دُنیا میں نہیں عالم برزخ میں ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریقِ عمل کی شدید ہذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تَحصّص کی آماجگاہ بنا لیا جائے، خصوصاً اس دورِ الحاد میں ————— جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا شمار مذہب کو عہدِ رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں ————— وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چلہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر تردّد و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

حیاتِ النبی کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیاتِ النبی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس حیات کو باعتبار عالم برزخی کہنے والے بھی تھے۔ باعتبار جسد برزخ میں حیاتِ دنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالم برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اُسے حیاتِ حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبار رزق اُسے حیاتِ قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے اور اس پہلو سے اُسے حیاتِ روحانی کہنے والے بھی تھے۔ تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دُنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اُس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سو اسے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیاتِ النبی کا سب میں اقرار ہے اور معنی یہ سب عنوان متقارب ہیں۔

اگر اختلافِ اپنی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیق مسئلہ کی بجائے تشغیبِ عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فریق بن گئے اور عنوان فریقین کے جدا جدا ہو گئے، یہ اہل علم کا انداز نہیں۔ پھر کیا ہوا — شرافت سرپٹ کر رہ گئی۔

اس پر تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خیمہ کا انتخاب عمل میں نہ آتا۔

ذرا سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اس دُنیا میں زندہ ہیں؟ — دنیوی جسد کی زندگی میں کیا عالم برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریروں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لیے مٹھایا بات کو بڑھانے کے لیے تشغیبِ عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی جدا جدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے۔ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہی انتشار ہے۔ اختلاف سامنے نہیں کہ اسے سلجھایا جاسکے۔

وقت کا موضوع حیات ہے مہمات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن مہمات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گجراتوالہ اپنے عقیدے کے کہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ بعد الوفا حیاتِ اپنی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بل احياء ولكن لا تشعرون سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم

السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفا زندہ ہیں بلکہ

عزیزان من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے بلکہ

اس میں وفات کو پُرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں

آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے مہمات نہیں۔ وفاتِ اپنی آج سے چودہ سو سال پہلے

کا واقعہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا۔ سو

مہماتِ اپنی کا اختلاف محض ایک پُرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیاتِ اپنی ہے مہماتِ اپنی نہیں

برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرو

لیکن خدا را مہماتِ اپنی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پُرانا واقعہ ہے، اس وقت آپ کے میت سمجھنے

کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے

مہماتِ اپنی کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مہماتی بنالیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل

ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفا زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیں اور مہماتِ اپنی کو موضوع نہ بنائیں

تو آج بھی اختلاف کم ہو سکتا ہے۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس کا ہم

انکار نہیں کرتے، اُسے تقریبوں کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو

جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اُسے عنوان عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک مقرر آٹک میت و ائمہ میتوں سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضورؐ اس وقت میت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضورؐ کے بعد الوفات زندہ ہونے کی کھلی تردید نہیں کر رہا، کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کر رہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا — پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں — پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ — تو یہ کیسی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے۔ یہ وہ باعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سو یہ صحیح ہے کہ یہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا۔ لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہداء اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہی اجساد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تضاد نہیں۔ سو اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے پیش نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدلولات صریحہ میں تاویلات رکیکہ، تضعیف روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعد محدثین سے استہزاء، شارحین حدیث و فقہاء اور سلف صالحین سے اعتماد اٹھنے کے مدعے کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے یا اعتماد اٹھانے کی نہایت خطرناک مہم کو، محض اس لیے کہ ابتدائی سطح امور عہتمہ میں سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں — یونہی چلنے دیا جائے۔

حیات البنی کے ضمن میں جب "اعتماد علی السلف" کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا، تو اس شخم خنظل کے برگ و بار بہت دور دور تک پھیلتے نظر آتے۔ راہ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اہل باطل کا کوئی نشان ہے کہ کسی بات پر مجتہد نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمادی کا انکار اور اس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روضہ منورہ میں محض بے جس و شعور پڑا ہے اور نقطہ جمادی حیثیت میں ہے، رُوحِ اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اُن کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب و عقاب کا سارا معاملہ صرف رُوح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متضاد ہے کہ ثواب و عقاب کا معاملہ صرف رُوح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت و اَلَم کا ادراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی اُرواح، وفات کے بعد خواہ وہ علیین اور سحین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، اُن کا تعلق اجسادِ مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت و اَلَم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دُنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال کرنے کے بعد رُوح و بدن میں کُلّی مفارقت رہتی ہے؟ یا رُوح و بدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں اَلَم یا لذت کا ادراک کر سکے؟

اَدل الذکر نظریہ معتزلہ و روافض کا ہے وہ عذابِ قبر کے قائل نہیں۔ اُن کے نزدیک جسدِ مدفون محض جمادی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنۃ و الجماعۃ کا ہے۔ فرقہ گرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجسادِ مدفونہ میں تو محض جمادی حیثیت میں، لیکن عذابِ قبر پھر بھی حق ہے۔ یہ تیسرا موقف ایک وہم اور سفسطہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن و سنت کے چٹھے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في

له وجوز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطه (خیالی) لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه (عاشیہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی)۔

القدر ما يتالعرو ويتلذذ. (شرح فقہ اکبر ص ۱۳۱)

ترجمہ۔ جان لیجئے، سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات ضرور پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ لذت و الم کا اور اک کرتی ہے ایوبی علی الغیالی میں ہے :-

ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة الاول الميت حتى فی قبره فیعذب و هذا مذهب اهل السنة والحق والثانی انه جماد لا یعذب ولا یدرك العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزله والروافض والثالث انه جماد یعذب۔

ترجمہ۔ اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ ۱۔ میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے، یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ ۲۔ میت قبر میں جماد محض ہے، پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔ ۳۔ میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب کرامیہ کا ہے)۔

ان نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیاتِ جمدی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روحہ مطہرہ میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع و اعلیٰ حیاتِ جسمانی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجسادِ دنیوی کا تحفظ بھی اسی لیے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیاتِ جسمانی مرتب ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اسی طرح روحہ مطہرہ میں آپ کی حیات بھی اپنی رفعت و شان میں نقطہ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسدِ اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روحہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو بھی سنتے ہیں۔

جسدِ اطہر اور روحِ انور میں کئی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب ہریت کو، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، ایک جا ہو یا اُس کے اجزائے بدن مُنتشر ہو چکے ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسدِ مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت و اُلم کا ادراک ضرور کرتے ہیں۔ تو وہ ذواتِ قدسیہ جن کے اُجسادِ مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، اُن میں ان کے مقامات کے مطابق امدادِ مظہرہ کی تاثرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصلِ کلی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصلِ کلی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ اُن کے اُجسادِ مدفونہ صرف اکرانا محفوظ ہیں؟ اُرواحِ مظہرہ سے انہیں کئی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصلِ کلی ہی کے قابل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا، کہ یہ مذہبِ اہل سنت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذابِ قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار۔ اس کے بعد صورتِ مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کیے جاسکیں۔

خلاصۃ المرام میں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو روضہ منورہ میں محض بے جس و بے شعور اور جسادِ مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اُس پر اس اصلِ کلی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح و بدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کئی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیشِ نظریہ اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائدِ اہل سنت کی سب کتابوں میں عذابِ قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریاتِ اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔ جو اس کا قابل نہیں وہ معتزلہ و روافض کے موافق اور

اہل سنت کا مخالف ہے اور اگر بتا دیا جائے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضہ منورہ کی حیاتِ جمدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں،

اشہدان محمداً عبداً ورسولہ۔

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کے کہتے ہیں، روح اور بدن کے مجموعہ کو — سبحن الذی اسرىٰ بعبدہ میں اللہ

تعالیٰ نے سیر معراج کے کرائی؟ عبدہ کو — اسریٰ کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے

نے — علماء اب تک لفظ عبد سے حضور کے معراجِ جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ — صرف روح

کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں، ایک مجازی تعبیر ہے

اگر روح و بدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبدہ و رسولہ ہیں۔ حضور کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور

وہ عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح و بدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لیے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اسی بدن اطہر میں ہے،

جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضہ مبارکہ میں ہے۔ بایں ہمہ اس کی نقل و حرکت عالم برزخ میں

جاری ہے گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دنیا والوں سے وہ حیات پر دے میں ہو، لیکن

آپ کے لیے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو نہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہوگا نہ رسول ہونا۔ آپ اب بھی

عبدہ و رسولہ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جنم

میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی

ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے نہ رسول — رسول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے

کچھ اعمال رسالت بھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس
 حاضری بھی ہوتی رہے کہ درمیان میں برتنج کا پردہ ہو، مگر سلام امت، آپ پر ضرور پیش ہونا رہے۔
 کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد صرف عکسی طور پر نبی اور رسول
 ہیں آپ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کو کسی
 سے علاقہ نہیں۔ اس عقیدے کے لیے ضروری تھا کہ وہ روضہ اطہر میں دفن جسد اطہر کو بے جان کہیں۔
 اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لیے انہوں نے روضہ منورہ کی حیات جسمانی کو تسخیر مشق بنایا، اور
 احادیث کی یکسر تکذیب کر دی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لیے شعور لازم ہے علم و احساس کے بغیر اس کا تقوم نہیں۔ نبی سے نیند کی حالت
 میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں، اسے کبھی احتلام نہیں
 ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا اتنا ہوا کہ نبوت منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی
 تعبیر ہوگی۔ کرامیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے کے بعد پردہ قبر میں گئے تو وہاں جسد اطہر
 جماد محض ہے، صرف اکرام محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔

حافظ ابن حزم (۵۴۵۷) جو عامہ اموات کے باب میں صرف روح کے عذاب کا قائل
 ہے انبیاء کے جسد اطہر کو وہ بھی جماد محض نہیں مانتا۔ ایسا کہنے کو وہ ایک غبیث عقیدہ کہتا ہے۔ اس کی
 وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدن اطہر سے کلیتہً جدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول
 ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ابن حزم کا کتاب ہے سرخی ملاحظہ ہو۔

الرد علی من ذم ان الانبیاء علیہم السلام لیسوا انبیاء الیوم ولا الیوم رسلاً

حدیث فرقتہ مبتدعہ تزعم ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم لیس صوالان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن رسول اللہ وسلم وھذا قول ذهب الیہ الاشعریة

والخبر فی سلیمان بن خلف الباجی وهو من متقدمیہم الیوم بن محمد بن حسن بن فورك الاصبہانی
 علی هذه المسئلة قله بالسم محمود بن سبکتگن صاحب مادون راء النهر من خراسان
 وهذه مقالة خبيثة متعالفه لله تعالى ولرسوله صلى الله عليه وسلم ولما اجمع عليه جميع
 اهل الاسلام هذا كان لاسلام الی يوم القيمة ... فروح النبي عند هجره قد فنيت وبطلت
 ولا روح له الان عند الله تعالى واما جسده ففي قبره موات فبطلت نبوته بذلك و
 رسالته قال ابو محمد ونعوذ بالله من هذا القول فانه كفر صراح لا ترد ادفيه له
 ترجمه کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آج انبیاء و رسل نہیں رہے۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا
 ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نہیں رہے وہ رسول اللہ تھے اور مجھے سلیمان بن خلف الباجی نے جو ان لوگوں
 کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورك کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود
 بن سبکتگن نے زہر دے کر قتل کیا تھا۔ اس فرقہ کا یہ غیث عقیدہ اس کے اس
 فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک روضہ اطہر میں مردہ ہے لہذا
 اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت جاتی رہی۔

روضہ منورہ میں حیات جمادی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے۔ اب آپ کی نبوت
 اس عالم میں صرف اب عکسی طور پر باقی ہے۔ بدن صرف اگر انا محفوظ ہے اس کا مطلب اس کو
 کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں نرمی تو شوبہ
 اور پھیدن کی سی تازگی کہاں سے آرہی ہے۔ اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور
 کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ خفیف سا اظہار ہے۔ وہ باقی سارے مراحل بزدخ
 کے پڑے میں ہیں۔ ہڈیوں میں ہے کہ آپ کا بدن مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ
 پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں :-

آپ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہی جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تھے تو کیا کیفیت تھی۔ روح مبارک حسب کلام آخری اللہم الرفیق الاعلیٰ رفیق الاعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صبح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا، آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی بلکہ

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا بدن قدا نہیں اٹھ جاتا، کچھ عرصے تک زم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے بعد کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تا دفن تروتازہ رہا۔ معلوم ہوا روح نے اپنے اثرات سلب نہیں کئے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں۔ سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے، روح کے بزرخ میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے، بدن کی پہلی دُنویٰ زمی ابھی باقی ہو کہ روح بزرخ میں پھر اس بدن پر پرتو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہوگا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس جبداظہر کے فائز الحیات ہونے کا اقرار کر لے، روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں مانے یا رفیقِ اعلیٰ میں، لیکن اس کے اتصال سے آپ کی حیات جسمانی کا قائل ہو تو وہ کلامیہ کے عقیدے سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضور کو حقیقی رسول مانتا ہوں۔

قاضی شمس الدین لکھتے ہیں :-

اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس) زندگی میں بھی نبی حقیقی ہیں اور بعد الوفا (زندگی میں) بھی نبی حقیقی ہیں ابدالآباد کے لیے اور

اُن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں۔
 کرامتیں نے جب عبید اظہر کو حجاج محض کہا، بدن کو صرف محفوظ کہا نرم و نازک نہ مانا تو انہوں نے بر ملا
 کہا کہ حنفیہ اب حقیقی رسول نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) نے ڈٹ کر کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 اب بھی حقیقۃً رسول ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبدالحسن المشہور بانی غدبہ فرماتے ہیں،
 قال ابو حنیفۃ انہ رسول الان حقیقۃً وقالت الکرامیۃ لا۔
 ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ
 والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔
 جب آپ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتائیے رسول کہاں رہے۔ یہ کرامت کی بنا پر
 استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابو الحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ
 اور کرامت کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا۔۔۔۔۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس
 طرح بیان کیا گیا ہے۔

هو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالتہ ونبوتہ حقیقۃً کما
 یبقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذلک الوصف باق بالروح و
 الجسد معاً لان الجسد لا تاكله الارض۔۔۔۔۔ انہ صلی اللہ علیہ و
 سلم حتی فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃً لا مجازاً۔

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور
 پر قائم ہیں جیسا کہ مؤمن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے

اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور حُبیبِ انور کے
مجموعہ کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔

کرامیہ نے وفاتِ البنی پر انتقائے نبوت کی بنا رکھنے کے لیے روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی
کو تختہ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیاتِ البنی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل
بنایا بلکہ انتقائے نبوت کے اس عقیدہ باطلہ کو امام اہل سنت امام ابو الحسن (۳۲۴ھ) کی طرف
بھی منسوب کر دیا جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابو الحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب حقیقی رسول نہیں رہے
نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں کہیں نہ جم سکی، ان کے ساتھ امام ابو المنصور الماتریدی نے
(۳۳۳ھ) عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاوی (۳۲۱ھ) طہسنت
عقائد کی سرحد پر اکھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا
تخذ کر لیا تھا۔

پونہتی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبد اللہ بن کرام کے پیرو تھے اس میں کھلے طور پر آگئے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن حزم
(۵۴۵۸) لکھتے ہیں:-

حدث فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد الله ليس هو الان رسول الله
ولكنه كان به

ترجمہ۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب
رسول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم کہتا ہے محمد بن حسن بن نورک ایرانی

بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود (۵۴۲ھ) بن سبکتگین (۵۴۲ھ) نے اُسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف آئے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن حنبلین البیهقی (۵۴۵ھ) کا چرچا تھا۔ امام ابو القاسم الکریم القشیری (۵۴۶ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری (۵۴۵ھ) کو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعہ کے ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس عقیدے کو کہ حضور اپنے روضہ اطہر میں (معاذ اللہ) مردہ پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

اس فرقہ کا یہ غیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور کا جسد مبارک روضہ اطہر پر مردہ رکھا ہے۔

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے لیے تھوڑا بولنا جائز ہے۔ اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابو الحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے سٹامشی کر چکے تھے ان کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۵۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام بد تبیین کذب المنقری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری ہے اور کرامیہ پر اہل حق کی محبت تمام کر دی۔ علامہ ابو القاسم عبد الکریم القشیری نے بد شکایۃ اہل السنۃ بما ناہم من اہل الختہ لکھی۔ علامہ بیہقی نے ایک مستقل رسالہ "حیاۃ الانبیاء" لکھا اور اہل حق اس وقت کے لیے کہ اب تک ان کرامیہ کی پندہ تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کر رہے ہیں حیات النبی کا انکار اگر ان کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے۔ اُسے خواہ

مخاہ اہل سنت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے۔ حیات النبیؐ کا انکار کرنے والے اس مسلکی القباس کے مرتکب کیوں ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک ترویج دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۸۵۲) لکھتے ہیں :-

ان بعض الکرامیۃ وبعض المتصوفۃ نقل عنہم اباحۃ الوضع فی
التغییب والترہیب وهو خطأ من فاعله نساء عن جہل^۱

ترجمہ۔ بے شک بعض کرامیہ سے اور بعض فسط مدعیان تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشا صرف جہالت ہے۔

المتراد باعتقاد حل الکذب هو اعتقاد حله لصلحۃ دینہ وترویج مذہبہ^۲

ترجمہ۔ جھوٹ حلال ہونے سے ان کی مراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو اسے گناہ کے طور پر نہیں جھوٹ نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تفتیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف ادوار اور قبائل میں ہوتا رہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

①۔ بنی آدم کی ارواح و نفات کے بعدگی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اجساد محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ عذاب قبر صرف روح پر ہے بدن بر نہیں۔

②۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضۃ اطہر میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور

۱۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸۵ م فرقة من المشبهة نسبت الی عبد اللہ بن کرام ویدعون زیادة الودع والتقویٰ والمعرفة التامة وراجع له شرح الشرح لعلی العاری علیہ رحمة ربہ الباری۔
۲۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸۵

ہے اور رُوحِ مُبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

③ — اپنے مُسک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی تردید کے لیے غلط بیانی کرنا جائز ہے۔ جھوٹ اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے۔

④ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف حکماً باقی ہے۔ آپ خود اب بھی اور رسول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

⑤ — کلمۂ اسلام کے جزو محمد رسول اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول تھے۔

انکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سُلطان عُزل بیگ سلجوقی کے عہدِ حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرور شخص گُزرا ہے، اُس کا نام بکیندی تھا۔ وہ لطائفِ اُحْمیل سے سلجوقی دربار میں منصبِ وزارت پر آگیا تھا اُس کے عقائدِ اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اُس نے وفاتِ البنی اور حیدرِ حمادی کی تمہید سے اتفقائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اُس کا اعتقاد تھا کہ حضورؐ کا جسدِ اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اُس نے اُسے اعتزالِ نبوت کے لیے کہ حضورؐ وفاتِ شریفہ کے بعد اب حقیقہً رسول نہیں رہے، ایک سیرِ صی بنا یا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس نظریے کو امام ابو الحسن اشعریؒ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اُس نے ان خیالات کو بہت دُور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی کا انکار اس لیے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسول میں ہونے اور روضہ اطہر میں ہم پہنچنے کی شانِ امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اُس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد رُوح و بدن کی کُلّی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو

جاتا تھا۔ سو اس سے اُس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضور رسول نہیں رہے، دراصل جزو کلمہ محمد رسول اللہ ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالا جماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لیے صحیح اقرار رسالت ہے۔

انکارِ حیاتِ قبریہ اور العزالِ نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذرِ تادیلات ہوتی رہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے متوجہ رہے۔ اکابرِ اہل سنت نے ان نظریات پر نیکری کی اور امامِ اہل سنت امام ابو الحسن اشعریؒ پر جو آفرات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اس وقت امام حدیث احمد بن اسحاق البیہقی (متوفی ۵۸۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیریؒ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامتہ کا مقابلہ کیا یہ سارے مغایرہ جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضور اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں بمعاذ اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقتِ حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقی نے رسالہ "حیات الانبیاء" لکھا، اور علامہ قشیری نے شکایۃ اهل السنۃ بما نالہم من المعنۃ میں ان آفرات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لیے حافظ ابن عساکرؒ کی کتاب "تبیین کذب المنقری" اور طبقات الشافعیہ، زیر ترجمہ امام ابو الحسن اشعریؒ ملاحظہ کیجئے علامہ تعلق الدین سبکی لکھتے ہیں:-

فان قيل فمن اين وقعت هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان

بعض الكرامية ملا الله تعالى قبره فارا وخطى ان الله قد فعل الزم

بعض اصحابنا..... الخ

ترجمہ۔ اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں، تو پھر یہ کہاں سے آگیا،

تو جواب میں کہا جانے لگا کہ بعض کرامتہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ نظر آتا۔ امام حدیث کے اس جلال اور زما راہنگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے۔ اس کے برعکس اپنا عقیدہ آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں :-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض
علیہ اعمال الامم ویبلغ الصلوة والسلام علی ما بیننا۔^۱

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلاۃ و سلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے :-

ان عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احياء فی قبورهم فان الموت الی ان قال
وصنف الیهقی "جزو" اسمعناہ فی حیاة الانبیاء فی قبورهم واشتد نکیر الاشاعر
علی من نسب هذا القول الی الشیخ۔^۲

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، سو وہاں مستحکم ہیں اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت اشعری ابو الحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے، اشاعر نے بڑی سختی سے اس پر نیکر کیا ہے۔ حضرت علامہ قشیری فرماتے ہیں :-

فاما ما حکى عنه راي الاشعري، وعن اصحابه انهم يقولون ان معتمدا
صلی اللہ علیہ وسلم لیس بنبی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فہمتان عظیم

وكتب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع في مجلس مناظرة
ذلك عنهم ولا وجد في كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محتمل
صلى الله عليه وسلم في قبره.

ترجمہ۔ ہاں، جو امام ابو الحسن اشعریؒ اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے
کہ ان کے نزدیک حضورؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریفہ میں بنی اور رسول
نہیں رہے، یہ محض جھوٹ اور بہتانِ عظیم ہے، اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا
نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سُنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا
ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے ہاں حضور اکرمؐ اپنے روضہ اطہر
میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:-

واما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار
ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والصرح به في كتبه وكتب اصحابه
خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام
احياء في قبورهم وقد اتهم النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيريؒ
ترجمہ۔ امام اہلسنت امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضورؐ کے
لیے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض
افتراء اور بہتان ہے۔ ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے
خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق
یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور امام ابو الحسن الاشعریؒ پر اس
افتراء بانہی کے خلاف علامہ ابو القاسم القشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے

ان نسبة الخلاف في هذه المسئلة الى الشيخ ابى الحسن الاشعري نوردو
 بہتان انما وقع بسبب ان بعض الكرامية ان الاشعري واصحابه
 قائلون بان النبي صلى الله عليه وسلم في القبر حتى يحتم ويعلم به
 ترجمہ۔ امام ابو الحسن الاشعری کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء
 بہتان ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعری اور ان کے سب اصحاب تو
 اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور اللہ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس
 بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور خود فرمایئے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ
 اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر جلال میں نہ آجاتے۔ حیات النبی کا انکار دراصل بہت سے فتن
 و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندر میں صورت یہ مسئلہ
 ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بد الامالی میں ہے :-

وان الانبياء لفي امان عن العصيان قصدا وانزال

ترجمہ۔ اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے
 بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں ان کی نبوت باقی رہے
 امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

المعنى ان الانبياء لفي امان عن الغزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحكى شاح
 الطوالع فيه اجماع الامة .

ترجمہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبہ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے
 مامون رہیں، کیا گیا۔ شرح طوالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

عہ اکابر کی طرف انکار حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں۔ یہ سنت کرامیہ علی آرہی ہے۔ ولایت باؤل
 قادوہ کسرت فی الاسلام۔ لہ الروضة البہیة فیما بین الاشاعرۃ الماتریدیہ ص ۱۵ مطبع مجتبائی۔

الغرض، یہ امور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شانِ شیخین بجا بر رسولِ امتقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلک اہل سنت، ازالہ اوہام کرامیت، حقیقتِ عذابِ القبر، احترامِ اجماعِ امت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقتِ حال کو جاننا اور صورتِ مسئلہ کو پہچاننا ضروری ہو گیا ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مبادا راہِ گم کردہ قافلہ مسلکِ اہل سنت ہی کو ملتیس کر دے اور جو ہر وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرّد ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز گوششِ اہل تذبذب کے لیے شفا قلب کا سامان، راہِ گم کردہ دوستوں کے لیے منزلِ کائنات اور اہل یقین کے لیے وُضوحِ دیرِ جان ثابت ہو۔



مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن و سنت اسلامی فکر و نظر کا سرچشمہ حیات ہیں۔ قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوق بشر اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ مخاطب اور کچھ قرآن کی وضاحت چاہے، اور ظاہر ہے کہ ان امور میں علمی انکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے ماسوا، اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی سلامتی نظر آتی اور اسی نظریات کی تفصیل ہوتی جن میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی:-

ان خاصمواکم بالقرآن فخاصمهم بالسنة۔ کنز العمال

سیأتی قوم یجادونکم فخذوهم بالسنن فان اصاب السنن اعلى کتاب اللہ۔
یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا کہ یہاں ارشاد باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی، بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فقہوں کا طریق واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنت پیغمبر اور تشریحات سلف سے بالکل بے نیاز کر کے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کر لو۔ قرآن پاک کو اس کی پوری عظمت علمی سے سمجھنے والے ارباب

خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے، تو کوئی حرج نہیں۔ اکثریت تو عوام کی ہے۔ انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی بات نہیں۔ انکار حدیث کی اگر جرات نہ ہو تو عوامی سطح پر اُسے قرآن سے نیکہ ادا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کر دیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کون ہے جو اُسے اُسکے عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحت روایت اس نیکر او کو تطبیق و توفیق کے دائرہ میں اتار سکیں۔ عظمت قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے — پڑاتے فتنوں کو کم کرنے کے پروگرام کے ساتھ — نت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ ملت کا کاروان حیات ایسی کئی سرڑوں کے پاس سے گزرا ہے، جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔

ہاں اسی رہ گزرے سے شام و سحر اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔ اسلام کے جملہ اصول قرآن کریم میں منصوص ہیں ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے اصولی مسائل کو مستثنیٰ کر کے ذکر کیا ہے۔ جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر ناطق ہو وہاں تو مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت علیؑ کے پورے ہمراہ ہیں اور یہی جملہ اسلاف کا مسلک تھا۔

كان عندهم انه اذا وجد في المسئلة قران ناطق فلا يجوز التحول منه الى

غيره واذا كان القران متحملا لوجوه فالسنة قاضية عليه

ترجمہ اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن ناطق ہو جو ہو تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآن کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لیے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ

ہوتا ہے۔ خاصاً ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن برابر کے منظر
جب حق و باطل کے تھینے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہ
راست آسمان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو نہ مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک
ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباس کو مشورہ
دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کاخذ سے لینا مجتہد اور ولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہر و مقابل کا منہ بند کرنے
کے لیے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے
ایسے موقع پر ہر بات وہ کر جو آسانی سے مل جائے۔

حضرت علیؑ کے مقابل خوارج تھے۔ تصنیع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں
ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؑ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن ان کے دلوں میں نہ اترے گا۔ اس لیے
آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔
خوارج جن سے یہ مناظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی
کے گئے تھے اور وہ حضرت علیؑ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج
کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

يُخْرِجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَواتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ
لَا يَبَاوِرُونَ حَنَاجِرَهُمْ يَمُرُّ قَوْمٌ مِنَ الدِّينِ كَرُوقِ السُّهْمِ مِنَ الرَّمِيَةِ ۗ
ترجمہ۔ اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں
کے آگے بیچ سمجھو گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ ان کے گلوں ہی تک
ہرگا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل
جاتا ہے۔

پاکستان میں مسئلہ زیر نزاع جن دو فریقوں میں زیر بحث ہے۔ ان میں نہ کوئی قاضی شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکم وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیر نزاع حدیث میں عبارت النص سے موجود ہو جیسے الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون تو حدیث سے بات سمجھانا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بنا پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰ کا مذکور شدہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلدین میں علمی فرق

مجتہد اپنے اُوچے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن پر قرآن کا فیصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں نظیر تلاش کرنا اس مسئلے کا حکم پالیسیا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لیے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جو انہوں نے کتاب و سنت سے دریافت کئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یہ سب حضرات مجتہدین تھے، مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت و الجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج اولہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ کرامیہ حیر یہ قدریہ شیعہ و مرجئیہ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول و فروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج نئے سرے سے ان مسائل کو کتاب و سنت میں تلاش کرنا ان دو دستوں کو اس کی ضرورت تھی محسوس ہو رہی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرہ عظیم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس کے طور پر بچنا اور مذہب اہلسنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔ جس طرح منکرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ علمی سازش (جو ان کے نزدیک ذخیرہ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں۔ اس طرح ہمارے یہ کہہ کر ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شدد و مد سے پیش کر رہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب

صحیح کہتی ہے۔ گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ بلی ماخذ کی حیثیت سے اس تک مجتہد ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک واعظ پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکارِ حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مسٹر پرویز کے نمائندوں کی حیثیت سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

مسئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے
 بل احياء ولكن لا تشعرون اس سے بطور دلالت النص کے سمجھ میں آتا ہے
 کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفا ت زندہ ہیں
 اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم النذر شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا ہے

اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس
 عنوان پر براہِ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی
 کی ہے۔ فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیات انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے
 اور آپ نے انہیں اس احسان پر دُعا بھی دی ہے کہ زادہم النذر شرفاً۔

پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اُسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں، مگر نہیں معلوم انہیں اسے
 دُہرنے سے کیا ملا۔

ہاں شہداء کے لیے حیات بعد الوفا کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جسے انبیاء
 کی حیات بعد الوفا کے لیے دلالت النص کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔

ان سے اصولی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کر لیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے، اپنا اپنا طرف ہے اور اپنا اپنا مسلک۔ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کر لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؟ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیاتِ شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیاتِ شہداء عبارتہ المنص میں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیاتِ انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کر سکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لیے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے، اس احتمال کو زائل کرنے کے لیے اگر ہم نے حدیث سے متسک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کون سی غلطی کی ہے ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو، ان میں سنت سے استدلال کر لینا چاہیے۔ اب اس پر ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

امواتِ غیر احياء کو درجہ اجمال و احتمال میں داخل کر دیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے دلکن رسول اللہ و خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے بلکہ

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال و احتمال والی بات آیت اموات غیر احياء کے بارے میں نہیں، آیت حیاتِ شہداء کے پیش نظر کہا جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ اپنی احتمال کی گنجائش

بھی نہ ہے۔

ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے امواتِ غیر احياء کو کس دیدہ دلیری سے آیت
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی طرح قطعی الدلالتہ بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی اور معنی کی
کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا آیت امواتِ غیر احياء عقیدہ مہماتِ البنی پر قطعی الدلالتہ ہے۔

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضور اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت امواتِ غیر احياء کو اسی طرح
قطعی الدلالتہ سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے۔ حضورِ آخری
نبی ہیں اور مرتبہ و زماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں۔ کیا آیت امواتِ غیر احياء بھی اسی طرح
انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالتہ ہے یا
اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ — اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں
— اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ جاننے والے اور حضور کو زمانہ اور
مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے اور دونوں اپنے ان نصوصِ قطعیہ
کے رد کرنے کے جرم میں دائرۃ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں۔ مگر سب حضرت جانتے ہیں کہ
مہماتی لوگ حیاتِ البنی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں۔ — آخر
یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ امواتِ غیر احياء کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا
احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں
شمارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محلِ موت ہیں) یا شہداء
(جو گواہ زندہ ہیں مگر ماضی میں موردِ موت بنے) سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالت کہا جاسکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکے۔ مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں بچتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کر لیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ماضی میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں ہوتا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہیے۔ آخر آپ بھی تو کہتے ہیں۔۔۔

شہداء اور انبیاء — بعد الوفاات زندہ ہیں۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ موات البنی پر دال نہیں۔ چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالت اور وہ بھی مثل آیت خاتم النبیین کہا جاسکے — تعصب اور منہ کی بھی آخر کوئی مد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے کس طرح عقیدہ حیات البنی اور انکار ختم نبوت کو برابر کر دیا ہے۔ ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر بنی کو بنی پر ہو سکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفاات زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم و دہم کی داد دیجئے۔ وہ اُسے از خود اموات غیر احیاء کے بارے میں لے بیٹھے۔ اور پھر کیا ہوا، اپنے آپ کو لے بیٹھے۔ ان کی صدائے ماتم سنئے۔۔۔

اموات غیر احیاء وما یسعون آیان یبعثون کہ درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کر دیا۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہے جیسے مرزا یوں نے ولکن رسول اللہ و

خاتم النبیین کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نالوتوی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں، اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا

تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ)

ایسی تحریریں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں

جو سارا دیوبند ان کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، ساحل پر کھڑے مجھ تماشا ہیں۔

عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا

اختلاف ہم میں حیات و ممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النبیین بھی

لائق قبول ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں

نے قرآن کی تشریح کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ کیا یہ اپنی

باتوں کا اثر نہیں کہ ان دوستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہو گئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اُسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک

بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

آیت اموات غیر احوار کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اموات غیر

احوار؟ نہیں، آیت اموات غیر احوار میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں کہ یہ مراد ہے یا وہ۔

لیکن آیت خاتم النبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔

اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہو گا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر

ہو گا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

جس طرح آیت بل احياء ولكن لا تشعرون حیاتِ شہداء کے بارے میں نازل ہوئی، آیت اموات غیر احياء ممات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پر ہے کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں محدود موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محل موت ہیں، حالاً ہوں یا ماضی میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول وفات پائیں گے)۔ ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں ان میں سے کسی کے بالفعل مردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا تحقق کسی زمانے میں ہو جائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد وفات زندہ ہونا رب العزت ہی لا یوت کی صفت حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھئے۔

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وہم یخلقون ۵ اموات غیر

احیاء وما یشعرون آیات ۵ الھکم اللہ واحد۔

(پہلا: النحل ع ۲۰ آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کیے ہوئے ہیں مَرُوں ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ الھکم اللہ واحد بتلا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے رُوح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں یہ مضمون۔ آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ جب موضوع توحید اللہ ہے تو اموات غیر احياء کا معنی اسی مورد پر رکھنا چاہیے جس دے میں اس کا توحید سے تصادم ہوتا ہو۔ حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید

کے ہرگز متنافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے یہاں ان کے لیے صرف اثباتِ مخلوقیت کافی ہے۔ ان نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں۔

ان اثباتِ المخلوقیۃ لہم غیر مستدعی لنفی الحیاة عنہم لما ان بعض
المخلوقین احياء بے

ترجمہ۔ ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی
بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اموات غیر احياء میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ

لکھتے ہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور
دانا جان کہ پستش کرتے تھے جلالین میں ہے وہم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس
جملہ کی شرح یوں ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف هذه الاصنام بصفات كثيرة
مپران کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لا یخلقون شیئا و
ہم یخلقون بے

صفوة التفسیر میں ہے۔

والذین یعبدونہم من دون اللہ کالاولیاء والاصنام لا یقدرون علی خلق
شیء اصلاً والحال انہم مخلوقون صنعہم البشر بایدیہم فکیف یكون الہم تعبد
من دون اللہ (اموات غیر احياء) ای وتلك الاصنام اموات لا ارواح لہا لا
تسمع ولا تبصر لہنہا جمادات لا حیاة فیہا فکیف تعبدونہا وانتم افضل منہا لانیکم من الحیاة

ترجمہ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے مجھے ہوتے اور بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بتایا ہے سو وہ کیسے اللہ کے سوا عبادت کے معبود ہو سکتے ہیں اور یہ بت مُرفیٰ ہے ان کی ارواح ہیں ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ ملاحظہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہتے کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفعی حیات کے لیے نازل ہوئی جیسے آیت خانم النبیین بیان ختم نبوت کے لیے آئی۔

علامہ محمود اکوئیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی۔ معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مُردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آگئے جن پر پہلے کبھی موت آئی۔ مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

(اموات) عموم المجاز ليشمل ما كان له حياة ثم مات كعزير اوسيموت
كعيسى والملئكة عليهم الصلوة والسلام وما ليس من شأنه الحياة
اصلاً كالاصنام۔

ترجمہ۔ اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وہ فوت ہوئے جیسے عزیر علیہ السلام اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ فوت ہوں گے جیسے عیسیٰ علیہ السلام (ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

اللہ رب العزت کے لیے حیات تامہ ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی جو

ہیں۔ ان میں کوئی حیات تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اول یا آخر یا حالاً موت نے گھیر رکھا ہے۔
اس آیت میں اثباتِ توحیدِ باری ہے کسی کا حالاً مُردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کو تمہو امواتا انہم لا یدلہم من الموت و کو تمہو غیر احیاء غیر تامۃ
حیاتہم و الحیاء للتامۃ ہی الحیاء الذاتیۃ القلا یرد علیہا الموت۔

ترجمہ۔ ان کے امرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں امدان کے غیر احیاء
کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیات تامہ نہیں۔ حیات تامہ اس حیاتِ ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی
موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئے)۔
حضرت تمنازی نے بھی عموم مجاز کہا ہے۔

یہ معبودین کیسے مستحق عبادت ہو سکتے اور وہ مُردے ہیں خواہ دو انا جیسے بُت یا
فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گواہ وہ زندہ ہوں) یا فی المآل جو مریں
گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیر ہم زندہ رہنے والے نہیں بلکہ

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۱۲۲ جلد ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۹۴، تفسیر خازن

جلد ۳ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء کے اس وقت امواتِ ادبے جان ہونے پر ہرگز
دلالت نہیں کرتی۔ ان پر سابق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کو یا شہد
کو ہم اموات کہیں۔ اس کی قرآن کریم میں اجازت نہیں دیتا۔

انسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت امواتِ غیر احیاء کو جس میں بُت بھی مُراد لیے گئے ہیں
انبیاء کے ملائے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت و لکن رسول اللہ وخاتم
النبتین حضور کی ختم نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر جتنے
انسو پہلے جائیں کم جائیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا۔ اکا بسکی
شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔

چوں خدا خواہد کہ پر وہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد
ان دوستوں نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ
کر سکیں۔ سو آئندہ انشاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پر ایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی
تعصب اور احساسِ تخریب کے طلبِ علوم و دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم
نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی، واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالم برزخ
میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتاب الہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر
چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ کے وقوعِ وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ
کی وفات کا امکان (افان منات او قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا
اور آپ کی وفات کی پیش گوئی بھی آیت (انک میت و انتم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس
بات کا بیان کہ آپ پر موت کا دُرد ہو چکا ہے، اس کے لیے بھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا
قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے جو شخص کہے قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آپ کی وہ اپنے اس دعویٰ میں کا ذبح ہے،
حضرت مسیح کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں
موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس
نہیں جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی
موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرت پر وفات شریفہ کا یقیناً دُرد ہوا اور آپ نے یقیناً اس دنیا میں انتقال فرمایا۔ لیکن
قرآن پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپ پر وفات آپ کی۔ اس کا سب سے پہلا ثبوت
حضرت صدیق اکبر کا وہ خطبہ بلیغ ہے، جو کتبِ حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

دفع موت ثابت کر لے کے لیے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو دفع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقت پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریق بڑھان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مسجحت اور محل نزاع نہ ہو۔ بلکہ دفع وفات پر بنا بر خبر تصفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورود موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہوگی یا قیامت تک جمہد اطہر اور روح اللہ میں کلی مفارقت رہے گی۔ اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضار النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات، بتاتے چلے آنا اور جزئی اشارات کو کھینچ کھینچ کر مطالب کا جاں بنا نا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحب علم اس پر سہروئی کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرض مزمن پر جتنے انسویہ لائے جائیں کم ہیں۔ ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلائل النص کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔ — ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح دفع وفات کی خبر کتب حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیث صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثبات عقائد کے لئے دلائل ظنیہ سے استشہاد — ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحب یہاں یہ اعتراض کر دیں کہ اخبار احاد اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اباعرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر منوالہ اسناد ہی میں

مختصر نہیں۔ بلکہ اخبارِ احاد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی رہی، کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جاسکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اس کے حقیقتِ مسلمہ ہونے کی شہادت دے دے، تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

وانما الادلة المعتبرة ههنا المستقراء من جملة ادلة ظنية تظافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق ولا جله افاد التواتر القطع وهذا نوع منه فاذا حصل من استقراء ادلة المسئلة مجموع يعيد العلم فهو الدليل المطلوب و هو مشبه بالتواتر المعنوي۔

ترجمہ۔ عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ قطعی ہوں۔ مگر کسی ایک قدر مشترک پر سب متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں، تو ان کے مجموعے سے (اس قدر مشترک کے لیے) ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔

عذابِ قبر کا برحق ہونا عقائدِ اہل سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآن پاک کی جس آیت شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس معنوں پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں قطعی ہیں۔ باری ہمہ عذابِ قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ بلا علی قاریؒ نے عذابِ قبر کے داخل عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے۔

فلا يخفى ان المعتبر في العقائد هو الادلة اليقينية واحاديث الاحاد لو
ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواترا
معنويا فحينئذ قد يكون قطعيا

ترجمہ: یہ بات نخی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آحاد
اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں، اگر ایک ہی مضمون، متعدد طریقوں سے اس
طرح مروی ہو کہ تو اتر معنوی پیدا ہو جائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی
اور یقینی ہو جائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحب منکر پر قول
کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں۔
والتفصیل فی العرف الشذی ص ۳۴ و ص ۳۵
واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

قرآن عزیز کا موت انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہن جاہلیت سے مفہوم موت پر اختلاف :

عربوں کا تصور "موت" کے متعلق یہی چلا آ رہا تھا کہ :-

① — یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے اور یہ ایک امر عدی ہے۔

② — ان کے عقائد میں نہ بقائے جسد معنی نہ بقائے روح دونوں کی قننا ہے۔

③ — وژد موت کے بعد پھر روح اور اس جسد و نبوی کا اجتماع ان کے نزدیک محال

اور ایک امر مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم "موت" پر ذہن جاہلیت بدل ڈالا۔ ان لوگوں نے اپنے فکر و نظر

کے مطابق ”موت“ کے لیے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سید الناس اندلسی نے ”المختص“ میں ایک فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔

اسمائے موت :-

المہینغ والنیط والرہر والمنون والشعوب والفود والحمام والسمارو
المقدار و قتیم وجباز وحلاق والقاضیة والطلاطل والعول والذام
والکفت والمجداع والمخذرة والمحتف والمخالج..... وغیرھا۔

انہی میں لفظ ”توفی“ بھی آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسی نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر ”توفی“ کا اطلاق درست نہ تھا۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی، نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں، ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یا جی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

عربوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرن اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شان تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف ”ابانۃ الروح عن الجسد“ کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوت حیوانیہ کے زوال یعنی آثار حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ راجب اصغہانی (۵۰۲ م) لکھتے ہیں۔

كَلَّ نَفْسٌ ذَائِقَةَ الْمَوْتِ فَعِبَارَةٌ عَنْ نِوَالِ الْقُوَّةِ الْحَيَوَانِيَّةِ وَابَانَةِ
الرُّوحِ عَنِ الْجَسَدِ.

ترجمہ۔ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ پس موت سے مراد۔ ۱۔ حیات کی قوت
ذائل ہونا اور۔ ۲۔ روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی
بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى. (پکا: الزمر ۵ آیت ۴۲)

ترجمہ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا
ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن پر مزناٹھہرا دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری دنیا

کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ موت ہو، سونے والے

کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اُچھل رہی ہیں اور روح

کے چار گھنٹے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن
کے لیے پکڑا ہے۔

یہ تو نام کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھئے، جو نہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا،

روح کے آثار کچھ دیر کے لیے اور رہتے ہیں اور اپنی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا

پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی وہ تازگی باقی نہیں رہتی۔ اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور

حسب بیان راعب صغیرانی النکاک الروح عن الجسد بھی ہوا اور قوت حیوانی بھی جاتی رہی۔ اب اگر کوئی ایسا کہیں ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھسنے گزر جائیں مگر بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی پر صدیاں گزر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟ یہی ناکہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ سمٹ چکی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرعینی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا۔

وہو الیوم کما وضعہ

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟
جواب: یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ پیر طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور پر نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے نظروں میں ادا کی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔ یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو، بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثار حیات آپ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام کی موت کی نوع ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی

دربے میں حیات بھی باقی رہی اور آپ کی موت ساتھ حیات ہوئی یہ نہیں کہ اس سے آثار حیات کلیۃً منسقی ہوئے
یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے۔ اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت
پر اسلام کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے
بتایا ہے موت صرف مفارقتِ روح کا نام نہیں، یہ توغیند میں بھی ہوتا ہے۔ جب تک پورے آثار حیات
منسقی نہ ہوں وہ موت نہیں اور راعنب نے یہی بات کہی ہے۔ حضورؐ سے بعض آثار حیات چونکہ آخر تک
منسقی نہ ہوئے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اُسے ایک جدی نوع حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کون
سا آسمان گرتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادی (۲۲۲، ص) لکھتے ہیں:-

والحیاء جنس تحتہ انواع وكذلك الموت فلیت بعض انواع الموت لا ینافی الحیوة۔

دوستوں کا عذر لنگ

بعض کرم فرمایہ کہہ کر بات مالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو
یہ دعوے کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی، تو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعائیں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔

باسمک ربی وضعت جنبی ویک ارضہ من امکت نفسی فلا تمہا وان

ارسلہا فاحفظہا بما تحفظ بہ الصالحین۔

ترجمہ: تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے سہارے

ہی میں اسے اٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روکے رکھے تو اس پر دم فرما اور اگر اُسے

واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما، جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی جوتی ہے جس کے بعد یہ پھر آجاتی ہے

اور موت والے کے لیے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدانِ مشرق میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ ہساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت ہر امانۃ الروح عن الجسد نہیں۔ آثار حیات جب تک پورے منتفی نہ ہوں۔ قرآن کریم سے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جُدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔ پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا معتزلہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کثاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اسی کی کھلی تردید نہیں کی، الا نقصاف اٹھا کر دیکھیں۔

سوال : نیند والے کی طرف روح کا لٹنا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے کی روح روکی نہیں جاتی، پھوڑ دی جاتی ہے۔ کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوئی تھی؟

جواب : سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لیے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :-

اللہم انت خلقت نفسی وانت توفاهالک مما تمهاومعياها ان لحييتهما فاحفظها
وان امتهما فاعفولهما۔

ترجمہ : اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی توفی کرے گا میری موت اور زندگی سب تیرے لیے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن جہان سے اس کی تصحیح نقل

کی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر رد بروح کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔

الحمد لله الذی عافانی فی جسدی و سرّی و علی روحی

ترجمہ حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری

روح پھر سے نوٹادی۔

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

امام نووی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کہتے ہیں کہ اس کی

سند حسن ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور

اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ ان تقائق کے لیے وہ اشعار جاہلیت کا

محتاج ہے۔

نظریہ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت "حیات" کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے یہ فقط

روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خلق الموت والحیات۔ (پ ۲۹ الملک)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا

اور محض ایک امر عدی قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی (۲۸۳ھ) فرماتے ہیں :-
 ان الموت عدم وهو خطأ صراح ومعتقد اهل السنة انه امر وجودی
 یضاد الحياة وكيف يكون العدم بهذه المثابة ولو كان العدم
 مخلوقاً حادثاً وعدم الحوادث مقدرًا انزالاً للزم قطع الحوادث له
 ترجمہ: موت کو محض ایک عدمی شے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت
 کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شے اس
 درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو اور وہ حادث ہوں
 اور عدم حوادث کا تقرر بھی ازلی ہوتا تو اس سے قطعاً حوادث لازم آتا ہے۔
 روح المعانی میں ہے :-

والموت علی ما ذهب الیکثیر من اهل السنة صفة وجودیة تضاد الحياة
 واستدل علی وجودیته بتعلق الخلق به وهو لا يتعلق بالعدم
 لازلیة الاعدام۔

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے
 مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے
 سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی
 ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں :-

واختلفوا فی الموت فقال قوم انه عبارة عن هذه الصفة وقال اصحابنا
 انه صفة وجودیة مضادة للحياة واحتجوا علی قولهم بانہ تعالیٰ قال الذی
 خلق الموت والحياة والعدم لا یكون مخلوقاً هذا هو التحقيق

والموت عند اصحابنا صفة وجودية مصادرة للحياة۔^۱

ترجمہ مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آ رہا ہے، بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکا براہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے، "خلق الموت والحياة" کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ تفکر و تدبر۔

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يجمع الله الناس يوم القيمة في صعيد واحد ثم يطع عليهم رب العالمين
..... فيقوم المسلمون ويوضع الصراط فيمرون عليه مثل جياذ الخيل و

الركاب وقولهم عليه سلم سلم ويبقى اهل النار فيطرح منهم فيها فرج

فاذا ادخل الله تعالى اهل الجنة الجنة واهل النار النار اتى بالموت

ملبيا فيوقف على السور الذي بين اهل الجنة اهل النار ثم يقال يا اهل

الجنة فيطلعون خائفين ثم يقال يا اهل النار فيطلعون مستبشرين

يرجون الشفاعة فيقال لاهل الجنة ولاهل النار هل تعرفون هذا فيقولون

هو لاء وهو لاء قد عرفناه هو الموت الذي وكل بنا فيضع فيه

ذبحا على السور

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال و جواب کریں گے اور نیک لوگ پل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جاگیں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دونوں کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی۔ اس وقت اسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا۔۔۔۔۔ اس کے بعد موت کسی کو نہ آئیگی۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتي بالموت يوم القيمة كانه املح فيوقف بين الجنة والنار ثم ينادي مناديا اهل الجنة فيقولون لبئك ربنا قال فيقال هل تعرفون هذا فيقولون نعم ربنا هذا الموت فيذبح كما تذبح الشاة فيامن هؤلاء وينقطع رجاء هؤلاء وواه ابو يعلى والطبراني في الاوسط بنحوه والبزار ورجالهم رجال الصحيح غير نافع بن خالد وهو ثقة

ترجمہ۔ قیامت کے دن کبش املاح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والوں کو کھول سے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن

خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آتے اور روح نکال کے جائیں یا نازعات و ناشطات آئیں اور روح نکال لیں۔ صرف یہی ہوتا ہے ایک عدمی حقیقت ہے مگر حضور نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوئی تھی اور اسے سب اہل جنت

جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہچانتے ہوں گے۔ اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کر ڈالا۔ معتزلہ اور کرامیہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں چلتے، تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف ابانۃ الروح عن الجسد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اسکی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال

جب موت ذبح کر دی جاتے گی اور نیک و بد، جنت و جہنم میں جا چکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے، ایک موت ان پر وہاں وارد کی جائے گی، تاکہ انہیں نار جہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پر وارد ہوگی۔ حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں:-

اذا دخل الله الموحدين النار ماتم فيها اماتة فاذا اراد ان يخرجهم منها اماتهم العذاب تلك الساعة ۱۰

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوٹے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)۔

(اماتم فیہا) بمعنی انہ یغیب اجسامہم او یقبض ارواحہم لطفًا منہ
بمعروضہا والاشرا التوحید ۱۱

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کی روہیں قبض فرمائیں گے یہ اس لیے کہ ان پر توحید کا اظہار ہو (وہ یہ کہ ان پر آگ اثر نہ کرے)۔

یہاں اماتہم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح ان کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے

کہ حق تعالیٰ اُن کے احساس و شعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔
 موت تو ذبح ہو چکی، اب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار
 اور شعور و احساس کو مدک دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسان نبوت نے لفظ موت
 سے تعبیر کیا ہے

حقیقتِ موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پر وارد ہوتی ہے۔ موت کی حقیقت انفکاکِ روح
 یا ازالہ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا مغالطہ ہے۔ ازالہ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہو
 سکتی ہے اور ابانۃ الروح پر بھی (جیسے کہ یہ نامم پر وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جانے
 روح کا ارسال یا بدن کی طرف حود کرنا پھر ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست
 موت کا معنی ابانۃ الروح عن الجسد یا ازالہ حیات ٹھہرا کر معتزلاً کے ذہن سے موت کو ایک عدوی چیز
 سمجھیں اور قرآن کی نص مجہول جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالہ حیات کا نام نہیں۔
 خلق الموت والحیاء لیلو کما اتکم احسن جملاً۔ (پک الملک، آیت ۲)

ترجمہ۔ اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو۔ تا جا نچے حتم کو تم میں سے کون اچھے

کلم کتاب ہے

موت کا عدوی معنی (ازالہ حیات) کرنے میں ایک وقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لیے سبق
 حیات ضروری ہوگا۔ پھر موت صرف انہیں کہہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں
 بٹوں کو اموات نہیں کہا جاسکے گا۔ کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لا یمسح کا معنی بھی یہی
 ہوگا کہ جو پہلے سنتے تھے اب نہیں سنتے۔ لا یبصر کا معنی یہ ہوگا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے۔
 پہلے کام آتے تھے اب پک نہیں کر سکتے پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا۔

لم یقیدم الا یمسح ولا یبصر ولا یفقی عنک شیئاً۔

بُت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوتی، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ
 صنم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پر جا بھی دنیا میں ہے اور ہی ہے۔ قرآن کریم
 ان سب معبودان باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوquیت الحیاة دکہ پہلے ان میں حیات رہی ہو، موت
 کا لازم اقتضاء ہے اور موت کا معنی ہے۔ ازالہ حیات تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں، ستاروں
 اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی عجیب
 علم و دانش ہے کہ موت ازالہ حیات کا نام ہے اور جو ازالہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا
 نانو توئی بھی ہو تو ہمارا امام نہیں۔ ع بریں عقل و دانش بیاہیہ گر لیت

کیف تکفرون بالله وکنتم امواتا فاحیا کھ (پ البقرہ آیت ۲۸) میں موت کا لفظ
 حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لیے مسبوquیت بالحیاة نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں
 ازالہ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن
 مسعودؓ اور حضرت مجاہد (۱۱۰ھ) سے یہی منقول ہے معلوم ہوا موت کا معنی ازالہ حیات نہیں،
 صرف عدم حیات ہے۔ اُس تعریف پر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی
 چیز ہے۔ ازالہ حیات اس کے لیے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ ہم ضروری نہیں۔
 ان هذه الاعادة لیت مستلزما لامثات حیاة مزيلة لاسم الموت بل هی نوع حیاة بروضیة۔

آنحضرتؐ کی موتِ طیبہ

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا عنوان تو آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ آج مستبد طیبہ
 کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپ کی حیات کے لیے ہے، اسی طرح یہ اطلاق آپ کی
 موت کے لیے بھی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کی وفات پر ان منجملہ اقدامات کا اعلان
 کرنے سے پہلے موتِ طیبہ کی آواز لگا دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے

حضرت کے جسد اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا :-

طبت حیا و میتا۔ (آپ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب)

جس طرح آپ کے بدن اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسد اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عروض موت نے آپ کی حیات کو صرف زیر پردہ کیا ہے۔ آثار حیات آپ سے منتقلی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تندرست تازہ رہے گا۔ اس میں غم نہ کیا جاتے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کوئی اور قسم کی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تصور کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کسی بھی یا کسی نہیں۔ اس بحث میں ہم نہ پڑیں اور انک میت وانہم میتون کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثار حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثرات ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کون سا ستون ہے جو گرتا ہے اور کون سی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساتھ حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثرات حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثرات حیات جو اجماعاً مسلم رہے

موت کا ایک مترشح اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے بعد اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضرت کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہے اور آپ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں :-

بأبواب ما كان ماله بعد موته قائماً على نفقته وملكه۔

دوسرے لوگوں کے لیے باب یہ بندھا ہے۔

ترجمہ جب آدمی مر جائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔
 امام بخاری کتاب النوازل میں حضرت ابو ہریرہ سے حضورؐ کی یہ حدیث لائے ہیں۔
 لا تقسم ورثتی دیناراً ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة۔
 ترجمہ میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی
 مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

① امہات المؤمنین کا خرچہ تو سالہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات
 بھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں اور آپ کے
 عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثبات
 حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

② فوت شدہ کی بیوی تا انعقائے مدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر
 اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضورؐ کی ازواج
 کے لیے یہ مدت نہیں۔ وہ تا زندگی حضورؐ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تمہی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے
 اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

③ موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے
 اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ حضرت مصعب بن سعد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔
 میں بیمار تھا، میں نے حضورؐ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت
 کر سکتا ہوں جہاں چاہوں، آپ نے اس پر نہ کہی۔ میں نے کہا نصف کی وصیت کرو
 آپ نے اس پر بھی انکار فرمایا۔ پھر میں نے ثلث (تہائی) کے لیے کہا، آپ
 اس پر خاموش رہے۔

لیجئے فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصے کا مالک نہیں رہا، اسے اس کے وارث لیں گے۔ یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

مرضت فارسلت الی النبی فقلت دعنی اقسام مالی حیث شئت فابی

قلت فالنصف فابی بلہ

اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے، ان ذوالج مطہرات کے خروچ اور خادم کی اجرت کے بعد جو سچے اسی صدقہ فرادینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ بوجہ موت کے موت تمام علائق دنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اطلاق باوجود وفات ان کی ملک میں ہیں اور آپ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پر اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت طبیعہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزار اور اپنے عوام کی تشغیب ہم نہیں سمجھتے۔ اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جا رہا ہے۔

موت کے بارے میں اہل دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے۔ موت کی حقیقت پر اہل تحقیق نے بہت گرد پیمائی کی ہے۔ بات کو الجھانے سے بچانا ہاتھوں سمجھے۔ موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر بدن کو لاحق ہوتی ہے۔ اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں صفت عرضی ہے تو اس کے زوال پر موت کا ورود ہوتا ہے اور اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابل تغیر ہے (جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کمی ظہور و تھا کا انقلاب آیا ہو) یا ناقابل تغیر۔ اگر قابل تغیر ہے تو پھر صفت حیات کے معرض خفایں آنے یا سٹور ہونے پر یہ صفت موت بدن کو لاحق

ہوگی اور اگر ناقابل تغیر ہے تو پھر اس پر درودِ موت محال ہے۔ پھر وہ حیات دائمہ ازلتہ ہے۔
واللہ اعلم بالصواب۔

اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں جبکہ اہل سنت مفہومِ موت کی اس گہرائی میں نہیں
گئے۔ ایسی حیات ذاتی جس کی کیفیات ظہور و تخا میں قابل تغیر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی اضافی
جو، اذلی نہ ہو۔ اس کا مرتبہ و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعثِ تکوین عالم اور
خلقِ کائنات ہے۔ اس لیے انسانیت کی دنیا میں مفہومِ موت کا یہ پہلو اتنا شائع و ذائع نہ ہو سکا
اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح
پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو
کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیاتِ الٰہی کے
ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو۔ موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جمہور کی رائے ہے
تو بھی مسئلہ زیر بحث میں مقصود کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ ہاں یہ پیش نظر ہے کہ روح کے بدن میں
مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں۔ روح بدن سے نکل جاتے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر
بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔ محقق ابن ہمام
کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں ملازمہ نہیں، تاثر و تعلق بھی وجودِ حیات
کے لیے کافی ہے۔ متن فقہ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ :-

اعادة الروح الحـ العبد حق۔^{۱۰}

ترجمہ: بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹا یا جانا برحق ہے۔

ممکن ہے اس میں صفت "الئی" اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں
لوٹانا ضروری نہیں۔ بدن کی طرف لوٹانا ہی اس حیاتِ فی القبر کے لیے کافی ہے۔ جس پر سوال نکیرین

اور ازاں بعد ادراکِ اہم ولذات کے احکام مرتب ہو سکیں۔
واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم و احکم فی کل باب۔

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھئے موت فنائے محض کا نام نہیں۔ وہ اختلافِ دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس
عالمِ دنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے۔ علامہ عینیؒ (۷۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔
الموت لیس بعدم اتمام انتقال من دار الی دار
ترجمہ موت ایک عدوی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل
ہو جانے کا نام ہے۔

لیس بعدم محض ولا قناع صرف۔

ترجمہ موت ہرگز عدم محض اور فنائے خالص کا نام نہیں۔
حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں:۔ "ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننے"
کا نام موت ہے۔

موت کیا ہے یہ راز کھل ہی گیا! زندگی اک رُخ بدلتی ہے

اس کنارے سے اُس کنارے تک جیسے اک موج جا نکلتی ہے

جانتا چاہیے کہ کفار عرب کی طرح موت کے متعلق قرآن عزیز کا نظریہ فنائے کامل کا نہیں
انبیاء و صلحاء تو در کنار کُل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر اپنی اجسام عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے
جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محل استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوسِ قدسیہ کو
عالم برزخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر آپ کی عقل اس
کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالم آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کٹھن منزل نہیں، وہ

کیسے ہوگا۔ تفکر و ایادلی الابصار۔

قرآن عزیز کہتا ہے :-

وقالوا اذا كنا عظاما ورفلائا انا لبعوثون خلقا جديدا قل كوفوا
سجادة او حديد او خلقا مما يكره صدوركم فيسئقولون
من يعيدنا قل الذي فطركم اول مرة (پ ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے
بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو
تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما
دیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا :-

كما بدأنا اول خلق نعیده و وعدا علینا انا كنا فاعلین۔

(پ ۱۶ : انبیاء)

ترجمہ۔ جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو کوٹائیں گے، ہمارا ضرور
وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کہا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا :-

قد علمنا ما تنقص الارض منہم و عندنا کتابٌ حفیظٌ (پ ۱۷ ق)

ترجمہ۔ ہمیں معلوم ہے جو زمین کھا رہی ہے ان میں سے، اور ہمارے پاس پورا
ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے :-

من یحی العظام وہی رمیم۔ قل یحییہا الذی انشاها اول مرة وہو بکل

خلقٍ علیم۔ (پ ۲۳ : یسین)

ترجمہ۔ کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟ —

آپ فرمادیتے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا جس نے انہیں پہلی بار بنایا تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیاتِ انسانی کیسے ان ذروں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ ریزے اور چوڑا تو بہر حال انسانی لاش ہے، جس میں بیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثارِ حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چوڑا نہیں۔ اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثارِ حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز، جس کا زندہ ہونا تمہیں لوہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، بن کر دیکھ لو۔ حتیٰ کہ موت محکم بھی بن جاؤ، تو اس قادرِ مطلق کے لیے تمہیں پھر اسی حیدرِ عنبری سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشرِ آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہڈیوں کے چورے اور ذراتِ منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اعمال ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منظوری ہے، گویا کہ حشرِ آخرت کے لیے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور ذراتِ منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں۔ پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے، تو ان کی یہ بعثت ذراتِ منتشرہ اور غلامِ ریم سے کیوں نہ ہوگی۔ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے، ان کا اجسادِ سالمہ سے اٹھایا جانا، کیا قرآن پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں ”حشرِ آخرت“ ہڈیوں کے چورے اور ذراتِ منتشرہ پر مبنی ہے؟

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لیے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشر آفت، ذرات منتشر اور عظامِ مریم سے ہوگا۔
 جو اباعرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو پتھروں پر گری ٹپری تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کر دی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ ان کا گدھا مٹی میں بڑی بڑی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا :-

وانظر الی حمارک ولنجعلک آية للناس وانظر الی العظام کیف فنشزھا
 ثم نکسوها لحمًا۔ (پ البقرہ ع ۲۴)

ترجمہ۔ اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تاہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان بڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں اُبھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اُس نے کہا مجھے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھنے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند جیسی تھی، ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا۔ اللہ نے حرام کر دیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لیے قرآن کریم نے لبثت (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور اصحابِ کہف کے سوتے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے ولبثوا فی کے مفہم ثلثة مائة ثمانین (پا الکہف ع ۴) سے تعبیر کیا ہے جس طرح سوتے ہوئے اصحابِ کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوتے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے۔ جو صورتحال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ دریاں۔

ماہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو ان پر سو سال تک وارد رہی۔ اس دوران وہ اپنی چھٹی زندگی کو نہ پاسکے جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔ کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا۔ کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی معنی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ رہا ہو۔ انبیاء کا بنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آسکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے انبیاء کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملتے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد مدتوں لائچی کے سہارے کھڑے رہے، جب لائچی کو کیرا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آگرا۔ اسے کیرا کیوں لگا؟ اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے اُنکی ہڈی تک نہ کھنکھنائی، نہ ٹوٹی۔ خشک اور سُکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک نرم اور تروتازہ رہا۔ اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اترنے پاتے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے فقہاء لکھتے ہیں حضور کا جسد اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تروتازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّتِ الْجَنَّةُ ان لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْعَنِيْبَ مَا لِبَثْوَانِي الْعَذَابِ

المہین۔ (پ: السبا، ع: ۲۴)

ترجمہ۔ پھر جب وہ زمین پر آگرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

اس میں اشارہ ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں، اُن کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو اعمال ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں باقی رکھا گیا۔

حشر کے دن انبیاء کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا، جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثارِ لطیفہ بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں موجود۔ جب اُن سے برزخ کا پردہ اٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سانسے آجائیں گے یہی اُن کا حشر ہے اور وہ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کے کرام کو آخرت میں دو بار لباسِ حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عامۃ الناس کو جو زندگی اور کامل حیاتِ مغربی اُس دن ملے گی، وہ انبیاء کے کرام کو پہلے ہی سے عالمِ برزخ میں حاصل ہے، صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبور میں ہی اس حیات بعد الوفا پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ اُس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور اُن کا عالمِ برزخ اچانک عالمِ آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک کھلی اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرتِ ایزدی سے اُن کی قبورِ شریفہ شوق ہوں گی۔ بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں قدرتِ ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا، اور اسی دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیاء کے کرام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

انا اول الناس نحو و جا اذا بعثوا۔

ترجمہ: جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والے ہوں گا۔

دوسروں کے لیے نطفِ بعثت (اٹھایا جانا) ہے اور اپنے لیے نطفِ خردوج (نکلنا) ہے، ان دونوں کو ایک نطف کے تحت نہیں رکھا گیا، سو جس طرح انبیاء کی موت اور وہ کی موت سے مختلف ہے ان کی حیاتِ برزخی دوسروں کی حیاتِ برزخی سے مختلف ہے، ان کا حشر بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ اور وہ اپنی قبروں سے اٹھنا ہے اور ان کا نکلنا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ واتم واکلم۔

انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وفات کے بعد ان کے اجسامِ عنصریہ میں ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر پھر سے حیاتِ عود کر آئے، تو یہ مضمون بھی صحیح ہے کہ اس حیاتِ بعد الوفا کا تحقق قیامت کے دن نیا نہیں، بلکہ قبورِ شریفہ ہی میں عمل میں آچکا ہو۔ فرق ہے کہ تو یہ کہ برزخ میں یہ حیات پردے میں اور آخرت میں یہ حیات ایک کھلی حیات ہوگی۔ پہلے مضمون پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے لیے اعادہ حیات اجسامِ عنصریہ کے ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر ہے۔ پس یہ قرآنی مضمون کہ حشرِ آخرت زمین کے "ذراتِ مُنشرہ" اور "عظامِ ریمیم" سے ہو، انبیاء اس ذیل میں نہیں آتے۔ سو قرآنی عنوانِ بعثت "عام مخصوص منہ البعض" کے درجہ میں ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تخصیص خبرِ واحد سے محلِ کلام نہیں، بناؤ علیہ اس حدیث کی وجہ سے کہ "الانبیاء احياء فی قبورہم و یصلون" کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح عامۃ الناس کو کامل حیاتِ عنصری حشر کے دن ملے گی، انبیاء کرام اس سے بہت پہلے اپنی اپنی قبورِ شریفہ میں فائز الحیات ہو چکے ہوتے ہیں۔

پس اس باب میں احادیث سے استدلال خصوصاً، جب کہ وہ تو اثرِ معنی سے اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہوں، عین مقتضائے موضوع ہے، یہ نہیں آیات سے اُلجھتے چلے جانا اور قلبِ موضوع کتنا کوئی امرِ مستحسن نہیں ہے۔

ارشاداتِ پیغمبرِ خاتمِ شریعتِ اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہ کے عہدِ سعادت عہد سے سلسلہ روایت چلا، تابعین کے عہد کے بعد علمِ حدیث فنِ حدیث سے وابستہ ہوا، اور راویوں کے حالات، ان کی جرح و تعدیل اور افعال و ارسال ایک مستقل موضوع بن گئے۔ پہلے دور میں روایات کا مدار زیادہ اعتماد پر ہوا اور آگے چل کر اسناد نے زیادہ اہمیت پائی۔

اس تحقیق و تصحیح کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ دو ہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلہ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کسے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مدلل ہے یا غیر مدلل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ عرضہ کہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تقلید سے چارہ نہیں علمی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرادینا اور پھر ائمہ فن سے استتعار بننے کی آہیاری کہ نا، عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں۔ اگر تشغیب العوام نہیں تو امد کیسا ہے؟ اگر یہ روایات کلیتہً اور قطعاً لائق رد ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟

آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحرب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہوا، کسی راوی پر اپنی اشارہ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں تصحیح محدثین کا سہارا لے لیا۔ خالی اللہ المشتکی۔

جہاں صحیح مسلم اور ابو داؤد تک کی احادیث، موضوع روایات، کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتب فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس انداز فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں۔

طبع علی کدر و انت تریدھا

صنوا من الاقدار والاکدار

ایسے پُرخطر دور ہیں، جب کہ احترام سلف اور فکرِ آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک و ملت کی مہمات میں تعمیری اور قروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے

وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی "اعتماد علی السلف" کے خلاف کوئی چٹکاری سُلگتی نظر آئے، اسے اول و صلہ ہی میں بچھا دینے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خود میں حیات کو جلا نہ دے۔

ہاں، اگر طریق اختلاف ایسا ہو، جس میں اکابر کے خلاف جذباتِ تنفر نہ پیدا ہوں، تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمہ استحداد سے سیراب ہو سکتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات لغزواتِ محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ۔ اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی رائے ہے، آخر جانب مخالف بھی احتمالِ صواب سے خالی نہیں۔

الغرض ہر شے اپنے محل پر ہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آٹھرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں مری ہوں تو صحابہ کرام کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؑ کی نصیحت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے۔

عن عثمانہ قال سیاتی فاس یجد لوفکم بشبہات القرآن فخذوہم بالسنن

فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الداری۔ (دکنز العمال جلد ۱۸ ص ۱۰۸)

ترجمہ۔ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہاتِ قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے

تم ان کا سامنا سنت کرنا صحابہ السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔

اس رسالہ ہدایت مقالہ میں اس آفتابِ رشد و ہدایت کے زندہ جلاوید ہونے کا بیان ہے

جس کے نور و عرفان نے لاقعداد ذروں کو غیرتِ نور شید بنا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی کھٹکتی مخلوق

کو چشمہ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الا اصلاح و ما تو فیق الایمان علیہ تو کلت والیہ انیب

خالد محمود عفا اللہ عنہ

تمہید

الحمد لله الكبير القادر على جميع الممكنات المرید لجميع الكائنات والصلوة والسلام على جميع الهداة بالتزین والبتينات الذین هم احياء في قبورهم بعد الممات خصرونا على خاتم الرسل وفضل المخلوقات سيدنا وولانا محمد النبي الذی هو حی في روضة من رياض الجنات وعلى آله واصحابه واتباعه الذین يقتبسون من نور حیاتہ في الحیات وبعد الوفاة. اما بعد :

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جاسکتا۔ قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات تو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل — عالم برزخ — پر اجمال و اشارت ہی کی مصلحت کارفرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردہ تھا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حقہ اس پردہ تھا میں ہے، اُسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے، اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

ومن وراءهم برزخ الی یوم یبعثون۔ (پہا، مومنون)

ترجمہ۔ اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

انسان اُس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو ان پر منکشف فرمایا۔

ظہر ہے کہ گاہے گاہے یہ کھلیاں اور انکشافات کے یہ پردہ اس عادی کے نا آشنا

ماحول میں عالم برزخ کے روابط و ضوابط کی جملہ کڑیاں نہیں ملا سکتے ہیں ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمادیا، اس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرضِ خفا میں ہے، اس میں قیاسات کے گھڑے نہ دوڑائیں اور مافوق العقل کو خلاف عقل قیاس کہتے ہوئے منقولات صحیحہ کے انکار کے ورپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دور

عالمِ ارواح

یہ وہ جہان ہے جہاں رُوحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب رُوحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری اُجھاتی ہے، وہ روح کسی جسم میں آ کر یہاں جلد پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوع انسان سے عہدِ اُست لیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے۔

وَأَشْهِدُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَن لَّهُم لَكُمْ طَقَالُ أُولَىٰ ج. شہدنا ما دان تقولوا

یوم القیمۃ انا کناعن ہذا غفلین ہ (پ، الاعراف : ع ۲۲)

ترجمہ۔ اور اللہ نے اُن سے اُن کی جانوں پر اقرار کرایا۔ کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔
سب نے کہا کیوں نہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن، ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

ضروری تھا کہ یہ تخمِ ہدایت جسے کل اسلامی تعلیمات کا مبدع و منتہی اور تمام ہدایتِ ربانیہ کا وجودِ مجمل کہنا چاہیے۔ عام دنیا صنی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں

بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور روٹی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر توحید و ایمان کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلبِ بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس سب سے زیادہ اساسی وجوہی عقدہ کا حل ناخنِ عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ سسدہ بھی منطقی استدلال کی مہول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری سسدہ بن کر رہ جاتا جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے۔۔۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے اُن کی اولاد اور اُن سے اُن کی اولاد نکالی، سب سے اقرار کر دیا، اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا۔

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالم ارواح میں تمام اولادِ آدم کو خبر دی کہ اُن کے پاس اس تخم کی آبیاری کے لیے میرے پنجرے آتے رہیں گے۔

یا بنی آدم اما یا تینکہ رسک منکم یقتنون علیکم آیاتہ

(پ، الاعراف، ع ۴)

ترجمہ۔ اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم اولادِ آدم میں سے ہی سنائیں تم کو آیاتِ میری، تو جو کوئی ڈرے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہوگا، اُن پر اور نہ غمگین ہوں گے۔
شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں۔

ابن جریر (۲۱۰ھ) نے ابویاسر سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یا بنی آدم اما یا تینکہ کل اولادِ آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔

احادیث میں بھی اس عالم ارواح کا ذکر ملتا ہے۔ اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی ہے جب روح جسد جنین میں داخل ہوتی ہے۔ یہ چند ماہ کی مدت نہ عالم ارواح میں ہے نہ دنیا میں۔

یہ عالم ارواح اور دنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے اور نولود کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالم ارواح کو اسی لیے عالم ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا سختی طور پر جسے عام دیکھا نہ جاسکے (جیسے قبر میں روح و بدن کا تعلق) تاہم عالم ارواح کے سوا دنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح و بدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالم ارواح ایک پورا جہاں ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہاں میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دنیا، برزخ اور آخرت۔ تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

عالم دنیا

عام عموماً میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریب زندگی کا دور ہے۔ قرآن اُسے "الحیوة الدنیاء" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ مگر جسد کے احکام روح پر غالب ہوتے ہیں۔ یہاں حیات کا تقویم اس دنیا کے رزق مادی پر ہوتا ہے تغذیہ و تنہیہ اس زندگی کے لوازم ہیں۔ اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم "دار التکلیف" ہے اور یہی "دار العمل" جس کے ذخیرہ عمل پر بعد کی جزایا سزا مرتب ہوتی ہے۔

لہ قال العارف الجامی ان الغالب فی هذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورہ
لظہور الجسد و خفاء الروح و ینعکس الحال فی البرزخ و تظہر احکام الروح اما المعرفیستوی
فینہ الحکمان واللہ اعلم۔

عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی اعمال کو دیکھ یا سن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ اُن کی یہ دُنوی زندگی دُنوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انہ صورت لی الجنة والنار حتی رأیتھا وراء الحائط۔

ترجمہ جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے:-

لقد رأیت الان منصلت بکر الصلوة الجنة والنار مثلین فی قبة
هذا الجدار۔

ترجمہ ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھانی میں نے اس دیوار کے قبل کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضور نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ یہ کہاں دیکھا؟ اسی دنیا میں۔ کیا کوئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں۔ یہ دنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھانی اور فرمایا:-

انہ عرض علی کل شیء تو لجنہ فعرضت علی الجنة حتی تناولت

منہا قطفًا اخذتہ وعرضت علی النار فرأیت فیہا امرأة من بنی
اسرائیل تعذب فی ہرۃ لہا ربطتہا فلم تقطعہا ولم ترعہا تا کل من
خشاہ الارض ورایت ابا ثمامۃ عمرو بن ملک یحرق صلبہ فی النار

ترجمہ: ابھی مجھے ہر چیز جہاں تہیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے
اس انگور کے کچھ خوشے لیے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت
کو دیکھا جسے ایک بتی کے سلسلہ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بتی کو بلند کر رکھا تھا اور اسے
کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے پھوٹتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھالے اور میں نے
ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھیٹ رہا تھا
اور یہ بھی فرمایا :-

ما من شیء علم اکن اریۃ الا رایتہ فی مقامی ہذا فی الجنة والنار
ترجمہ: کوئی ایسی چیز مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک
کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ اسحضرت سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا :-

عرضت علی اجور امتی وعرضت علی ذنوب امتی فلم ارضنا اعظم
من سورۃ من القرآن اوایۃ اخذہا رجل ثم نیہا

ترجمہ: ابھی مجھے اپنی امت کے افعال دکھائے گئے مجھے میری امت کے گناہ بھی
دکھائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت
سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں، حضور نے فرمایا :-

عرضت علی الامم ورایت سواد اکثرہا سدا لافق فقیل ہذا موسیٰ

موسىٰ فى قومہ ۱۰

ترجمہ مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی
 تھی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔
 ایک دفعہ آپ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا۔
 انی واللہ لا نظر الی حوضی الان وانی اعطیت مفاہیح خزائن الارض
 انی واللہ ما اخلف ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف ۱۱
 ترجمہ میں اپنے حوض کو ترک نہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو نہ میں کے خزانہ کی کنجیاں
 دے دی گئیں۔

اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے۔ مجھے ڈر اس بات کا
 ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔
 حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جانے لگے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا۔
 انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر ۱۲

ترجمہ اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا
 مہدے گھروں میں فتنوں کو اس طرح اترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اتر رہی ہو۔
 حضرت ابویب انصاری کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے
 پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا۔

فقال یہود تعذب فی قبورہا ۱۳

ترجمہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہر روز ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ ان کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں ۱۴

۱۰ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۸۴ ۱۱ ایضاً ص ۹۶۵ ۱۲ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۳۱ ۱۳ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۸۲ کتاب الجنائز

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقم سے روایت کرتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپؓ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپؓ رو پڑے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا۔

ترجمہ۔ ایک دن میں حضورؐ کی خدمت میں تھا کہ آپؐ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرئی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آ رہی تھی میں نے کہا حضورؐ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں یہ دنیا ہے جو میرے سامنے مثل ہو کر آئی ہے، میں نے اُسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا۔ یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپؐ نے عین بیداری میں دیکھے۔ آپؐ کے بعد بہت سے اولیاء بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالم دنیا میں عالم برزخ کے نظارے دیکھے۔ اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اُسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جاسکے۔ تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اُس عالم کی جھلک دیکھی ہے۔

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود گاہ اُبجھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں
پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں ہوتے
یہ وحی الہی کے پردے میں جن پر حقائق و معارف اترتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔
رَوِیَا الْاَنْبِیَاءُ وَحِی - (رواہ الترمذی)

① — حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں نے نیت میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پنی رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اُس کی سیرابی کے اثرات دیکھے۔
ثُمَّ اَعْطِیْتُ فَضْلَیْ عَمْرٍو قَالُوْا فَمَا اَوْلَتْہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْعِلْمُ

ترجمہ میں نے اپنا سچا دودھ عمرؓ کو دیا صحابہ نے پوچھا حضورؐ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے فرمایا۔ علم

② — حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے ان پر مختلف پیمائشوں کی قسمیں تھیں۔

وَمَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجْرُهُ قَالُوا مَا آوَلَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ قَالَ الدِّينُ لَهُ
ترجمہ: اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹی
جاتی تھی صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے آپؐ نے فرمایا — دین۔

③ — حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا پھر اسے اُبو بکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یاد ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا۔

فَاخَذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمَّا رَعِبَ رِيًّا مِنَ النَّاسِ يَتَزَعُ نَزَعِ ابْنِ الْخَطَّابِ
حَتَّى ضَرَبَ النَّاسَ بِعَطْنِ لَهُ

ترجمہ: پھر سے عمرؓ بن الخطابؓ نے لے لیا اور اب تک کوئی جوان اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جس طرح خطابؓ کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوسے تھے جو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دنیا ان سے سیراب ہوگی چونکہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے مانگ کر لیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ خود حضورؐ کو مقاماتِ عمرؓ دکھا رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

رَأَيْتُ كَانِ امْرَأَةً مَوْدَاعًا ثَائِرَةً الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ
بِهَلْبَعِهِ وَهِيَ الْمَخْبُوعَةُ فَمَا وَلَتْهَا انْ وِبَاءَ الْمَدِينَةِ نَقَلَ إِلَيْهَا

۱ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۶ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۲ ۲ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۳

۳ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۶ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۲

ترجمہ میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مہیچہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ جگہ ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی قیادہ ہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزانے دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی :-

الفخهما - فنفتخهما - فاولتہما الکذابین اللذین انا بینہما صاحب
صناعاء وصاحب الیمامة۔ لہ

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں، سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے ان سے دو کذاب (اسود عنسی اور سلیمہ کذاب) مراد سمجھے۔ میں اس سرزمین میں ہوں جو ان دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔

عملاً انہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں پھونکا۔ یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی سعادت تھی کہ ارادۂ رسالت بلکہ ارادۃ الہیہ ان کے دستِ حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے ان کی خلافت کی صداقت اور آشکار ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خود بھی وحی تھا۔ پھر اس خواب میں وحی آنا ایک اور مرتبہ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہتے ہوئے عالم بیداری ہو یا عالم خواب، بارہا بزدلی اور اخروی جہولوں سے آشنا ہونے اور آپ کے لیے عالم دنیا اور عالم بزدلی کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے

جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخ کوائف سے نا آشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں۔ جن کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے :-

ومن وراء ظهرهم برزخ الی یوم یبعثون (پہا: المؤمنون ع ۶ آیت ۱۰۰)
ترجمہ اور ان کے ورے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔
موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ دور قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا
روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق قائم ہوتا ہے۔ اس

ملہ یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا
مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثار حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علیتین
یا سببین سے لا کر داخل بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے اپنے مستقر
میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور قزات بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی
ہوتی ہے۔ درقبر احیاء و اماتہ حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلق پیدا می شود کہ تغذیہ
و تنمیه ہمراہ آں نمی باشد۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ نوکشتور)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا
ہے کہ آنے سے زیارت کرنے والوں کی اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح کو
قرب اور بُعد مکانی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۳ ص ۸۸ مطبع فاروقی دہلی) روح کا
علاقہ بدن سے اندر اور نظر و عنایت کے مجال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے
والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے کو یا روح کا مقام ہی معین
ہے۔ (تفسیر عزیزی پ ۳ ص ۸۸ تحت آیت ثم اعانہ فاقبرہ)

میں دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آفت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زندگی کے لیے روح اور حیات میں ملازمہ نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوم ہو جاتا ہے۔ قبر کی منزل اسی دور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک جہت سے موطنِ دنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے۔ ۱۔ عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحتِ قبر یا عذابِ قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ ۲۔ شہداء عالم برزخ میں حجابی حیات سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متحد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثارِ حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک

لہ الحیاء فی اللغة شیءٌ مفائرٌ للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ وزعم بعض الناس انه نفس الحیوة و لیس كذلك فی النصوص ذکوا الحیوة و لیت روحاً و اطلاقاً الروح فی عقیدۃ السفارینی جلد ۲ ص ۲۹ محیۃ الاسلام ۳ ان ملازمۃ الحیوة للروح ام عادی لا عقلی فہذا مما یجوزہ العقل (شفا السقام ص ۱۵۹) ۱۔ عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت ہے بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں سیلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادگی سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں پس حقیقتِ قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے۔ اس کی برزخی وسعت و فسحت کو رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس ظاہرِ قبر کو حقیقتِ قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مفارم چیز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۔ دیکھیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ دفتر ۱ ص ۱۶ اور ۱۹ لکھنؤ

حسی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے اور ان کے زندوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوا۔ اُن کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشرف و اشراق سے اس میں اہل سنت و اجماعت کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعمیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پُرانقہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پُرانقہ واضح کرے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے وہ لسانِ شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں :-

فَيَقَالُ نَمُ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا انْ كُنْتَ لَوْ قَابَهُ لَهْ

ترجمہ۔ اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو۔ ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہوتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں، وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے عالم برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالم برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرا یہ مجاز نہیں۔ محدثین لکھتے ہیں :-

تضییق القبر و اختلاف الاضلاع حقیقی لافہ معجزانہ

ترجمہ قبر کا ٹھنڈا (تنگ ہونا) اور پسلیوں کا آپس میں ٹکرانا یہ حقیقت ہے کوئی مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جاسکتی ہے۔ اصحابِ کہف مدتوں نیند میں رہے اور حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں سگے اٹھے، دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ بعثنا یوماً و بعض یوم برزخی زندگی میں نیند کی سی ایک کیفیت ہے اور اعمالِ برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ ہے۔ اس حال سے گزرنے والے سے نیند ہی سمجھتے ہیں۔

قالوا یا ولینا من بعثنا من مرقدنا هذا ما وعد الرحمن وصدق

الموسلون . (پ: ۲۳، نسیم: آیت ۵۲)

ترجمہ کہیں گے خرابی ہماری، کس نے اٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے۔ یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی ایک دورِ برزخ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اللہ یتوفی الالفن حین موتھا و التي لو تمت فی مناہما۔ (پ: ۲، الزمر: آیت ۴۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جالوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع

نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے۔

توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لیے یہاں نہیں لٹتی اور نیند والے کے لٹ آتی ہے

امساک و ارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں

سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی

روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:-

النوم اخو الموت۔ (نیند موت کی بہن ہے)۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من مردنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا۔ اور دوسری طرف ہے:-

النار يعرضون عليهما غدواً و عشياً. (پک: المرمن: آیت ۲۴)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دُنویٰ اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں کہیں عذاب کے منظر دکھائے جا رہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر۔ برزخ کو ایک نیند کے سمجھا جا رہا ہے یا ہو سکتا ہے، یہ نغز اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر، جو نہ سمجھ میں آئے اُسے لا شعوروں کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وفيه السداد وفيه السلامة۔

حضورؐ سے پوچھا گیا۔ اینام اهل الجنة، کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپؐ نے فرمایا۔ لاینامون کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب و خیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

رُویا الانبیاء وحی. (انبیاء کا خواب بھی وحی ہے)

یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے، مجال ہے کہ اس میں کوئی دخل شیطانی ہو اور عملی حکم ہے سچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اُسے قربان کرنے لگیں گے لیکن کبھی کسی کا خواب اس درجے کا نہیں۔ انسان کو احتلام دخل شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا۔

جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

یہاں اصل موضوع موت انبیاء نہیں، اس کی بحث حیاة الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں

ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں۔ ہمارے پاس

کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پوری طرح شیشے میں اتار سکیں۔ جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی

مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے۔

عالم آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے، جسے قرآن کریم ”دارالقرار“ کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے

جنت اور جہنم اسی دنیا کے دو مختلف نقشے ہیں۔ یہی زندگی ”العی، ہے۔ (نپ اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔

ان الدار الاخرة لہی الحيوان لوک انو ابعلمون۔ (نپ، العنکبوت)

یہ چاندوں اور دار بالترتیب چلتے ہیں اور صفات مختلف رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع

ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

فلہذہ الافس اربع دور کل دار اعظم من اتی قبلہا۔

ترجمہ۔ سو ان جانوں کے لیے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے

۱۔ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۱۲ لکھنؤ پنجا ب کے بھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔

۲۔ کتاب الروح ص ۱۲۲

(سیرت المہدی ص ۱۰۰)

عالم ادوار سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے مجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے بارے
 کرشمے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالم برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی
 انتہا نہیں۔ ہر سوا اللہ رب العزت کی قدرت کے بلوے ہیں اور آخرت کی مدت لامتناہی ہے۔
 ہر طرف خالدین فیہا کی صدا میں ہیں۔ یہاں آگے گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی
 ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہو گا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں
 ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے۔

ان الذار الاخرة لہی الحيوان لو كانوا يعلمون (پا العنکبوت آیت ۱۷)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیات برزخ کی ہی تان
 تمام ہے۔ عالم برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالم آخرت میں آکر
 کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح عود کر آئی جس طرح عالم دنیا میں تھی۔ سو جن آیات اور
 روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا ٹوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں
 روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ
 نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہان میں پہلے جہان والے پچھلے کیوں جائیں۔

عالم برزخ میں ہر ایک کی پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالم آخرت میں تمام افراد انسان مختلف
 انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالم برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی
 تو پھر برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات کے گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث
 دہلوی لکھتے ہیں ..

واعلم انہ لیس عالم القبر الامن بقایا ہذا العالم وانما تترشح منالک

العلوم من وراء حجاب وانما تظہر احکام النفوس المختصہ بکل فرد

دون فرد بخلاف الحوادث الحشریة فانما تظہر علیہا وہی فانیة

من احكامها الخاصة بفرء فرد باقية باحكام الصورة الانسانية.^۱
 ترجمہ۔ اور سمجھ لیجئے کہ عالمِ قبر اس عالمِ دنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس
 میں پردہ غیب کے پیچھے سے علوم اترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں
 جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف حشر کے حالات کے۔ یہ
 وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب
 اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالمِ برزخ اور آخرت میں فرق کھل کر سامنے آگیا۔ برزخ میں روح و بدن کا
 علاقہ مخفی ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر۔ برزخ میں احکام
 فزوا فردا اترتے ہیں، آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف انواع میں منقسم ہوگی۔ یہ بات
 اصولی ہے کہ عالمِ برزخ ایک پہلو سے اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ
 عالمِ آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیاتِ برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی جس میں روح
 و بدن کھلے طور پر اور کامل طور پر یک جا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالمِ برزخ میں روح کا بدن سے
 کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلق توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شد صاحبؑ
 آگے جا کر لکھتے ہیں۔

فاعلم ان حشر الاجساد واعادة الارواح اليها ليست حياة مستأنفة انما
 تمة النشأة المتقدمة بمنزلة التخمرة لكثرة الكيف ولو
 لذلك لكانوا اخيرا واولين ولما اخذوا بما فعلوا^۲

ترجمہ جان لو کہ حشر اجساد اور جسموں میں روتوں کا (کالہ) ٹوٹنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گندی
 زندگی کا ہی ایک تتمہ ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو
 بعد کے اجسام پہلوں سے کلیتہً مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مواخذہ نہ ہو سکتا۔

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس
انسانی لکھتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموعہ کو ہی نفس انسانی کہتے
ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند
لکھتے ہیں۔

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا
ہے۔ اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک دنیا جو دارالعمل
ہے۔ ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں
جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

① دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات
قبول کرتی ہے۔

② برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے۔ جسم اس کے تابع ہو کر اس
کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ اپنی ہیبت پر ہو، یا
بکھر جائے۔

③ اور آخرت میں روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے
تأثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں
جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعم و حکیم کا
مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متاثر ہوتا ہے اور مذہبات آخرت
کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی

معلومات سے بھی حسبِ حیثیت و مرتبہ مستفیض ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اہمالِ خیر یعنی دعاءِ اہمالِ ثواب، افاغہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں حتیٰ کہ وہ اوس کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا ہے۔ پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تقوتِ دعاء اور ہمتِ باطن سے افاغہ انور و کیفیاتِ حسی کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی نہیں موقع دیتا ہے جس کے لیے نفوسِ شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق کا تعلق بہ نسبتِ آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالمِ برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہیئتِ بدن ہو یا بہیئتِ ذرات۔ لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم اور مستقر نہیں ہے۔ جہاں تک خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالمِ آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرادی جائے یا مشاہدہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کفوتوں سے متلذذ اور متاثر بھی ہو لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزیر اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لیے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے۔ بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا پُرحصہ (بدن) مقیم ہے خواہ اپنی بہیئت پر یا بصورتِ ذرات۔ خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، نیاز کرنے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ و اقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے احوال و مقامات ان تک پہنچا دوں۔ جیسے نبض قرآنی شہداءِ حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر تمہارے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف رغبت ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے نبضِ حدیث نبویؐ مرنے کے بعد روح کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ و اقارب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں جتنی کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر نہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آ رہا ہے۔

بہر حال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بنا پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے۔ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بانع حکمت نے جب ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزا کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تکمیل کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات و احوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کتے رہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل و طرق کیا ہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارسا ذہن کی رسائی پہنچی پانچ طریقے سامنے آتے جن سے براہ راست برزخی مقامات و احوال کافی الجملہ علم ہو سکتا ہے۔

- ① ایک عینی مشاہدہ۔
- ② دوسرے مخبر صادق کی خبر
- ③ تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
- ④ چوتھے انکشاف قلبی۔
- ⑤ پانچویں قیاس و استنباط

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے بحثوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات

سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی۔ دوسرا کشف باطنی۔ تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت
واعتماد۔ پانچواں عیان و مشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا
ہے اور پانچواں ہر کس و ناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا
اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیتہً
غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض مومہبت من اللہ ہے۔ ان پانچوں طریقوں سے لوگوں
نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول
برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر
ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیتی ہے کہ کسی شخص معین کا
نام لے کر اللہ و رسول اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر
ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے
کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضورؐ نے فرمایا۔ ہکذا انبعث ہم اسی طرح
گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات، برزخ پر روشنی
پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے مدخوش و خرم نظر آ رہے تھے۔
 چہرہ انتہائی بشارت اور امنگوں سے پُر محسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق و خوشی
 سے لبریز آواز میں فرمایا۔ خدا نلقی محمد او اصحابہ ذل کو انشاء اللہ ہم محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے، آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام
 ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس و تخمین
 سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر عقیدی ہے
 عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے
 گا کہ اس برزخی مقام کی حتمی ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس درجہ
 کامل و ثقیق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین عالی تھا۔ اس لیے اس
 اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاقتی مقام کہیں گے اس میں ایک
 برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ و رسول کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام
 کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد و اشخاص کا تذکرہ نہ ہو بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو
 جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار
 کے پاس سے ذکر پاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں میں برزخپندوں کے قول دینے
 جائیں گے جن میں وہ اڑاڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں
 باغوں اور نہروں سے منتفع ہونے کی آزادی ہوگی۔ لیکن جنت اس وقت ان کا
 قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جو جوش
 میں آویزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں

بیرا کریں گی۔

مزید اکرام و تشریف کے لیے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا، اس لیے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لیے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرما دیا گیا کہ:-

تَحْشُرُونَ كَمَا تَمُوتُونَ وَتَمُوتُونَ كَمَا تَحْيَوْنَ۔

”تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزار رہی ہے“

اس کلیہ میں ہر شخص کے عرش کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لیے جو موت سے شروع ہو کر یوم عرش پر ختم ہوتا ہے، دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے پس آخری مقام کے لیے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لیے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے مشابہ انسان کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے

لہٰذا وہاں سے ان ارواح کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جاسکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو، یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الہی کی نوعیت معلوم کرو۔ پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گوہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو۔ پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا۔ خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ جنت واجب ہو گئی اور علت وجوب یہ فریانی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا، لہذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت برا آدمی تھا، خس کم جہاں پاک۔ اسی طرح آخرت میں بھی سبق اقسام اس امت کی شہادت معتبر ہوگی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوح کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیات ہی ہے ایک

طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کافی اجملاً اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لیے یا اس کے مقام کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجہ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال و تفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لیے ایک ایک عمل کو شخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔

عالم برزخ کی تفصیل اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ دستوں کا اندازہ کر سکیں تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الہی حکمت کے ہزاروں پروفے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے جس میں ایک دوسرے کو جانتا پہچانتا اور ملنا ملنا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لیے اسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ باقی تینوں جہان روح و بدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ہاں مستقل طور پر دارالقرار صرف عالم آخرت ہے۔ ان الدار الاخرۃ لمی الحیوان لو كانوا یعلمون۔

اگر آپ دنیوی حیات کے نطفے سے بدکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیں۔ ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگلے جہان (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں۔ انتقالِ دارین ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افر لو نہیں، اُس جہان کے رہنے والے ہیں۔

اگر کہیں ان نفوسِ قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اُس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقا ہے اور ان کی وفات سے ان کے اعمال کا ارتقا رکا نہیں۔

سو ان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جاسکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں۔ طرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذابِ قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لیے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہونا ضروری نہیں جس طرح وہ زندگی پر دے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت و حیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوتی جو اسم موت کو کلیتہً اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی ہے کہ عام نگاہ میں تو اسے نہ پاسکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم و الم کا ادراک ہو سکے قبر میں نعیم و الم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک جدید نوع ہے جو ظاہر پردے میں ہوتی ہے اسی لیے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادی لکھتے ہیں:-

ان هذه الاعادة ليست مستلزما لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية

والحياة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فانما بعض انواع الموت لا ينافي الحياة

ہاں شہداء اور انبیاء کے لیے اس حیات برزخی میں الم سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان لیے موت صرف

اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس کے بعد ان کے لیے موت نہیں نہ انہیں مڑہا کہونہ مردہ سمجھو۔

اسلام کا عقیدہ برزخ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى لما بعد:

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر امرار کا پردہ پڑا ہے یہ عالم برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں۔ اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے بسے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بسے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک تھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس تھوٹے عذاب میں پھر دو احتمال ہیں۔ دنیا کے مصائب و آفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں۔ جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے۔ بدن جس حال میں ہو دیکھا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا ذرات منتشرہ کی صورت میں، اس عذاب ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے۔ یہ ہر کسی کے لیے مددگار اور شاہد ہے۔ آخرت کی زندگی بھی کھلی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ پردہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عزنی میں برزخ کہتے ہیں۔ یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے۔ یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان از خود اسے سن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لیے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (الملاح) لکھتے ہیں:-

فاعلموا ايها الاخوان ان عذاب القبر و نعيمه حق كما صرح به

الاحاديث الصحيحة ولكن الله تعالى ياخذ بابصار الخلائق و

اسماعہم من الجن والانس عن دویۃ عذاب القبر و نعیما الحکمة
الہیۃ ومن شک فی ذلک فهو ملحد بیلہ

ترجمہ۔ اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے۔ اور ایش
صحیحہ صراحت سے یہی بتا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے سوالوں کی آنکھوں
اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں
کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے (گمراہ
ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے
برزخی زندگی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کا ادراک و احساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا
ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطی (۱۱۱ ص) لکھتے ہیں :-
و نحن لا نشعر بہ کما انا نحسب المعنی علیہ میتا و كذلك یضیق علیہ
الجو کضمۃ القبر ولا ینکر مشیاء من ذلک من خالط الایمان
قلبہ ۛ

ترجمہ۔ اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں
اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پر لٹکا ہو)
اور یہ اس کے لیے ضمۃ القبر (قبر کا دباؤ) ہے۔
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں :-

روح کا تعلق باوجود علیین و سحیین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور
ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار
دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ

پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔

دُنیا اور آخرت کے درمیان یہ بے زخمی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پر دُکے کے پیچھے ہیں۔ دُنوی زندگی، بے زخمی زندگی اور اُخروی زندگی، یہ تین دوائے حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں بے زخمی میں یہ ربط اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم نصوصِ شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے

① پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دُنوی زندگی کو شامل ہے)۔

② وفات کے دن (یہ سلامتی پوری بے زخمی زندگی کو شامل ہے)۔

③ جس دن آپ قبر سے زندہ اُٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اُخروی زندگی کو محیط ہوگی)۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے:-

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ مَاتَ وَيَوْمَ يُرْجَعُ حَيًّا

(پ ۲۱، سورہ مریم آیت ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لیے نہیں، پوری دُنوی زندگی کے لیے ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی بے زخمی زندگی کے لیے مانگی گئی۔ وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لیے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پر دے میں ہے۔ ہاں کھلی زندگی سے آپ اس وقت اُٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اُٹھنا ہے۔ ان تینوں زندگیوں میں بدن و روح و بدن دونوں کے لیے سلامتی کی طلب ہے۔

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے۔

والتسلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیاً۔

(پا ۱۲، مریم آیت ۲۳)

ترجمہ سلامتی محمد پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب
میں مرے اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں تین مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایامِ ثلاثہ ہیں یا مراد مواطنِ ثلاثہ ہیں

یہاں صرف یرم پیدائش، یرم وفات اور یرم بعث مراد نہیں، مراد مواطنِ ثلاثہ ہیں اور
انسان ان تینوں میں اللہ رب العزت سے سلامتی کا طالب ہے محققین نے یہاں مواطنِ ثلاثہ
ہی مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المریر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر
پر لکھتے ہیں۔

فخص الله تعالى يحيى بالكرامة والسلامة في المواطن الثلاثة.

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت
بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۵۳۷ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطنِ ثلاثہ مراد ہیں۔

وذلك السلام الموجه الى يحيى في المواطن الثلاثة.

تیسے اب ذرا آپ کے ساتویں صدی میں لے چلیں۔

علامہ قرطبی (۶۱۱ھ) یوم ولادت سے پوری دنیا کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری
 دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار ہے۔ ویوم اموت سے پوری قبر کی مدت مراد ہے
 اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور یوم البعث حیات سے بھی آخرت کی پوری
 زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی ابتداء یوم ولادت و وفات اور یوم بعثت اس لیے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان
 بہت کمزور، عجیب پس اور نہایت مضحک ہوتا ہے۔ پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔
 علامہ قرطبی لکھتے ہیں

وجاء في المواطن التي الانسان فيه في غاية الضعف والحاجة
 پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

يوم ولدت يعني في الدنيا ويوم اموت يعني في القبر ويوم البعث يعني
 في الآخرة۔

اور حاصل اس دعا کا لکھتے ہیں۔
 فسئل في احواله كلها

کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے
 امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایامِ ثلاثہ مراد نہیں لیتے۔ ان
 مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یوم اموت سے کل بزرخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن۔
 آپ لکھتے ہیں۔

اعظم احوال الانسان احتیاجاً الى السلامة هي هذه الاحوال الثلاثة... فجميع
 الاحوال يحتاج فيها الى السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالى طلبها
 لیكون مصوناً عن الأفات والمخافات في كل من الاحوال

ترجمہ۔ انسان کے سب سے زیادہ ماحتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں.....
 سو تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب
 ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات
 سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یوم اموت کو صرف یوم وفات سے خاص نہیں کرتے
 اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور والسلام علی (مجھ پر سلامتی ہو) سے ایک
 نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی
 تھی۔۔۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت
 میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل ہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمیة للذلالة علی الاستمرار

صاحب روح المعانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

فعدل الی الاسمیة لارادة الدوام والثبوت۔

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلام کی
 طلب عذاب قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے
 کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض
 جماد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی
 بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں اپنی قبر میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جماد بے جان ہوتا تو اس دور کے لیے اللہ سے سلامتی
 کی طلب نہ ہوتی۔

قبر میں سلام سے مراد مذاب قبر سے سلامتی ہے یا سلام تحیۃ بھی مراد ہو سکتا ہے

علامہ طبری (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوال قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس سلام سے مراد سلام تحیۃ ہے۔ ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلام تحیۃ کہتے ہیں۔ اذاجیتہم بتحیۃ فحیوا باحسن منہما (پانچواں آیت) میں السلام علیکم کہنے کو سلام تحیۃ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلام تحیۃ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت سحیٰ علیہ السلام کے لیے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے موطن وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلام تحیۃ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبور میں محض عباد یا پتھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلام تحیۃ برابر آتا ہو اور امت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (۵۷۰ھ) کہتے ہیں :-

والاظهر عندی انہما التحیۃ المتعارفہ فی اشرف وانبیاء من
الامان لان الامان یتحصل بنفی العصیان عنہ وہی اقل درجاتہ
وانما الشرف فی ان سلم اللہ تعالیٰ علیہ۔

ترجمہ میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلام تحیۃ مراد ہے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ہی اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر اپنا سلام (تحیۃ) بھیجے۔

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری اُخروی زندگی خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اور ان پر بے شک یہ سلام سنجیدہ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جہاد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں یہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں کسی اور درجے کا نام ہے جس پر یہ اکرام و شرف اُترتا ہے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو گا۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

كَيْفَ نَعْرِضُ صَلَواتِنا عَلَيْكَ وَقَدِ ارْتَمَيْتُ

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله حترم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ بزرخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے ہیں۔ یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پڑے میں ہوتی ہے اس لیے اسے بزرخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر بزرخی چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لیے اسے ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں۔

② قیامت سے پہلے آل فرعون کا عذاب

آل فرعون کی غرقابی ایک بڑی طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذابِ قبر ہے۔ آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

وحاق بال فرعون سوء العذاب ہ النار یرضون علیہا غدقاً و عشیّاً
و یوم تقوم الساعة ادخلوا بال فرعون اشد العذاب۔

(پ ۲۴: المؤمن آیت ۴۶)

ترجمہ۔ اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بڑی طرح کا عذاب۔ وہ آگ ہے جس پر وہ پیش کئے جاتے ہیں صبح و شام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون والوں کو سخت در سخت عذاب میں۔

فرعونوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی۔ اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ ڈوبے تو یہ دوسری زندگی شروع ہو گئی۔ یہ سور العذاب ان پر اترا۔ اس میں صبح و شام وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس بڑے عذاب میں ڈالو۔ یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی۔ بڑے عذاب میں داخل قیامت کو ہے۔ اس آیت میں سور العذاب اور اشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷/۴۷۴ھ) لکھتے ہیں:-

وهذه الآية اصل کبیر فی استدلال اهل السنة علی عذاب البرزخ فی القبور۔

ترجمہ۔ اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بڑی اساس ہے کہ قبروں میں عذاب برزخ ضرور ہے۔

③ دُنوی پکڑ کے متصل عذابِ اخروی

قومِ نوح اپنی غرقابی سے اپنی بزخنی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ آگ میں داخلہ غرق ہونے کے معا بعد ہوا۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کیئے جائیں گے یہ اُن کا اشد العذاب میں داخلہ ہوگا۔

مما خطبتہما غدقوا فادخلوا ناراً۔ (پ ۱۹، نوح آیت ۲۵)
ترجمہ۔ وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔
بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت بزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔

④ انسانی زندگی کے تین دور

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اخریٰ۔

(پ ۱۱۶، طہ آیت ۵۵)

ترجمہ۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

فیہا نعیدکم سے مراد قبر میں جانا ہے۔ قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو یا جہاں جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جلے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں باریک باہمی رابطہ ہی اس کی قبر ہے جس پر احوالِ قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبورِ ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قبریں جن میں ہم ظاہرہ دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اتار دیا تو یہی سمجھو کہ یہی فیہا نعیدکم
کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :-

برزخ کے احکام روح پر جلدی ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے

جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم

وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی بلکہ

قبر میں لوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہتا ہے یا وہاں کے کچھ اپنے معاملات

بھی ہیں جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے؟ حضرت بار بن عازبؓ فرماتے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فتعاد روحہ فی حیاتہ فیاتیہ مملکان فیجلسانہ فیقولان لہ

من ربک بلہ

ترجمہ۔ پس اس کی روح اس کے بدن میں لوٹانی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے

آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس کو پوچھتے ہیں (تیرے عقیدے میں) تیرا رب کون ہے؟

علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث

احادیث کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمائیں :-

روی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ۔ امام احمد اور امام ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براءؓ

سے روایت کیا ہے۔

منلع منظر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبدالعزیز قرطبیؒ لکھتے ہیں :-

ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السؤال۔

۱۔ الصحاح العقلیہ ص ۲۲۶ ۲۔ مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸

۳۔ مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۲ ۴۔ نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲

ترجمہ: احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا مسیت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے، روح تو کو روٹیں نہیں لیتی، سو یہ قبر میں ہونے والے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں، مردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لیے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مددک اور مشاہدہ نہ ہو۔

حافظ ابن منذر نے کتاب الروح والنفس میں حدیث براء نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں روح کے لوٹانے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے۔

منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخری۔

(پ ۱۲، طہ: آیت ۵۵)

حضور کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹانے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

فیہا نعیدکم کہہ میں قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا، یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لیے ٹھہرنا ہے۔

⑤ سوالاتِ آخری میں ثابت قدمی کی بشارت

یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا و فی الآخرہ و یضل

اللہ الظالمین و یفعل اللہ ما یشاء۔ (پ ۱۳، ابراہیم آیت ۲۶)

ترجمہ۔ اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو۔ قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور سچلا (راہِ ٹھلا) دیتا ہے بے اِضافوں کو اور کہتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دُنیا اور آخرت کے درمیان بزرخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دُنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دُنیا سے نکل چکا۔ لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے۔ اور اس بزرخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں ٹھہرائی جائیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذابِ قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اُٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحتِ حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے۔ حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے۔

ان القبر اول منازل الاخرة۔

ترجمہ۔ بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-

سلف سے دونوں قسم کے اقوال رکہ بزرخ کو ادھر شمار کر دیا ادھر منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دُنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دُنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو۔ محشر کا ہولناک منظر ہو۔ شُرکاء دینے والا ہو۔ ہر موقع پر یہی کلمہ تو حمید اُن کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں بزرخ ہے۔ حضرت بلال بن عازب

لے متدرک حاکم جلد ۱ ص ۲۴۱ و احوال البزرخ اشبه باحوال الآخرة فتح الباری ۳ ص ۲۱۹ یہ تفسیر عثمانی ص ۳۲۵

فرماتے ہیں۔ ان رسول اللہ قال المسلم اذا سئل في القبر يشهد ان لا اله الا الله... الخ
 تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی
 حدیثیں منقول ہیں۔۔۔۔۔ ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورہ میں
 آخرت سے مراد قبر لی ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق
 قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے
 سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا
 عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارتاً اور رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور
 ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش
 نہیں تو پھر معتقوں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتوے کیوں نہیں دیا؟ — جواب یہ
 ہے کہ علمائے محققین کا فتوے یہی ہے، محقق ابوشکر السالمی کتاب التہدید میں لکھتے ہیں:-

فلما عذاب القبر للمؤمنين من المجازات وللکافرين من الواجبات
 والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدواً وعشياً یعنی فرعون و
 قومہ دل انہ کان صحیحاً فی احد موضع و علی اتی حال و من
 انکر هذا یصیر کافراً۔

ترجمہ پس جب مؤمنین کے لیے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لیے واجب ہے اور اللہ تعالیٰ
 نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں تو اس کے
 معلوم ہوا کہ عذاب قبر بحق ہے کہاں ہوا اور کس حال میں ہوا اور جو اسکا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

ما قلا ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ ص) جو بقول علامہ شامی "مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے
تھے، لکھتے ہیں :-

ولا تجوز الصلوة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام
الکاتبین لانه کافر لتوارد هذه الامور عن الشارع صلى الله عليه وسلم
ترجمہ جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا
منکر ہو یا کرام کاتبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ عام سے منقول ہیں

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تو اتر کا حکم رکھتی ہے۔
عذاب القبور کان ثابتاً بالاحادیث المشہورۃ التي يبلغ الحد المشترك
منها مبلغ التواتر وكان السلف الصالح متفقین علی ذلك قبل ظهور
المخالفین

ترجمہ عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تو اتر کو
پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے
آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال و جواب کے لیے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی
نہیں دیکھا نہایت بے تکلیبات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردات کو
دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔
مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں :-

وہ عامیانه شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا آسانی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے۔ جب خالق کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر تحجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجماد کی بجائے حشر روحانی اور عذاب و ثواب جسمانی و روحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم بزرخ اور اس کی کیفیات کا انکار کرے تو و یضلل اللہ الظالمین کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے۔ اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا

ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الہون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی میں آگبرے۔

⑥ مرنے کے نہا تمہری عذاب الہون کا سامنا

ولو ترمی اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکة باسطوا ایدہم
اخرجوا انفسکم الیوم عذاب الہون بماکنتم تقولون علی اللہ
غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون ۵ ولقد جئتمونا فرادیٰ
کما خلقناکم اول مرة۔ (پ الانعام ص ۱۱)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس مال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں
میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوتے ہوں گے کہ نکالو
اپنی جانیں۔ تمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ
پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تمہارا اس کی آیات کو جھٹلانا ازراہ تکبر تھا اور
اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (ایک
ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری بذخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی۔
حشر کے ساتھ ہوگی۔ وہاں اگے پھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس پہلے
کی حاضری ہے۔ اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گھیرے میں لے لے
گا۔ یہ عذاب بذخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات بذخ کے انکار کے لیے بے محل
آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تقولون علی اللہ غیر الحق کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا
ان کی یہ منہ اذراہ تکبر نہیں ہے۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس بزنخی منزل کے انکار پر یہ آیت پڑھتے خود سنا۔
 ثم انشأنا له خلقاً اخر فبارك الله احسن الخالقين ؕ ثم انكم بعد
 ذلك لم يتوبن ؕ ثم انكم يوم القيمة تبعثون ؕ

(پ ۱۸: المؤمنون ع ۱)

ترجمہ۔ پھر ہم نے اُسے اٹھا کر اکیا ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت
 اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر تم اس کے بعد مرد گے
 پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیر طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے
 کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی
 کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی۔ كنتم تقولون على الله غير الحق۔ تم اللہ رب
 العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں۔ قرآن کریم میں جب مرتے
 ہی عذاب الہوں کی ایک زندگی کی خبر ہے۔ تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی
 کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے۔ ثم انكم يوم القيمة تبعثون میں
 اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارا حشر ہو گا۔ ظاہر
 ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی بزنخی حیات کا انکار
 ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لیے
 ہی بار بار پڑھ رہے تھے جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا۔
 مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

وہل افسد الذہن الا الملوك

واخبار سوء و رہبانہما

⑤ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

ولو تدبى اذيتو في الذين كفروا الملائكة يضربون وجوههم
وادبارهم وذوقوا عذاب الحريق • ذلك بما قدمت ايديكم
ان الله ليس بظلام للعبيد • (پٹ الانفال ع)

ترجمہ۔ اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو
مارتے ہیں ان کے منہ پر (تھپڑ) اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے
ہیں عجب عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے
اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :-

یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھتا.....
الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے
تعلق یہ ہو گا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی۔ برزخ میں یہ ہو گا اور آخرت
کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

کیا یہاں کھلے طور پر ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں۔

۱۔ دنیا ۲۔ برزخ ۳۔ آخرت

یہ آیت بتلاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہو

گئی اور عذاب اترنے لگا قبر میں جاتے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر۔ سو یہ روحانی عذاب

کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے بضر بومن وجوهہم وادباں ہمہ اور ہم کہیں یہ صرف روحانی عذاب ہے جسمانی نہیں۔ کیا قرآن کریم کی بات ٹھٹھائی جاسکتی ہے؟ نہیں۔۔۔۔۔
ومن اصدق من اللہ قیلاً

برزخ کا جسمانی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سن نہ سکیں۔ یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے، مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو ان پر تعجب نہ کرنا چاہیئے انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کا لطف لیں اور یہی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے۔۔۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

(پ: آیت اول)

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں رہتا رہتا ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لاتے ہیں بن دیکھے۔

⑧ قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

حتى اذا جاء احدہم الموت قال رب ارجعون • لعنۃ اعمل صالحاً
فما ترکک کلاًء انہما کلمۃ ہو قائلہما ومن ورائہم برزخ الخ
یوم یبعثون ۵ (پ: ۱۸: المؤمنون، آیت ۱۰۰ع ۶)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی پر موت تو کہے گا اے رب! مجھے واپس بھیج دو، شاید میں کچھ مجھے کام کر لوں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہو گا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے چھپے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-

عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پر وہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں مذاہبِ آخرت کا ٹھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزاحیہات تک پڑا چکھتا رہے گا۔

دنیا۔۔۔ برزخ۔۔۔ آخرت۔۔۔ یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات احساسات اور لوازمات میں فرق ہو سکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس بعین سے چارہ نہیں کہ اعضاء قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتا ہے۔ کماشیر الیہ قولہ تعالیٰ حاکمًا عن لسان عیسیٰ ابن مریم والسلام علیٰ یوم ولدت و یوم اموت و یوم البعث حیاً۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں :-

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دارِ قرار۔ اور ہر مقام کے لیے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کو تابع کیا۔ اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا۔

۲۔ اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالمِ قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری

۴۵۲

جسموں کو روح سے لا تعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا۔ یہ ہے مولانا تھانویؒ کا عقیدہ۔

ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحبِ روح کے جسم پر بھی
سراپت کرے گا۔

۳۔ روح کا تعلق بدن سے گویا عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر
یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور بُدائی نہیں ہوتی بلکہ

۴۔ پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے اس حشمت سے لینا
چاہیے جس کو کسی قدر کشتی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تو وہ خاک سے ارواح
کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اهل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے
جو آدمی ان توڑے سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات
کو دیکھ سکتا ہے۔

۵۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا
ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے
وہاں استقرار ہو یا سیر اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں
بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس
گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے
والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت
میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالغزیندہلویؒ لکھتے ہیں۔

ان ارواح کو ایک ملاقات اپنی قبر سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔ روح کو قرب و بعد مکانی
اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا۔

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔

یہاں فشر یہ بتانا ہے کہ جیسا انسانی صفت عالم ارواح میں بدن کے متعلق نہیں، دنیا، برزخ اور آخرت تینوں جہانوں میں یہ بدن کے متعلق ہے، ارشاد قرآنی والسلام علیہ یوم ولد یوم یموت و یوم یموت جیسا آپ کے سامنے ہے۔ ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے؟ بدن سے۔ ولادت بھی بدن سے، موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت، موت اور بعثت کے بعد کی زندگیوں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان جس بدن سے عبادت یا معصیت کی ہے، عالم برزخ اور عالم آخرت کی راحت اور کلفت اسی بدن کے تعلق سے ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی جہان میں بدن کے احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک ہی ہو جائے بلکہ

عذاب برزخ اور عذاب آخرت

یہاں ہم عالم برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآن کریم کی آٹھ آیات ہم نے عالم برزخ ثابت کہا ہے یہ ایک جہان ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام اس میں اور عالم آخرت میں قدر مشترک وہ نعم و عذاب جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتیجے میں ملے گا۔ یہ پہلا عذاب، عذاب اولیٰ ہے تو دوسرا عذاب اکبر یہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

آخرت کے نعم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس تعلق انسان گناہ گزارا اور فطرت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا۔ آخرت کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے، اپنی ریزہ ریزہ ہوتے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذاب برزخ اور نعم برزخ بھی جب اپنی دنیا میں کئے گئے اعمال کی ایک چھوٹے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدن سے متعلق ہو جس انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا تھا جس اصول کی بنا پر آخرت میں یہ عسری بدن مہر و لطف و بطش ہوگا۔ اسی اصول پر عالم برزخ میں عذاب قبر اس بدن کے متعلق چاہے جس انسان نے گناہ کئے ہیں۔

قرآن کریم سے عالم برزخ کا نشان اور عذاب قبر کا پر ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں آئیے آپ کو ہوا و شہ سے بھی اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

عذابِ قبرِ محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشاداتِ نبوت ہیں پھر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیاتِ برزخ کی خبر دی گئی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلکِ محدثین کی وضاحت کر دی جائے۔ تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکامِ میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی وقتِ نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں۔ آپ نے معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ اور شیعہ و خوارج کے بالمقابل عقائدِ اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپ اس میں یہ باب لائے ہیں۔

فی المسئلة فی القبر و عذاب القبر۔

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تو لے جائیں گے، پھر وہاں کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے باہم اختلافی مسائل تھے۔ معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذابِ قبر کے۔ امام ابو داؤد نے عذابِ قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے۔ اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلم (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صنفۃ المناقین و احکامہم اور کتاب الحجۃ و صنفۃ نعیما کے تحت اثباتِ عذابِ القبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گریہاں و دہبے باب

باندھے ہیں لیکن آخری باب الامر بحسن الظن بالله تعالٰی عند الموت اور باب
 لن يدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری
 بحث ایک ہے اور کتاب صفة المنافقین کے تحت ہے اور وہی عالم برزخ میں میت کو
 (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں صحیح مسلم کا باب
 عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه واشبات عذاب القبر والتعود منه بتار ہے
 کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے۔ اسے محض ایک انکشاف
 یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثاب عذاب القبر سے معتزلہ پر محبت تمام کی ہے۔ اس کے
 بعد صحیح مسلم میں کتاب القبر ہے ۱۷

حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے
 باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعود من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپ نے اسی
 میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتوں سے پناہ مانگی ہے
 امام نسائی (۴۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے
 الاستعاذہ من عذاب القبر کا باب ہے پھر باب الاستعاذہ من عذاب جہنم۔ یہ
 ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے یہی عذاب برزخ ہے،
 اور یہی عذاب قبر

امام ترمذی (۲۶۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہ سے مروی بتاتے ہیں۔ یہ نو کی
 نو مرفوع ہیں اور حضور سے مروی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

وفي الباب عن علي وزيد بن ثابت وابن عباس والبراء بن عازب
 وابي ايوب والنس وجابر وعائشة وابي سعيد كلهم روى عن
 النبي صلى الله عليه وسلم في عذاب القبر ۱۷

ان صحف کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صالح سنیہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو سہ عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں۔

① — الکبائر وعلات بالنعاق

② — الوسوسہ

③ — الایمان بالقدر

④ — اثبات عذاب القبر

⑤ — الاستقام بالکتاب والسنة

آپ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لاکر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے، عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے محدثین کی یہ تندیہ معتزلہ کے بدعی عقائد سے بچنے کے لیے ہے۔

محدثین کا مسک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات بدعت صحابہؓ سے مروی ہو اس کے ثواب میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دشمنوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثین کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آئیے حدیث کی روشنی

میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جاننے کی کوشش کریں کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب و عذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟ — اس کے بعد ان شمارہ اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے سچھے چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

① — حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انہما لیعدبان وما یعدبان
فی کبیر اما احدہما نکان لا یستقر من البول واما الآخر فکان
یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریۃ رطبۃ فشقہا نصفین فغرر فی کل
قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت هذا قال لعلہ ینخف عنہما
مالم ینبیا لہ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے سچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کے دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں ان سے عذاب ٹہکا رہے۔

اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں :-

① — یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں۔ حدیث کی اول درجے کی کتابوں میں ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب

ہوتے پایا۔ جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں

سے بالکل لا تعلق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔

② — پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی اپنی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں مقامِ نجین پر رکھ رہے تھے؟ — یہ اسی نشانِ قبر کی بات ہے۔

③ — یہ عذاب تو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذابِ آخرت کہتے ہیں یہ عالمِ برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذابِ قبر کہتے ہیں۔ یہ عذابِ اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

④ — حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں :-

بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبني النجار على بغلة له ونحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه واذا اقتربتة او خمسة او اربعة ... فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر فقال رجل انا قال متى مات هؤلاء قال ماتوا في الاشراك فقال ان هذه الامة تتلى في قبورها فلولا ان لا تدفنوا موتاكم لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب العذاب الذي اسمع منه.

ترجمہ: حضورؐ ایک خچر پر سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے کہ خچر یکا یک بدکا قریب تھا کہ وہ حضورؐ کو اتار ڈالتا۔ وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا، کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔ آپ نے پوچھا، یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دورِ شرک کے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاہ میں گھرے ہیں۔ یہ ڈرنے ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو

میں خد سے دعا کرتا کہ وہ یہ عذابِ قبر تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔“

اس حدیث میں بھی یہ امور پیش نظر رہیں :-

① — یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اول درجے کی دو کتابوں

میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔

② — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں اس عذابِ قبر کی آوازیں سنیں جہاں

یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالم برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جاسکتا۔ یہی قبر

مومن کے لیے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں۔ لیکن اس عدم ادراک

سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں۔ ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہتے ہیں اس کا

دوسرا کنارہ عالم غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اس کے بغیر ان

احادیث صحیحہ صحیحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ الکریم۔

③ — اللہ کے سنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سنا یا جانا ممکن تھا

حضورؐ دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سن پاتے۔ حضورؐ کا انہیں سننا بھی اللہ کے ہی

سنانے سے تھا۔ منوں مٹی کے نیچے سے آوازیں سنی جائیں یہ اسماع الہی سے ہے۔ بندہ

اسباب سے اتنے دور سے نہیں سن پاتا۔

④ — حضورؐ اس دنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں

باسماع الہی سن سکتے ہیں۔ تو جب حضورؐ خود عالم برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں

کی سلام معروض کو باسماع الہی کیوں نہیں سن سکتے۔ اس میں کوئی عاقلی یا شرعی استبعاد ہے

جو اس کا انکار کیا جائے۔

⑤ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے جہان کی آوازیں تو سن لیں لیکن یہ لوگوں

سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لیے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق

رکھتی ہے اور دوسری علم سے۔ غیب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود اسے

جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں۔ نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔
 (۶) — اس خچر کا اس عذابِ قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمتِ الہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لیے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے سو اس قسم کے جاہلی استدلال کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت پر واز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں۔ یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں۔ نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۳) — حضرت بلال بن عازبؓ فرماتے ہیں :-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل في القبر
 يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله يثبت
 الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة .

ترجمہ۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)۔

(۴) — حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا وضع في قبره
 وتولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اناه ملكان فيقعدانه
 فيقولان واما المنافق والكافر فيقال له لا دريت ولا
 تليت ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها

من يليه غير الثقلين . متفق عليه .^ل

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے جھوٹوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں۔ اور وہ چنچیتا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے۔

① — یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔

② — فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے سچتین میں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔

③ — وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں۔ نہ یہاں کے تو اس سے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آرہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔

④ — کافر اور منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں

یسعہا من یلیہ — سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جائیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

حضرت عبدالشہین عمرؓ فرماتے ہیں۔

⑤

قال قال رسول الله ان احدكم اذا مات عوض عليه مقعداه بالقدادة
والعشوان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار
فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله اليه يوم القيمة

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی مر جائے تو
اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جاتا ہے) صبح و شام دکھایا
جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر
وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا
ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے جائے

قیامت تک کا یہ منظر عالم برزخ کا منظر ہے۔ اس میں بدن مدفون صبح و شام اپنا
آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی
آنکھیں اسے ملتین اور ستھین سے دیکھ رہی ہیں۔ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان
ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہی سے جلتے گی۔ کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جاتا
رہا ہے۔ هذا مقعدك فافهم۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

⑥

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتبر الميت اتاه
ملكان اسودان اندقان يقال لاحدهما المنكر والاخر النكير فيقولان
..... وان كان منافعا..... فيقال للارض التي عليه فتلتئم
عليه فتختلف اصلاعه فلا يزال فيهما معذباً حتى يبعثه الله من
مضجعه ذلك رواه الترمذي

ترجمہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ ننگ
 نیلی ہاتھکڑیاں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں
 اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر تو سمٹ آ۔ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں
 تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا
 رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس قبر سے اٹھا دے۔

② — حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی۔

استعیدوا باللہ من خمس۔ ۱۔ من عذاب جہنم۔ ۲۔ وعذاب القبر۔ ۳۔

وفتنۃ المعیام۔ ۴۔ والمعات۔ ۵۔ وقتنۃ المسیح الدجالؑ

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے پناہ مانگو۔ ۱۔ عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا)۔ ۲۔

عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)۔ ۳۔ زندگی کے فتنے سے۔ ۴۔ موت کے فتنے

سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور۔ ۵۔ مسیح دجال کے فتنے سے۔

③ — آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپ نے کہا۔

ان الیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ۔ الحدیث

ترجمہ۔ میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح

کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال

میں رہا۔ وہ کہتا ہے فی الاسلام۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جاتا

ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا ہے کہ آپ ہمارے پاس روشن معجزات کے

ساتھ آئے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی دے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

④ — حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا۔

اذا ادخل الميت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس ميمع
عينيه ويقول دعوني اصرى رواه ابن ماجه

ترجمہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر
لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

کاش! کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بتانے کی بجائے اس فرمودہ رسالت پر غور کرتے۔

⑧ — حضرت جابرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ
پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کر دی گئی۔ حضورؐ دیر تک تسبیح پڑھتے
رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہی۔ ہم نے بھی آپ کے
ساتھ تکبیر کہی۔ پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتى قرجه الله عنده

ترجمہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے
اس سے کشائش بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور
یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو
معاف فرما دیتے ہیں۔

حضورؐ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرف عام میں گڑھا کہتے
ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہو رہا تھا۔ جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں۔
⑨ — حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں۔

قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيباً فذكر فتنة القبر التي
يفتن فيها المرء فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجة رواه البخاري

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیہ پر کھڑے ہوئے اور اپنے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں

آدمی مبتلا کیا جائے گا۔ آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اسکی گھبرائے) بیخ اٹھے۔

کیا حضور اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہ اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے۔

سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں

آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا

اس نے بتایا کہ آپ نے کہا :-

قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجالؑ

ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ

گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب العقود من عذاب القبر باب باندھا ہے۔ مہ خالد

کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضورؐ سے روایت کیا ہو۔

لو اسمع احدًا سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرہا۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے

(عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

① — ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی

عورتیں آئیں اور مجھے بتایا۔ اهل القبور یذبون فی قبورہم کہ فوت شدگان کو ان کی

قبروں میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہودی کی تصدیق

کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے حضورؐ سے سدا

واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان دونوں نے سچ کہا ہے :-

انہر یعدیون عذاباً تسمعه البہائم کما

ترجمہ۔ وہ ایسا عذاب پارہے ہیں جسے سب چوپائے سُن رہے ہیں۔ صرف انسانوں اور جنوں سے وہ عذاب پروے میں رکھا گیا ہے

ام المؤمنین کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں اس دُعا کو نہیں پھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعدو ذبک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر۔ کیا یہ صحیحین میں عذاب سُننے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں ان تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بہت چلا رکھی ہے اور اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) اہل چوپائے ان عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سُننے۔ ان کے مثالی ابدان مقام صحیحین پر لے جاتے ہیں۔ وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سُننے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔ نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سُننے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سُنی تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام صحیحین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو عانت بہت اونچی ہے۔ آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام صحیحین کی آوازیں سُن رہے تھے۔ آوازیں وہاں سے آرہی تھیں۔ مگر آپ کو اس طرح محسوس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے سُن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تھا۔ یہ کن کی قبریں ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہاں گڑھوں کا قبر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روشنیوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرتِ ہدٰی کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آئیے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ عذابِ قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے۔ مگر اس میں وہ لائقِ ہنگامے سو رہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

تذلیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آئیے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ ۷۰) جو حدیثِ احوالِ بنی خنیس کے ماہر بھی ہیں کی زیارت بھی کی تھی۔ آپ کے درس و تلمذ میں کا دور دوسری صدی کا نصف اول ہے۔ آپ نے کوفہ و بصرہ کے جبر و قدر کے معرکے اور احوالِ ذاریہ کے فتنوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے عقائدِ سنت کے تحفظ کے لیے اور عقائدِ بدعت کی اجتناب کے لیے عقائدِ اسلام پر ایک

چھوٹا سا رسالہ لکھا۔ عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا۔ جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا لیل ذکر کرتے ہیں۔

واعادة الروح الى العبد في قبره حق

ترجمہ۔ اور روح کا بندہ کی طرف لوٹایا جانا برحق ہے

تیسری صدی عیسیٰ جلیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں۔

الایمان بالمحوض والشقاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر و

الایمان بملك الموت بقبض الاواح شعرت في الاجساد في القبور

فیسألون عن الایمان والتوحید

ترجمہ۔ حوض کوثر، شقاعت، قبر میں منکر و نکیر کا آنا، عذاب قبر اس بات پر ایمان

لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں

لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھا لیا جاتا ہے

(یہ سب امور برحق ہیں)۔

پھر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) اور امام ترمذیؒ

(۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آئیے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں

دیکھیں۔ حافظ ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں۔

ذکر قبض روح المؤمن فتعاد روحه في جسده ویاتیه الملك فیجلسا

فی قبره فیقولان من ربك

ترجمہ۔ یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی

ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابو جعفر الطحاویؒ (۲۲۱ھ) جنہیں فقہا کرام اعلیٰ بمذہب ابی حنیفہ و صاحبیہ لکھتے ہیں رقمطراز ہیں:-

فمن بعد اب القبر و نعمہ و سوال منکر و منکر للمیت فی قبرہ عن ربہ و دینہ و نبیہ علی ما جاءت بہ الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عن اصحابہ اجمعین و القبر و روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النيران.

ترجمہ ہم عذاب قبر اور نعیم قبر پر ایمان لاتے ہیں... منکر و منکر کا قبر میں تین سوال پوچھنا ایسا کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب صحابہ سے منقول ہے برحق ہے اور قبر جنیت باغوں میں سے ایک باغ ہے یا بہنیم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنة نہیں کہا گیا۔ وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے روضہ منورہ کو بھی روضۃ من ریاض الجنة نہیں مانتے ہوں گے۔

عاقدا ابو بکر الجصاص الرازیؒ (۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

واذا جازان یكون المومن قد احوافی قبورهم قبل يوم القيمة
وهم منعمون جازان یحیی الکفار فی قبورهم فی عذابہ

ترجمہ اور جب یہ جائز ہے کہ مومن کو قیامت کے پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعیم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں کے تعلق سے سمجھنا کیا طاہر شریعت کا انکار نہیں؟

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) امام ابو المنظر الاسفرائینی (۴۷۱ھ) امام
ابوالقاسم عبدالکریم القشیریؒ (۴۶۴ھ) حاکم ابن حاکم دمشقی (۵۱۷ھ) اور امام غزالیؒ (۵۰۵ھ)
نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے
ابو المنظر طاہر بن محمد اسفرائینی لکھتے ہیں:-

اخبرنا محمد بن یحییٰ بن فی القیور وقد ورد فی معنی احياء الموتی فی القبور ما
لا یجوز من الای والاختیار والما تارثه

ترجمہ۔ آپ نے خبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں
مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں
کہ گئے نہیں جاسکتے۔

وفیه احادیث کثیرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا الباب
ان الملکین یجئان فی العبد الی المیت ویحیی اللہ المیت فیسالان
عما ذکرنا وقد انکرت المعتزلة وعلامة المبتدعة هذا

ترجمہ۔ اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں
میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور
دو فرشتے اس سے صحیح باتیں پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں معتزلہ اور بدعتی لوگ
قبر کے اس سوال و جواب کے منکر ہیں۔

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:-

واما عذاب القبر فتدلت علیہ قواطع الشرع اذ توامر عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وعن الصحابة رضی اللہ عنہم بالاستعاذۃ
منہ فی الادعیۃ واشتہر عند المروزی بتبرین انہما یعد بان و

دل علیہ قولہ تعالیٰ وحق بائ فرعون سوء العذاب۔ اللذیرضون
 علیہا فندوا وعتیا و هو معن فیجب الصدیق بہ و وجہ امکانہ
 ظاہر و انما تنکول العتلة۔

ترجمہ۔ اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور اس شخصیت صلی اللہ
 علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو اتر سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی نمازوں
 میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے خبر مشہور کے درجہ میں ہے
 کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس
 بزدخی عذاب پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کرتی ہے۔ "اور گھیر لیا آل فرعون کو مجھے عذاب نے
 آگ جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ سو ضروری ہے کہ اس
 کی تصدیق کی جائے اور اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے مقررہ کے اس کا انکار کوئی
 نہیں کرتا۔

پھر یہ بھی لکھتے ہیں۔

ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان توخر
 الی یوم البعث۔

ترجمہ۔ اور بعید نہیں کہ قبر میں مدح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے
 ششہک مؤخر رکھا جائے (یعنی اس دوران مدح کا بدن سے صرف تعلق ہو)۔

نوٹ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس باب میں امام غزالی سے متسک کیا ہے
 اور ان کی تائید کی ہے۔

اب ذرا تھنی مدی میں چلیے۔

علامہ بڑھان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قولہ العامۃؑ

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں جمہور اہل سنت کے قول

کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن احمد (۵۶۱ھ)

ان عذاب القبر و نعمہ حق کما صرح بہ الاحادیث الصحیحۃ و

لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و اسماعہم من الجن والانس

عن روایۃ عذاب القبر و نعمہؑ

ترجمہ۔ عذاب قبر اور نعم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی

تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے

کانوں کو عذاب قبر اور نعم قبر سے روکے رکھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ

نہیں پاتے۔

علامہ قرطبی کی دوسری عبارت۔

وقد اجمع اهل الکشف ان المیت یحس بظغظۃ القبر و یحس

باختلاف اضلاعہ ولو کان فی بطون السباع والطيور او کان

قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالامر ولو كانت

متفرقةؑ

ترجمہ سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور سلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو اس میت کا ایک ایک ذرہ اس الم (عذاب قبر) کو محسوس کرتا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ بیٹی ہو۔

امام نووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں بزنی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں :-

ثم المعبذب عند اهل السنة المجد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او المجرم منه وخالف فيه محمد بن جرير

وعبد الله بن كوام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال

اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون في الحي

قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاه كما

نشاهد في العادة او اكلته السباع او حيطان البحر او نحو ذلك

فكما ان الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك

فكذا يعيد الحيوة الى جزء منه وان اكلته السباع والحيتان

ترجمہ پیر اہل السنۃ وجماعۃ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پوسے جسد کو یا

بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک

جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا

کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا

لوٹنا اس کے لیے شرط نہیں، ہمارے اصحاب (اہل السنۃ وجماعۃ) کا کہنا ہے

عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے (میت کو) درندہوں نے یا سمندر کی پھلیوں نے
 کھا لیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو جو جیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات متشکو
 کو حشر کے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے
 سوائے طرح اللہ تعالیٰ اس میں (گو اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو) حیات
 لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور پھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کلام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش
 کیا ہے انہیں اصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دو دفعہ ایسا کہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ
 دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں۔ درندہ ان کے مقابلے میں وہ قال
 اصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے ہو جاننا چاہتے تھے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری
 نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تفریق کے
 قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔ سو ہم صاحب نیز اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔
 جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ نیز اس ص ۲۲۲ میں یہ اضافہ کسی
 نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ اعلم وعلہ اتم واحکم۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۳ ص ۱۱۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔
 امام نسفی (۱۰۷۰ھ) بھی لکھتے ہیں۔

عند العامة توضع فيه الحيوة بعد ما يتالع والحياة المطلقة وقيل
 توضع فيه الحيوة من كل وجه

ترجمہ: چہرہ اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی
 ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے۔ وہ مطلق حیات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
 ہر پہلو سے اس میں حیات لٹھائی جاتی ہے۔

آٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدرالدین احنفی (۷۷۲ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں :-

و كذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً بافتاق اهل السنة والجماعة

ترجمہ اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو بافتاق اہل السنۃ و الجماعۃ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

افسوس کہ اہل السنۃ و الجماعۃ کی یہ اجماعی پکار بھی ہمارے ملک گم گم دوستوں کو راہ نہیں دکھا سکتی۔
علامہ تقی الدین اسبکی الشافعی (۷۵۶ھ)

وقد اجمع اهل السنة على اثبات الحيوة في القبر وقال امام الحرمين في الشامل وقد اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر واحياء الموتي في قبورهم واداروا في اجسادهم

ترجمہ۔ اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمین نے لکھا ہے سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔
۲۔ مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے اور یہ کہ ارواح اجساد میں ٹٹائی جاتی ہیں۔

ان حياة جميع الموتي بدوا واحمد واجسامهم في قبورهم لا شك فيها

ترجمہ اسلاف امت کے اس کلمے اجماع کے بعد بھی کیا اس عقیدے کی قسم کا کوئی شک ہو سکتا ہے؟

تمام اموات کے لیے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ارواح و اجساد کے ساتھ ثابت ہے اس کا کوئی شک نہیں ہے۔

شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۳۰ لہ شفاء السقام ص ۱۵۱ لہ ایضاً

قاضی محمد الدین الایچی (۱۷۵۷ء) صاحبِ مواقف

احیاء الموتی فی قبورہم ومسلئہ منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر
والفاسق کلہما حق عنہ واتفق علیہ سلف الامة قبل ظهور الخلف
واتفق علیہ الاکثرون بعدہ۔

ترجمہ۔ اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر و نکیر کے (وہاں) سوالات اور
عذابِ قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لیے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت
کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت
کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت
السؤال والسؤال للبدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره
الجمہور وقابلہم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن
وکلاهما غلط والاحادیث الصحیحة تدل علی
الروح فقط لم یکن للتبر بالروح اختصاص۔

ترجمہ۔ اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر و نکیر کے سوال وقتِ مدح کے بدن میں لوٹانے جانے کی خبر
دیتی ہیں اور سوالِ بدن بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے
اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں منکر اور نکیر کا سوال صرف
روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی
ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال و جواب صرف روح ہو تو قبر کا روح سے کوئی
اختصاص نہ ہوتا۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة
والجماعة له

ترجمہ یہ قبر کا نعیم و عذاب باتفاق اہل سنت روح و بدن دونوں کے لیے ہے۔
غور فرمائیں اگر روح کا بدن مدفون کسی کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم و عذاب پر کیسے ایمان لایا جاسکتا ہے۔

فقد صرح المحدث باعادة الروح الى الجسد وباختلاف اضلعه

وهذا بين في ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين له

ترجمہ حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسم میں لٹنائی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح

ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے

کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۵۷۵ھ)

ان مذهب سلف الامة وائمة ان الميت اذا مات يكون في نعيم

او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه له

ترجمہ اسلاف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے

تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے

روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو خبر واحد کو محبت نہیں

مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر

حیات کے لیے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی تو حیات کا تحقق ہو سکتا ہے پھر عذاب قبر

کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں:-

ويجوز ان يخلق الله في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة

۱۷ شرح حدیث النزول ص ۵ ۱۷ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۲۸۹ ۱۷ کتاب الروح ص ۲۴

قدر ما يدرك ألم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم إعادة الروح إلى بدنه ولان يتحرك ويضطرب^۱

ترجمہ۔ اور یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزائے بدن میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے کہ میت اس عذاب کی تکلیف یا نعيم کی لذت پاسکے اور اس حیات کے لیے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لوٹے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے چلے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت عذاب قبر یا نعيم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تقی زانی یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے، معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت کے بدن میں زندگی کا ایک بڑیک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا اس کی راحت کا تحقق ہو سکے، علامہ تقی زانی کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں، علی وجہ الالزام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔

بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اتنی زندگی پیدا کر دیں کہ وہ الم یا راحت کو پاسکے، ہدایہ میں ہے :-

ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيوة في قوله العامة^۲

ترجمہ۔ اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

اب ذرانیوں صدی میں چلیں، علامہ عسند الدین الایچی (۵، ۵، ۵) کی عبارت آپ شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف اسبحر جانی (۸۱۲) کی عبارت بھی دیکھیں۔

و اذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئله لان كل من قال
بغذاب القبر قال بما لا

ترجمہ۔ اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و
جواب کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب قبر کا انکار کرے اسے قبر کی
اس زندگی کا اقرار کرنا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۵۸۵۲) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن
پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں۔ بغیر
اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔

وخالفهم الجمهور فقالوا اتقاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت
في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص
ولا يمنع من ذلك كون الميت فقد تفرق اجزاءه لان الله تعالى قادر
على ان يعيد الحيوة الى جزء من الجسد ويقع عليه السؤال كما هو قادر
على ان يجمع اجزائه به

ترجمہ۔ اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے
بعض حصوں کی طرف لوٹانی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف
روح پر ہوتا تو بدن کو اس سے کوئی اختصاص نہ تھا اور اس کے لیے میت کا اس حال میں ہونا کہ
اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے
کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد
ہو۔ جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع
کر دے

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

قد ثبتت الاحادیث بما ذهب اليه الجمهور كقوله (عليه السلام)
انه يسمع خفق نفاثهم وقوله (عليه السلام) تختلف اضلاعه لضمة
القبر وقوله (عليه السلام) يسمع صوته اذا ضرب بالمطراق و
قوله (عليه السلام) يضرب بين اذنيه وقوله (عليه السلام)
فيقعدانه وكل ذلك من صفات الاجساد

ترجمہ بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور کا یہ ارشاد کہ
مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور کا یہ ارشاد کہ قبر کے
بلنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ وہ
ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے
باہر ضرب لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے
بٹھاتے ہیں۔ اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی
کیفیات نہیں۔

علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)

ان الارواح تعاد الى اجساد عند المسئلة وهو قول الاكثر من
اهل السنة۔

ترجمہ بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹانی جاتی
ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل سنت کا ہے
ولا بعد في رد الحيوة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسئلة
والعذاب وان لم يكن مشاهدًا لنا

۱۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۴ ۲۔ شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۹۳ ۳۔ ایضاً جلد ۸ ص ۱۴

ترجمہ اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور
قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ کو ہم
ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱)

الحق ان الميت المعذب في قبره توضع فيه الحيوة بقدر ما يحس
بالالهم والبنية لبيت بشرط عند اهل السنة حتى لو كان متفرق
الاجزاء بحيث لا تتميز الاجزاء بل هي مختلطة بالتراب فيعذب
جعلت الحيوة في تلك الاجزاء التي لا يأخذها البصر وان الله
تعالى على ذلك لتدين

ترجمہ حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لیے اس میں اس قدر حیات
رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا ایک جا ہونا
اہل سنت کے ہاں عذاب قبر کے لیے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک
کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جاسکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے
عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر
پانہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

توضیحه اما تمتع اقتضاء ذلك عود الحيوة الكاملة الى جميع البدن و
غاية ما يقتضى اعادة الحيوة الى الجزء الذي به فهم الخطاب و مراد
الجواب والاشان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل يجزؤ من
باطن قلبه واحياء جزء يفهم الخطاب ومجيب ممكن مقدور عليه
واموال البرزخ لا تقاس بعلوم الدنيا

ترجمہ۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذابِ قبر کے لیے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جزو بدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا صرف باطنِ قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بات سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لیے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور بزدل خ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اب دسویں صدی کی شہادت بھی لیجئے :-

امام سیوطی (د ۹۱۱ھ) حافظ ابن تیمیہ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وقال ابن تیمیہ الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغونی وحکی عن ابن جریر وانکره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم وآخرون منهم ابن عقیل وابن الجوزی وهو غلط والالم یکن للقبر بذلک اختصاصاً^۱

ترجمہ۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے متواتر احادیث سوالِ قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمہور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے دعوای

روح بلا بدن (قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب
قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے۔ علامہ جلال الدین الدوانی (۷۹۲۸) لکھتے ہیں
عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو بدن مدفون کے زندہ کیے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا عاودہ
روح کے بغیر محض القال روح بھی ہو سکتا ہے صورتِ احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن
عذاب قبر کے لیے بدن یا ذرات بدن میں زندگی کا ٹوٹا یا جانا برحق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

فمنہم من اثبت التعذیب وانکار الاحیاء وهو خلاف العقل وبعضہم
لم یثبت التعذیب..... وهذا انکار لعذاب القبر ومنہم من قال
بأحیائہ لکن من غیر عاودۃ الروح ومنہم من قال بالاحیاء باعادۃ
الروح معاً ولا یلزم ان یمنے اثر الحیوۃ فیہ حتی ان الماکول فی
بطن الحیوانات یحیی ویسأل وینعمر ویعذب ولا ینفی ان ینکر
لان من اخفی النار فی الشجر الاخضر قادن علی اخفا العذاب والنعیم۔

ترجمہ ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کئے جانے کے اور یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں
جو سر سے میت کے بزرخ میں عذاب پانے کے قائل نہیں یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے اور ایسے بھی جو میت کے زندہ
کیے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر عاودہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو عاودہ روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے
ہیں اور عذاب قبر کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جاسکیں۔ وہ شخص جسے
کسی جانور نے کھالیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس میں سوال ہوتا ہے۔ اس کی نعیم قبر
یا عذاب قبر میں ہے، اس کا انکار نہ کرنا چاہیے جو ذرا باری بنبر اور تروتازہ درخت میں آگ کو چھپا سکتا ہے وہ اس پر
قادر ہے کہ عذاب قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نمل سے پاسکیں اور نہ
اسے سن سکیں۔

علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۵۹۷۳) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لٹنائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف لکھتے ہیں۔ علامہ علمبی روح کے پورے بدن میں لٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبری اور امام ائحمرین بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لٹائے جانے کے سب قائل تھے وہ لٹایا جانے پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں۔

ان الحلیمی بقول ترد الروح الی جسدہ کلہ و ابن جریر الطبری و

امام الحرمین یقولون ترد الروح الی ما بقی منہ۔

ترجمہ علامہ علمبی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لٹنائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام ائحمرین اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احناف میں علامہ شمس الدین القہستانی (۵۹۵۳) سے کون واقف نہیں۔ آپ

لکھتے ہیں۔

والمعذب فی القبر کی بقدر ما یتالم بہ و هو اقرب الی الحق۔

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب

پاکے اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث حلیل علامہ عبدالعزوف المنادی (۱۰۰۳ھ) حدیث

برابر بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن

میں لٹنائی جاتی ہے فتعاد روحہ فی جسدہ لیکن حافظ ابن حجر اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لٹنے

کے قائل ہیں جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابو بکر باقلانی سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں۔

جمع بان مقرها في النصف الاعلى ولها اتصال بباقيه وقتيل
جزء به القاضي

ترجمہ دونوں باتوں میں تطبیق نہیں دی گئی ہے کہ روح کا تعلق تو بدن کے اوپر
کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال
اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔
آپ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:-

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة
في القبر قدر ما يتالم ويتلذذ ولكن اختلفوا هل يعاد الروح اليه
..... والمنقول عن ابي حنيفة التوقف الا ان كلامه ههنا يدل
على اعادة الروح اذ جواب المسكين فعل اختياري فلا يتصور
بدون الروح

ترجمہ۔ اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات
پیدا کرتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعیم قبر کو پاسکے ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات
اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر... حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے
مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک
اختیاری فعل ہے اور وہ بدول اعادہ روح کے تصور میں نہیں آسکتا۔

ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے
سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس سے خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں یہ آپ کے
سوچنے کی بات ہے۔

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں، بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-
ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او كله.

ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے، وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ، وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹانی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیتہً رد کر دیا ہے۔
تعاد روحه في جسده ظاهرا لحدیث ان عود الروح الى جميع اجزاء

البدن فلا التفت الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض
..... فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج الى صحة النقل

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسم میں لوٹانی جاتی ہے، اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں۔
..... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جاسکتی، اس کے لیے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہو گا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔
آپ لکھتے ہیں:-

حتى يرجعه الله في جسده اى يورده اليه كاملاً في بدنه.

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسم میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس روح کا کامل طور پر یہ بدن میں لوٹنا ہے۔

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لیے بیشک
اسی دن ہوگا۔ واذالنفوس زوجت کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے لیکن برزخی زندگی
کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیتہً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔
ملا علی قاریؒ ان ناقصان دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

كما توهم بعض ارباب النقصان حتى جعلوا عذاب القبر روحانيا
لاجسامنا والصواب ان عذاب الآخرة ونعيمها متعلقان بهما۔

ترجمہ جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض
ایک روحانی چیز بتلاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے — صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور
عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم و الم تو ایک طرف ہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بخیر جسد تقوم میں آتے ہیں؟ حضورؐ
نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؟ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے :-

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے اس میں آپ
کو صرف نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے یہ وہ امر

ہیں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی۔ یہ تو جسد کی شان ہے کہ وہ عمل نماز میں
ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے
اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی نہ

اب آئیے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کو مسلک کیا تھا۔ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۵۲۴ء) ہیں۔ آپ بدن مثالی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقاد تاسخ سے بھی بلا ہے۔ اس کے بعد آپ یوں رقمطراز ہیں :-

پس بدن اول راز حصول احکام بزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذر نہ — و بدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات سے نمایند حشر و رقیق او در دنیا ثابت گشت۔ انگارم کہ معتقدان نقل روح معلوم نیست کہ بجزاب و ثواب قبر قائل باشند و بجزاب و نشر معتقد بود۔ افسوس ہزار افسوس این قسم بطلان خود را ہمہ شیخی گرفتہ اند و معتقدانے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا۔ ترجمہ۔ اس دنیا والے بدن کو احکام بزخ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذاب ثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدن ثانی کے لیے جب یہ لوگ دوسرا حیا ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کیے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذاب و ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس ہزار افسوس اس قسم کے بھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیر طریقت بنا کے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتول بنے ہوئے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ سمرندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

و آنچه او علیہ و علی آلہ الصلوٰت و التسلیمات ادا احوال آخرت خبر داده است ہمہ حق است از عذاب گور و ضغطہ آن و سوال منکر و نکیر و دران و فنائے عالم و اشتقاق سموات و انتشار کو اکب و برداشتن زمین و کوہ ہا و پارہ پارہ شدن ایہنا و حشر و نشر و اعادہ روح بجد و زلزله ساعت و ہول قیامت

و محاسبہ اعمال و شہادت جوارح باعمال مکتسبہ

ترجمہ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ۔ اور منکر و نکیر کے قبر میں سوالات۔ اور پوری دنیا کا فنا ہونا۔ اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا اٹشاد۔ اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور حشر و نشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا۔ اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب۔ اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب امور برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

و اختلاف کردہ اندک عذاب قبر زندہ کہ دانیدن میت است و در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہہ حقیقت اس راہ نباشد و حق آنست کہ با حیاہ است۔ چنانکہ ظاہر احادیث دال است برال بے

ترجمہ۔ اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے۔ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

تقطع مے کتم بعود حیات مرہرہ میت را چنانکہ در احادیث ورود یافته ہے
ترجمہ مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث
میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۱ھ) اپنے مسلک پر
حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

امثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسوار خفية ولكلها عند
ارباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقها فلا ينبغي ان
ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التسليم والتصديق فان قلت
فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من
ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث مقامات
في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان
تصدق بانها موجودة وهي تلدغ الميت لكلك لا تشاهد ذلك فان
هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور الملكوتية

ترجمہ۔ اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پر وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے
ہوئے حقائق بھی ہیں۔ گو وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں
سو جس پر یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہیے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے
کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق
کرے۔ اگر سمجھے یہ خیال گنہگاروں کے ہم کافر مردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے
دیکھ رہے ہیں اور دھیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے دیکھے انہیں
سامنے کاٹ رہے ہوں، کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی

کفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں؟ تو جان لے کہ
 تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور
 وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کسے
 کہ سناپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) مسیت کو
 ڈس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ کیوں اس دنیا کی آنکھ امور ملکوتی
 (برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبر میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں
 جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے سرگز نہ ہوں۔ بلکہ ان احادیث کے ظواہر
 پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر مسیت کو واقعی سناپ کاٹ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اسے دیکھ
 نہیں پاتے۔ یہ کس مسیت کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔
 اسپیدان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور
 زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں۔

فلا یکن الموت انفکاکاً لنفوسہم عن الابدان بالکلیۃ بل تنفک
 تدبیراً ولا ینفک وہما۔

ترجمہ۔ ان کی موت میں انفکاک روح عن البدن (روح کا بدن سے جدا ہونا)
 کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلق صرف جس سے روح بدن میں
 تدبیر کرتی تھی، ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (دھیان اس کا ادھر
 قائم رہتا ہے)۔

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے
 ہوئے انفکاک روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلق توجہ کے معنی

میں ہے۔ حضرت شاہ صاحب بتلاتے ہیں کہ نسیم جو روح اور بدن کے باہین ایک برزخی درجہ ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے موت کے وقت نسیم بدن سے جدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ایک رُخ ادھر ضرور رہتا ہے۔ ہم اسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

ولما كانت النسمة بوزخا متوسطة بين الروح والالهي والبدن الارضي
وجب ان يكون لها وجه الى هذا ووجه الى ذلك والوجه المائل
الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض البهيمية.

ترجمہ۔ اور جب نسیم ایک برزخی چیز ہے جو روح الہی اور بدن ارضی کے باہین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رُخ ادھر روح کی طرف ہو اور ایک رُخ ادھر بدن کی طرف ہو۔ اس کی جوہیت عالم قدس کی طرف تھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جوہیت زمین کی طرف تھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں عالم برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں نشوونما کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں :-

حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے
جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے۔ لیکن انبیاء اور شہداء کے دھڑقبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ ان کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے۔ :- بریں عقل و دانش بباہد گریست

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفی کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطی نے ان کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ واقعی نچلے طبقے کے بارے میں ہے۔

ہی متصلہ باجساد ما فتعذب الارواح وتعال الاجساد بلہ

ترجمہ۔ وہ ارواح ان کے اجساد سے مستقل رہتی ہیں (اس القصال سے عذاب

جو ارواح کو ہورہا ہے ابدان کی تکلیف بنتا ہے) ارواح عذاب پاتی ہیں

اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلق القصال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق کا ہے جس

میں ارواح ملاء اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروف سیر ہوں ان کے ابدان پر تاثیر

کرتی ہیں نچلے طبقے کے لیے القصال ہے اور کاملین کے لیے اشراق۔ اور یہ انشراق ہے جس

سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی بزرگ القصال کو اشراق کے معنی میں لیں یہ اس کی

اپنی مراد ہوگی۔ القصال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیات شہداء یا حیات انبیاء سے بحث نہیں کر رہے۔ زیر بحث موضوع

عذاب قبر ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت

شاہ صاحب نچلے طبقے کے لیے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے

تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحب بھی کھچلی گیارہ صدیوں میں آئے جن کا متفقہ عقیدہ

ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ قبر میں راحت و الم صرف روح کے لیے نہیں، بدن کے

لیے بھی ہے۔ عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے جیسا کہ علامہ نسفی

نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحب کے کلام میں

نہ ملے تو اسے دلیل انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ۴۴ھ میں روضہ رسول

پر مجاہدت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہمیں پراگے چل کر سبٹ کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لیے تو یہ تعلق روح بالبدن (التصال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کالمین کے لیے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بنائیں۔ جب ایک طبقے کے لیے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لیے ان کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہو گا۔ عدم ذکر کو یہاں ذکر عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصل طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا۔ بدن کے عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

لا مانع من تعلقها ببدن برزخی معانر لهذا البدن الکثیف

ترجمہ۔ روح کا تعلق اس بدن کثیف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے معنایہ کسی

بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع مشرعیہ میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی

کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لیے کون سی نص مانع ہے۔ پرندوں والی روایت سامنے

رکھ کر اب بدن تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانائی نہیں ہے۔

اب آئیے بارہویں صدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث
دہلوی (۱۲۳۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں۔ شرح عقائد نسفی کی شرح
میزان العقائد میں لکھتے ہیں :-

فیغذب اللحم متصلًا بالروح والروح متصلًا بالجسد وكذا اذا

صار ترابًا يكون روحه بترابه والروح والتراب يتالمان

ترجمہ ہو اس گوشت پرست کو (اس عنقریب بدن کو) روح انصال عذاب ملتا ہے اور روح کو بدن کے
انصال عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان قدر ملے
متصل ہوگی اور اگر روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا ابطال حضرت شاہ صاحب کا خاص موضوع
رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں
آنا ہے اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے۔ سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ
عدل رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا۔ روافض
اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح بستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند — حضرت
شاہ عبدالعزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں
یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی
قیام و قعود، اور حرکت، اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ باقی گئی۔
آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ روح آل میت را بقدریکہ ادراک و تالم و تلذذ ازو حاصل شود

و بہ بدنے از ابدان عنقریب یا مثالیہ مختصرہ متعلق سے سازد و اس کار سرانجام

مے فرماید و محسوس نبودن این حرکات دلالت بر عدم وقوع آہنہائے کند
زیرا کہ ذوات اشخاص ملائکہ و جن را بحواس ادراک نے کینم چہ جائے کہ
حرکات معہذا واقع است بلاشبہ عند الملتین ۱۰

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس تکلیف و راحت پاسکے کسی
عنصری بدن یا کسی مثالی بدن جو اسی کے لیے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو (عذابِ قبر کو)
پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت
نہیں کرتا ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک
نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے
ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپ نے ابدانِ عنصریہ اور ابدانِ مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ
جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ابدانِ مثالیہ کے اقوال موجود ہوں
گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے
چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے چند
سطر بعد لکھتے ہیں :-

خدا تعالیٰ قادر است بر آنکہ . . . روح آں میت را با وصف تعلقے کہ
ببدن خود پیدا کردہ منعم و معذب کردہ اندر ۱۱

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے اس کا اپنے
(عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم و عذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ارواح انبیاء و اولیاء کا مقبر علیین ہے۔ لیکن
ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے

والوں کے آنے سے متناہس ہوتے ہیں (ان سے انس پاتے ہیں) آپ لکھتے ہیں :-
تعلقے بہ قبر نیز این ارواح را مے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان و اقارب
و دیگر دوستان بر قبر مطلع و متناہس مے گردند. زیرا کہ روح را قرب و
بعد مکانی مانع این دریافت نئے شود بلکہ

ترجمہ: ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے
لیے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی حاضرگی کو پہچانتے ہیں اور مانوس
ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ روح کا مکانی قرب و بعد اس دریافت میں
مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مُردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں۔ دفن
کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں :-

در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند علاوہ روح با بدن
از راہ نظر و عنایت مجال مے ماند و توجہ روح بزارتہین و متناہسین و مستفیضین
بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین
است بلکہ

ترجمہ: میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے
از راہ نظر و عنایت مجال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے
والوں پر بڑے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے معین ہونے کے باعث گویا
روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے۔ بدن عنصری سے یا کسی بدنِ مثالی سے ؟
اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحب سے لیں :-

ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ مے باشد زیرا کہ مدت
دراز دریں بدن بودہ اند۔

ترجمہ۔ ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ
ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔
اور پھر لکھتے ہیں۔

ثابت شد کہ روح باقی است و اورا تعلقے خاص با جزا بدن بعد مفارقت
از وے و تغیر کیفیت وے تیر باقی است کہ بدال علم و شعور بزاتمان
قبر و احوال ایشان داروینہ

ترجمہ۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن سے مفارقت اور کیفیت
کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے
قبر پر آنی والوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے
ہیں کہ اونچے درجے کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں
گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت
عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دُنیوی زندگی تھی رجعت
میں عالم بندخ کا نہیں دُنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا۔
جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ
ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں بشریف تفسیر
(۲۲۶ ص) مسائل ماصر یہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابو بکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایلن) کے ص ۳۸۴ سے مر تک اس مفصل بحث کی ہے۔
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابنی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے
اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس
عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا
ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں۔ یہ ایک
نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح عزیر علیہ السلام کو اس دنیا میں
حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور
وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے یہ ادراک اسی
بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطے سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ آلہ ہے جس سے
کسی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے
حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمادیا یا اس دین قیم
کی جو وضاحتیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے
کی حصار جانتا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے
ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لیے بدن کی بقا اور یکجا سلاستی
ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں۔ بدن یا اجزائے بدن اس
کے ذیل میں الم و راحت پاتے ہیں۔ سو وہاں عذاب قبر کے لیے بقائے بدن یا بدن کی سلاستی
ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس عالم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس
بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے
آپ شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

در قبر احیاء و امانت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے
پیدائے شود کہ تغذیہ و تمیہ بدن ہمراہ اس نے باشد تا معنی حیات متحقق باشد
ترجمہ قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لیے غذا
کا تقاضا اور بدن کا نشرو نما ہو یہ ہو تو حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں ضرر یہ ہے
کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لیے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشرو نما والی نہ ہو
پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن — حضرت شاہ صاحب کی دیگر
تصریحات کی روشنی میں اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن
پر نہیں — کہ اس کے لیے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے
گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے کوئی بیزخنی علاقہ بھی نہیں
ہے — کسی معنی کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں
ہی ہونی چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن
کی سلامتی عذاب قبر کے لیے لازمی نہیں۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تغذیہ باشد
ترجمہ معذب (اصالتاً) روح ہے نہ کہ بقائے بدن اس عذاب کے لیے
ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کو اس کی اس تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحب
کا موقف قرار دے اور سمجھے میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی
نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سمجھے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے
اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہو گا یا خیانت کا اقرار کرنا ہو گا۔ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ

اپنے مسلک کی خاطر جھوٹا بونا جانتے سمجھتے ہیں۔ آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے اُن کے مجال میں کیے پھنس گئے۔

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة
وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا موقف آپ کے سامنے اچھا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا۔ تاہم اہلسنت کے اس عقیدے کی کبھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بارہ صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذریت بدن) دونوں کو شامل ہے۔ اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہِ حق بننے پر بھی بدنِ اصلی کو بربخ کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جاسکتا۔

اب آئیے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کے مسلک کو بھی دیکھتے جائیں۔ یہ آپ تیرہویں صدی سے گزر رہے ہیں اور یہ اس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت براہ بن عازبؓ کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹانی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقبرہ علیین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء
السابعة ونحو ذلك كما هو مقر ارواح الكفار فی سبعین ومع
ذلك لیکل روح منها اتصال بجسد فی قبره لا یدرك كنهه
الا الله تعالى وبذلك الاتصال یصح ان یرض علی الانسان
المجموع المركب من الجسد والروح مقعدہ من الجنة او النار

وحيث اللذة اوالا لمر وليمع سلام الزائر ويوجب المنكر والنكير و
نحو ذلك مما ثبت بالكتاب والسنة . . . قال النسفي في
بحر الكلام هي متصلة باجسادها منها كالشمس في السماء ونورها
في الارض .

ترجمہ۔ وجہ تطہیق یہ ہے کہ مومنین کی روحوں کا مقر علیین میں ہے یا ساتویں آسمان
میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقر مقام سحین ہے اس
سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں سکے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت
کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور
روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا ہے اور اسی
حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا ہے۔ زائرین کے سلام کرنے
اور منکر و نیکر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب و
سنت سے ثابت ہوتی ہیں۔

علامہ نسفی بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل
ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں
ویدیع پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قاعدہ ہند کی بات نہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی (۱۱۵۲ھ) بھی اسی صدی سے
تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولایرد نقذیب المیت فی قبرہ لانه توضع فیہ المحنۃ عند
العامة بقدر ما یحس بہ الالمر والمبئیة لیست بشرط عند
اہل السنة بل تجعل المحنۃ فی تلك الاجزاء المتفرقة لا یدرکھا البصر

ترجمہ۔ اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لیے بدن کا یکجا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجملے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پال سکے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال المنكر والنكير
حق وضغطة القبر حق فيعذب اللحم متصلًا بالروح
متصلًا بالجسد فيتالم الروح مع الجسد .

ترجمہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذاب قبر اور منکر و نکیر کا سوال بہ حق ہے اور قبر کا دباؤ بھی برحق ہے۔ جس کے عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسم کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔ آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد ہاں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے، احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستعفار للميت عند الفراغ من دفنه و سؤال
التبئيت له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة
القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

وفيه ايضاً دليل على ان الميت ليُسل في قبره وقد وردت به
ايضاً احاديث صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضاً
ما يدل على ان السؤال في القبر المختص بهذه الامة كما في حديث
زيد بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة بتلى في قبورها و
بذلك جزم الحكيم الترمذى به

ترجمہ۔ اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کی
مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی استدلال ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا
جاء ہوتا ہے۔ اور اس میں حیاتِ قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے
احادیث وارد ہیں کہ وہ تو اترا تک پہنچتی ہیں۔ اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے
کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں
صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت
سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس
امت کے لیے قبر کی ایک آزمائش ہے حکیم ترمذی (۵) ٹیپے جو ہم سے اس کے قائل ہیں۔
یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیاتِ فی القبر کا ثبوت حد تو اترا
کہ پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تو اترا سے ہونے والے امور کا انکا قطعاً
اسلام کا انکار ہے۔

قاضی شوکانی نے دفن کے بعد قبر کے پاس بٹھرنے اور میت کے لیے دعا کو صرف
مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے فقہ شافعی کی مشہور
کتاب منہاج میں ہے۔

وسین ان یقف جماعة بعد دفنه عند قبره ساعة يسألون له التثبيت.

ترجمہ اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لیے (میت کے لیے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔

منہاج کی شرح زاد المحتاج میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے۔

اذا دفنتونی فاقيموا بعد ذلك حول قبری ساعة قدس ما تغد
جنود و ليدق لحمها حتى استانس بكم. ۱۲

ترجمہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹنا سخر کر کے اس کا گوشت بانٹا جاسکے (اتنا وقت اس لیے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانی نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گورہ ادنیٰ ہو اس امت کی خصوصیت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

اخبر النبي صلى الله عليه وسلم ان عذاب امته في قبورهم. ۱۳

ترجمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپکی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔ اب آگے چلیں :-

عمدة المحققين حضرت علامہ محمود آلوسی (۱۲۶۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپ

لکھتے ہیں :-

واختلف في هذه الحيوة فذهب كثير من السلف الى انها
حقيقية بالروح والمجد ولكن لا تدركها في هذه النشأة. ۱۴

۱۲ زاد المحتاج جلد ۴ ص ۴۲۴ ۱۳ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۷ حجة الابرار جلد ۱ ص ۱۲۷ مترجم ص ۱۲۷

۱۴ روح المعانی جلد ۲ ص ۱۲۷

ترجمہ اور اس قبر کی جیتا میں اختلاف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح و جسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔

حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سمیت کہ عذاب قبر ہوتا ہے
والجہور علی عود الروح الی الجسد او بعضہ وقت السؤال علی وجہ
لا یحس بہ اهل الدنیا الا من شاء اللہ تعالیٰ منہم۔

ترجمہ اور جہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض
کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔
مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسی نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق ہو چکے ہوں
ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء
کو پھر یکجا کر دے گا۔ اور اس پر بزرخ کی واردات ہوں گی۔ یہ کوئی مسئلے کا رخ
نہیں ہے جب ہم اسے (روح کو) کسی اور بزرخی بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت
پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسی نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے
ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار
کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ جب اس کا ایک
اور عمل ممکن ہے تو ہم اس سچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسی
محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں، ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ نے سرے مقامات
پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ
وہ منکرین پر محبت ہو سکے اور جس طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آسکیں۔

اما القول بحياة هذا الجسد الوهم مع عدم بنية وتفرق اجزائه
 وذهاب هيئة وان لم يكن ذلك بعيداً من قدرة من يبدع الخلق
 ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل
 ولا عظيم منة له

ترجمہ۔ اور اس ریزہ ریزہ ہوئے جسم میں یکجانہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا
 اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بشتاب ہے اور پھر
 اسے نوٹائے گا۔ لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں۔ نہ اس
 میں کوئی خاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال و جواب اور اس کا نعیم
 و عذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے۔)

یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی اندازہ جواب ہے
 یہ آپ فیصلہ کریں عقیدہ کے بیان میں۔ آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزؤ بل
 هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه الاصلية لانها التي
 يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على ما اختاره جمع و
 اعلم ايضا ان الروح على القول بتجردها لا مستقر لها بل لا يقال
 انها داخل العالم او خارجه كما سمعت وانما المستقر حينئذ البدن
 الذي تتعلق وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من
 ان تتعلق نفس بيدنين فاكثربل هو واقع عندهم و ذكر
 بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلى والاخر مثالي
 يظهر للعيان على وجه خرق العادة له

ترجمہ جان لو کہ روح کا بدن القوال کسی ایک حمد بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پورا انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا۔ بہت لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جان لو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا اس صورت میں اس کا مستقر وہ بدن ہو گا جس سے وہ متعلق ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی علمی رکاوٹ نہیں کہ ایک روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ دان کے ہاں، ایسا واقع بھی ہے اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

اب آئیے ہم آپ کو چودہویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں

شیخ الہند حضرت مولانا محمد حسنؒ (۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا غلیل احمد محدث بہار پوریؒ (۱۳۲۶ھ)

مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۲۶ھ) امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۱ھ) حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ

دہلویؒ (۱۳۷۳ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیوبند کے مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۲۶ھ)

تھے۔

جماعت المدینیت میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا نذیر حسین دہلوی

(۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا الورث شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

ثم السؤال عندی یكون بالمجد مع الروح

ترجمہ: قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جہ سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے۔

فان البدن بدون الروح جواد لا حوالہ له والروح بدون البدن

معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الى الآخر فلما اشتركا في

الكسب اشتركا في الاجراء الوزر

ترجمہ: بدن بغیر روح کے ایک جمادی چیز ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر

بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے پس

جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں تو یہ دونوں

(نیک اعمال کے، اجر اور دُوسرے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

ثم لاحاجة في اثبات عذاب القبر الى ما قاله الصوفية ان العذاب

على البدن المثالي دون المادي وحينئذ لا بعد ان لم نشاهد احدا

يعذب في قبره فان الاسباهل ان يقال انه من عالم الغيب واقامة

الدلائل العقلية عليه جهل ومن بطريق ذلك

ترجمہ: عذاب قبر ثابت کرنے کے لیے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے

تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور

اس صورت میں بدن مثالی کی تجویز پر، استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب

پلٹے نہ دیکھ سکیں، اس سے زیادہ سہل بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں

(جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا

یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کہ بھی کون سکتا ہے۔

فہمید مفتی اعظم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی (د ۱۳۴۶ھ)
 ۱۔ قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علیین ہے یا بحین
 ۲۔ عذاب روح پر مع اجسم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب (د ۱۳۶۲ھ)

اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کتنی ہے اور
 تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ گو بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث
 متواترہ وارد ہیں۔

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات
 آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں
 کسی غلطی کو قرار نہیں، نہ امت کو اس پر رہنے دیا جاتا ہے۔ اس امت میں صدی وار مجددین
 آتے رہے جو اس کے دین کو بیرونی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں۔ سو جو شہادت چودہ
 سو سال سے ایک ہی بیج پر آ رہی ہو اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب
 قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس
 عذاب یا راحت کو اس بدن عنصری سے بائٹل لا تعلق نہیں رکھا جاسکتا۔ اور ان واردات
 برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (د ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں :-

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عود کے گند روح بسونے بدن وقت سوال و اس
 تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔

ترجمہ روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور یہ تعلق بعد میں بھی رہتا ہے۔

وجملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد
جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست بل

ترجمہ جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر بزخ کے علم و شعور اور ادراک و سماع اور عرض اعمال میں
اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ بزخ کی زندگی میں انبیاء و صلحاء کی تخصیص نہیں
بزخ کی یہ جیسا سب حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔
امید ہے تو اب صاحب کی اس تصریح کے بعد غیر متقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب
(گو جزائز) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو
شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسدِ عنصری دونوں کو شامل ہے۔
الغریب الغریب اجمہد میت میں ایک ایسی بزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم و
لذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں
کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدنِ عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر
عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے۔ وہ جس راہ سے بھی ہو اہل سنت کو کسی ایک پر
اصر نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت
سے باہر نہیں۔ ہاں جوئے اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ
کی گرو میں جا چکا ہے۔ ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا۔
محدثین ان حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹانے جانے کا ذکر
ہے۔ گو یہ لوٹا یا جانا دنیالی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے
بدن مدفون میں اتنی حیات مانی جاسکے جو وہاں کی الم و راحت کا ادراک کرے۔

مسکبِ محدثین — بحثِ اعادہٴ روح

محدثین علمِ نبوت کے امین ہیں اور منکملین اس کے پہرہ دار — اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا منکملین نے انہیں اپنی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات، اور ان کی روایات سے شکست دی، لیکن دائرہ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں۔ فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جا سکیں لے جائیں اور کتاب و سنت کے مخصوص مسائل کو غیر مخصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں، مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقلِ انسانی ان کی اٹھاہ گہرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ منکملین نے اپنے انداز میں فکرِ اسلامی کا پہرہ دیا، لیکن احادیث امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سالیوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لیے صراطِ مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے، وہ نہ موردِ غضب ہوتے نہ راہ سے بہکے اور بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کرتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تباہ عالم کے پردے پڑے ہیں، قبر کے اندر بھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالمِ برزخ کی واردات کو پانہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحبِ مقام پر یہ پردہ کھول دیں، علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ ہم لسانِ نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے حضرتِ خضر کے سپرد کر دیں، آخر ہر بات کا جاننا

بھی تو ہمارے لیے ضروری نہیں۔ کوئی بیرونی فکری حملہ ہو تو مشکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادہ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی موقف پر بحث کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پر کچھ بات کر لی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لیے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے۔ ان راویوں کے حالات اسماء الرجال سے ملتے ہیں۔ دیانت اور یادداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں۔ یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تبیین ہے ممکن ہے اور قرآن دیگر قریب کے حالات سے یہ سچتہ ہو جائے قرآن کریم نے ہمیں یہ اصولی تعلیم دی ہے۔

يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا على ان تصيبوا

قوم بجمالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين ۵

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبیین کرو اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقف ہی میں کسی قوم سے

جا ابھو اور پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریق واردات یہ ہے کہ جو منہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا ایک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو۔ جب تک اس کے خلاف واضح السبب

جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبتین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح و تعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا۔ جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق واردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں کیا حضرت امام شافعیؒ پر بھی بن معینؒ کی جرح نہیں کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے۔

ما من الائمة الا وقد طعن فيه طاعنون و هلك فيه هالكون۔

ترجمہ: ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ روایۃ کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور محدثین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لامٹی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر ہے کہ تصحیح حدیث صرف تعدیق روایۃ سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح و تعدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی (۵۸۴ھ) لکھتے ہیں:-

اذا العدة في زماننا ليس على الرواية بل على المحدثين والمفیدین

والذین عرفت عدالتهم وصدقهم في ضبط اسماء السامعین۔

ترجمہ: ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راہ راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور

اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت جاتی جا چکی

اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا جا چکا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی صداقت کو دو سطروں میں اگل سکیں گے۔ جرح و تعدیل کے مقتدر امام عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں :-

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعثلك الحديث من ابن قلت
هذاه لم يكن له حجة. ١٥

ترجمہ۔ اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتنی صداقت ہے آپ اگر کسی عمل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر محبت قائم نہ کر پاتے۔

حافظ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-

ان الجرح انما جوز في الصدر الا اول حيث كان الحديث يوخذ من
صدور الاحبار لا من بطون الاسفار اما الآن فالعمدة
على الكتب المدونة. ١٦

ترجمہ۔ جرح پہلے دور میں اس لیے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادہ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آئیے اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) جو حضرت امام بخاری

۱۵ معرفة علوم الحديث ص ۱۱۱ ۱۶ الکامی فی تاریخ السخامی کما فی الرفع والتکمیل ص ۵

اور امام مسلمؒ کے استاد ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

حدیث اعادۃ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابو معاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث ہمیش سے لی۔ وہ اسے منہمال بن عمر سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں۔ زاذان سے براہ بن عازب سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتویں آسمان پر پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام علیتین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو۔ کیونکہ :-

منہا خلقتہم و فیہا اعیدہم و منہا اخرجہم قارۃ اخریٰ بلہ

ترجمہ۔ میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے اُسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں :-

فتعاد روحہ فی جسدہ فیأتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ
من ربک بلہ

ترجمہ۔ سو اس کی روح پھر اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے

آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے ؟

صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور اسے ابو داؤد الطیالسی

نے بھی روایت کیا ہے برقیب میں میت روح کا پھر سے آنا اس کے علیتین یا سجدین میں جانے کے منافی نہیں۔

لہ ماخوذ من ۱۲۲ مشکوٰۃ ص ۱۲۲ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸ سنن ابی داؤد الطیالسی ص ۱۲۱

۱۲۲ مشکوٰۃ ص ۱۲۲ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۸ سنن ابی داؤد الطیالسی ص ۱۲۱

حدیث حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے۔ حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:-

وفي هذا الحديث فوائد كثيرة لاهل السنة ووقع المبتدعة له
ترجمہ۔ اور اس حدیث اہل سنت کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب
اکھاڑ ہے۔

حاکم (۲۰۵ ص) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر کے منکرتھے۔ ابن حزم (۴۵۶ ص) بھی اس کے قریب قریب ہونے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث بارہ روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح و جسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ کل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر ص) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الاشمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۲۵) تیسرا راوی منہال بن عمر ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب جلد ۱ ص ۱۰۲) شعبہ اس کی روایت نہ لیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی یہ ہو سکتا ہے کسی نے بے پر کی اڑادی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے:-

لويصع عنه ذلك وجرحه بهذا العسف ظاهر وقد وثقه ابن معين
والعجلي وغيرهما له

ترجمہ گھر سے ساز کی آواز کا سنا جانا ان سے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے
مجرع ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحییٰ بن معین اور محلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں سنی المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہو گا کہ یہ ساز کو جائز سمجھتے ہیں
جب یہ کہانی ہی غلط ہو گئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں
اکلا راوی ابو عبد اللہ زاذان الکندی ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ ثقہ لایسئل عن مثله۔

(تہذیب جلد ۲ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ابن
حبان اسے کثیر الخطا کہتے ہیں۔ لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں
جرح میں متشدد کہا جاتا ہے جو ان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت برابر بن عازب رضی اللہ عنہ
صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور آپ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں :-

اما المنہال فمن رجال البخاری وحديث زاذان مما اتفق السلف والخلف
على روايته وتلقاها بالقول له

ترجمہ۔ منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان پر اس
کی روایت پر اور اس کی تلقین بالقبول پر سلف و خلف سب جمع ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں :-

ولم يضع من قدح في صحة هذا الحديث شيئا وكان حزم للنصرة
لمذهبه الباطل له

ترجمہ۔ جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں
کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نفرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔

یہاں بدن میں روح کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

حدیث کی تصحیح کر نیوالے اور اُسے قبول کرنے والے محدثین

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۶ھ) سے اپنی کتاب کتاب الزہد والسقا کے ص ۲۲ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ سے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۴۵ھ) میں دیکھے علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آینے چوتھی صدی میں دیکھیں۔ امام ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جلد ۱۳ ص ۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہ (۲۲۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں :-

هذا حدیث صحیح الاسناد

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) سے مستدرک میں لاکر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گواہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ — ووافقه الذہبی فی تلخیصہ علی المستدرک۔

علامہ ابو المنظر الاسفرائینی (۴۶۱ھ) بھی لکھتے ہیں :-

واخبرناہم یحییٰ بن یونس فی القبور وقد ورد فی معنی احياء الموتی فی القبور

مالا یصحی من الامی والایخبار والاثار

ترجمہ اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو انکی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ

کئے جانے پر اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شملہ نہیں کیا جاسکتا۔

ساتویں صدی کے علامہ قرطبی (۶۱۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

وروی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء بن

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد سجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازب (صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

ورواه الامام احمد وغيره وهو حديث اجمع رواة الامش على شهرته و

استفاضته وقال الحافظ ابو عبد الله بن منده هذا الحديث

اسناد متصل مشهور واه جماعة عن البراء بن

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے کئی نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ

تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابو عبد اللہ بن منده

نے کہا ہے اس حدیث کے سب رواہ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی

ہے اسے حضرت براء بن عازب سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

الاتحادية الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن وقت السؤال

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نیکر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں

دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں۔

وهو حديث صحيح صححه جماعة من الحفاظ

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک

جماعت کی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

هذه احديث مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا تعلم
احداً من ائمة الحديث طعن فيه بل رآوه في كتبهم وتلقوه
بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدين في عذاب القبر و نعيمه
ومسئله منكر وتكبير وقبض الارواح وصوردها الى بين يدي
الله ثم رجعوا الى القبر.

ترجمہ یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر ستفیض ہے اسے حفاظ
حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں
سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت
کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب
و ثواب اور سوال نکیر من اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اثر کے
خبر حاضر ہوئے اور پھر سے قبر میں چلے گئے کے باب میں ایک اصل
ٹھہرایا ہے۔

فالحديث صحيح لا شك فيه.

ترجمہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ سبکیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں :-

ورجال اسنادہ كهم ثقات.

ترجمہ اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آنہوں میں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

کے استاد ہیں نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے، آپ لکھتے ہیں :-

رواه احمد و رجاله رجال الصحيح.

ترجمہ۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔

فقاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث.

ترجمہ۔ روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔ دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح بالبدن وقت السؤال.

ترجمہ۔ اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر روئے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں:-

زاد في حديث البراء فتعاد روحه في جسده.

ترجمہ۔ اور حدیث براءؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔ سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:-

فتعاد روحه في جسده ظاهرا للحديث ان عود الروح الخ جميع اجزاء بدنہ.

ترجمہ۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)۔

حضرت امام ربانیؒ مجدد الف ثانیؒ (۱۰۴۲ھ) نے بھی اعادہ روح جسد کی تصدیق فرمائی ہے۔

واختلف في ان الميت يعذب باحياءه في القبر او يجعل الروح في
مقابلته او بنوع آخر ما يعلمه الله ولا تعلمه والاظهر الا صوب
انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث بل

ترجمہ۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر میں اسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس کے جسد
کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے (کہ وہ جسد اس کے تعلق سے عذاب پاگے یا کسی اور طریقے سے جسے مذہبی جانتا
ہے اور ہم نہیں جانتے اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ
میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھر لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔
تیسری صدی کے حضرت قاضی شہار اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:-

فيعاد روحه في جسده وكذا قال في الكافر فيعاد روحه في قبره
قال ابن عبد البر هذا صحيح ما قيل به

ترجمہ۔ میت کی روح اس کے جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے
میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں ٹٹائی جاتی ہے۔ ابن عبد البر مالکی کہتے ہیں کہ اس سلسلے
میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شہرکانی (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تو اثر کا دعویٰ کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں
قیل وقال کی حاجت نہیں:-

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

ترجمہ۔ اور اس پر احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حد تو اثر کہ پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:-

والجسم هو رطل على عود الروح المح الجسد

ترجمہ۔ جہر اہل اسلام اسی کے قابل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں۔

احادیث متواترہ اندر برآئیکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال و اس تعلق ہمیشہ می ماند اگر جسم جلا دریدہ و متفرق و منقسم گردد۔
ترجمہ۔ روح سوال نیکرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودہویں صدی کے مولانا السید احمد حسن (ع) لکھتے ہیں:-

وقال البيهقي هذا حديث صحيح الاسناد.

ترجمہ۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔

والحدیث صحیح۔

ترجمہ۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کی روشنی میں کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ دنیا اور آخرت کے باہم ایک برزخی زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن عنصری یا اسس کے ذرات منتشرہ سے قائم رہتا ہے۔ یہ تعلق اعادہ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں۔ یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح سے اور باہر غذا اور نشوونما سے۔ وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمییہ کے بغیر قائم ہوتی ہے اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں۔ الایہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں۔ قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے گناہ کئے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکی (۷۹۷ھ) سے پوچھا گیا میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہوتا ہے تو اس پر کافر طے کا کیا فائدہ؟ — حضرت علامہ نے جواب دیا۔

الحكمة ما هو مقرر عند اهل السنة والجماعة من ان البدن ينعم بانواع النعيم كالروح وحيثما بقي اتصل به النعيم الى ان — فان البدن بينه وبينها عناية الارتباط والمناسبة.

ترجمہ جو چیز اہل السنۃ و الجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی طرح مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور جب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان نہ رہے کیونکہ بدن اور روح کے باہم ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟ فاجاب بالذمے فی البخاری انه یسئل قاعدًا وکذا فی ابن ماجہ۔

ترجمہ۔ آپ نے جواب دیا جو بات صحیح بخاری سے ملتی ہے یہی ہے کہ اسے بٹھا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامتہ بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی منقطع رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

وچوں تو مے از مبتدعہ و اہل ہوا کہ اکثر معتزلہ و بعضی روافض باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و احادیث شہورہ کہ قدر مشترک ازاں سجد تو اتر رسیدہ

دراں ورود یافتہ است و سلف صالح پیش از ظہور اہل بدعت و انکار ایشاں
ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آں و اعتقاد بدال و اختلاف کردہ اند
کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح
با دے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواهد مارا بدر یافت کہنہ حقیقت آں
راہ نباشد و حق آں است کہ با حیار است . چنانکہ ظاہر احادیث دالست
بر آں بل

ترجمہ . اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کرنے والے کہ بیشتر ان میں معتزلہ ہیں اور کچھ زہنی
بھی ہیں عذاب قبر کا انکا کہتے ہیں اور شہرت کے وجہ میں پہنچی ہوئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک
تواتر کے وجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتوں کے ظاہر
ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے

ہاں ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے
یا روح کو اس کے جسد کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں
۔ اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ
کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر اتنا بھی تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم و
راحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے۔ لیکن یہ
حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم
و راحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال
سکے گا۔ انہیں چاہیے کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بدیں قدر الم و راحت در میت برحق
ہے۔ حضرت شیخؒ لکھتے ہیں :-

اگر ہمیں قدر بدانتند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بدال چیزے الم
وراحت در یابد در اعتقاد صحیح کفایت است بل

ترجمہ اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مٹے میں ایک ایسی حالت پیدا فرماتا ہے کہ وہ اس
سے الم وراحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیحہ کے لیے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل جان اور بالکل بے حس و شعور مانیں تو پھر اسکے جتنی عقیدہ سمجھنے میں کتنی شک نہیں رہتا۔
ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے
اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام معتزلہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے
اظہار تاسف کے اور کیا کرسکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فی بعض مناسکہ

ثم یاتی الروضة بین القبر والمنبر فیصلی بہا ویدعوا بما شاء ثم یاتی
قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیستقبل جدار القبر..... ویقف متباعدًا
کما یقف لو ظہر فی حیاتہ بنحسوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف
مستحضراً بقلبه جلاله موقفاً ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ و
برکاتہ السلام علیک یا بنی اللہ وخیرتہ من خلقہ السلام علیک یا
سید المرسلین وخاتم النبیین وقائد غر المحجلین اشہد ان لا الہ
الا اللہ واشہد انک رسول اللہ بل

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جو روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تعین سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہوتی ہے سلسلہ قائم رہتا ہے اور نشوونما اس کے آثار میں سے ہے

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ و اعلیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات الہنی کی بحث میں عوام کے لیے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائٹل پر یہ الفاظ علی حدیں لکھ دیئے۔ لیکن گنبدِ خضرا کی حیات برزخی کا بیان مبادا کوئی اس حیات صیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنا یہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ حجت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسدِ اطہر سے ہے۔ گو یہ اس عالم کے لیے کھلی زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی جسدِ اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے۔ لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے۔ نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجد نظر آتے ہیں۔ ایک سو یا سو آدمی خواب کی دنیا میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔ مگر اس کے پاس بیٹھے

والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنا دے کہ اُدھر لو پورا عمل ہو اور اُدھر حرکت تک محسوس نہ ہو۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر یہاں (اس دُنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے حق میں پوری حتمی ہو آپ اسے اسی طرح طرح محسوس کریں۔ جیسا کہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو اللہ رب العزت بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے، جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دُنیا والوں کو اس بدنِ اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسدِ اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا۔ اس طرح نرم و نازک اور تازہ نہ رہتا۔ جیسا کہ وہ روحِ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے۔ جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

وهو اليوم كما وضع له

ترجمہ۔ اور وہ آج بھی اسی طرح تازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسدِ اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے۔ جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسدِ پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سنتے ہیں۔ آپ عالم برزخ میں اپنے جسدِ اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ کے لیے قبر مبارک کی وہی وسعتیں نہیں جو ہمیں روحِ مبارک کی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مسافتوں اور لہانفتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت

جو ان عجائب اور کوائف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء نہیں یہ بحث ضمناً آگئی ہے۔ حیات انبیاء پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداء کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو بزرخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں۔ نہ اس میں تصرف آب و ہوا ہے نہ مادی نشوونما ہے۔ بزرخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔

بدن عنصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب غلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۰، ۵۰۹) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم بزرخ میں روح کا عود کرنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے۔ روح و بدن کے تعلق کی یہ ایک جدید نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

ان الروح تعاد بین الجسد واکفان وھذا عود غیر التعلق الذی

کان لھما فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر وغیر تعلقھما بہ حال النوم

وغیر تعلقھما بہ وھو فی مقدرھا بل هو عود خاص للمسئلۃ۔

ترجمہ بیشک روح جسد اور کفن میں لٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر لوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس بدن کو روح نیند میں حاصل تھا اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد کے اپنے مقر میں موجود ہوتے ہوئے بدن کے حاصل تھا یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھربٹنا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جو ان تمام پہلے تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بدن لٹتی ہے

شرح عقائد میں ہے۔

ويجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة
 قدر ما يدرك المر العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم اعادة
 الروح الى بدنه ولا يتحرك ويضطرب

ترجمہ: اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک
 طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی
 لذت پانکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملتہ) لوٹے اور
 نہ ضروری ہے کہ وہ حرکت کرے اور ہلے جلمے۔

یعنی عذاب قبر کے لیے مطلق حیات چاہیے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے۔

یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں۔ مگر علامہ عبدالعزیز پیر ہاٹہ ہری پور

لکھتے ہیں :-

ان الحيوة للميت ليست كحيوة غيره باعادة الروح في الجسد اعادة
 كاملة

ترجمہ: میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جدید
 کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادہ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے
 تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح و بدن کے تعلق کی ایک جدید نوع ہو۔
 عاقل ابن حجر عسقلانی (ص ۸۵۲) صریح لفظوں میں کہتے ہیں :-

هذه الحيوة ليست دينوية ائما هي اخروية

ترجمہ: قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

لا تشبه حياة الدنيا. وه حيات دُنِيَرِي زندگی کی کسی نہیں ہے

الحیوة فی القبر للسئلة لیست الحیاء المستقرة للممودة فی الدنیا
التي تقوم فیها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج الحما
یحتاج الیه الاحیاء بل هی مجرد اعادة لفائدة الامتحان الذی
وردت به الاحادیث الصحیحة به

ترجمہ بقبر میں سوال و جواب کے لیے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں
عادی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے
اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندے محتاج ہوتے ہیں جیسے غذا اور
نشوونما) بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعلاہ روح ہے جس سے سوال و جواب کا وہ
فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمام کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) امام قزوینی سے
نقل کرتے ہیں۔

قال الامام القزوی اختلفوا فی انه یخلق فیہ حیوة مطلقة کحیوة
قبل الموت او حیوة بقدر ما یحس الالم والصیحیح فذالک

ترجمہ علامہ قزوینی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا
کرونی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی
ہے جس سے وہ عذابِ قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔
سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں۔

ولکل روح بحدھا اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیوة
الدنیاء بل اشبه شیء بہ حال النائم وان کان هو اشد من حال النائم
اتصالاً و ہذا یجمع بین ما ورد ان مقرھا فی علیین او سجدین

وبین ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انما عند افتية القبور
 ترجمہ . اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو
 اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے، وہ سونے
 والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے
 زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقبر علیین
 میں یا سخن میں ہے اور اس میں جو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح
 افسنیہ قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت

سے کہتے ہیں :-

در قبر احیاء امانت حقیقیہ نیست کہ تغذیہ و تنمییہ بدن ہمراہ آن نئے
 باشد۔

ترجمہ . قبر میں سمیت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں۔ اس قبر کی زندگی میں نہ
 بدن کو دیہاں کی غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشوونما ہوتی ہے۔
 اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان
 دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے۔ لیکن
 صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر اطمینان یا راحت کا ادراک ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے۔ جس میں روح
 نہایت لطیف پیرا یہ ہیں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اس عالم میں روح الی البعد
 اسی درجہ میں ہے نہ کہ کا ملا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے
 محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی

بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا۔ اس لیے اس کو بعض علماء نے حیات برزخی دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیات دنیوی نہیں۔ برزخی ہے۔ یہاں نہیں عالم برزخ میں ہے۔ یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

منہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دلوں ایسا پیرا یہ بیان اختیار کیے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

① — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرام نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا۔ کیا یہ حضور کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے۔ اگر آپ زندہ ہوتے تو صحابہ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ

جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ دخل کر رہے ہیں۔ یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب! آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

② — اگر صحابہ حضور کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابی نے یہ کیوں نہ کہا۔ چلو حضور سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ

یہ مشورہ لینا اور دنیا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں۔ حیات النبی کے

قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں۔ اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دُنویٰ کہا ہے تو یہ باعتبار ظرفیت دُنویٰ نہیں ہے۔ اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دُنویٰ کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

③ ————— حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ کی آواز سُنانی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ

یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سُن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ اگلے جہان کی آواز یہاں سُنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ تمہارا یہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقال دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

④ ————— یہ میں کار میں بیٹھا ہوں۔ شیشے بند ہیں۔ میں باہر کے منظر کو دیکھ تو رہا ہوں سُن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سُن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سُنتے ہوں گے۔

تبصرہ

شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان داخلی فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں۔ علمائے دیوبند آپ کے اتعالیٰ وارین کے قائل ہیں۔ حضور کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی۔ اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں لیکن آپ کے اپنے حق میں وہ حیات حسی جسمانی ہے اور اسی جسبداظہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا۔ البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لیے بدرک اور مشاہد نہیں۔ الایہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھا دے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپورٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ — عاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں۔ اس پہلو سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے

حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے ؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۳۱۱ امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔ سو یہ ادراک اگر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ہی کے قائل ہیں۔

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اُسے حیاتِ دنیوی نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیاتِ برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا لازم نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ حضورؐ کو اس دنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقالِ دارین کا قائل نہیں۔ (استغفر اللہ) ایسا شخص اہل السنۃ والجماعہ میں سے ہے۔ وہ ہرگز اہل حق سے بلہر نہیں۔ قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیلِ محض اس لیے گزارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیاتِ الہنی میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیاتِ برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو اپنی معنی میں سمجھا جانے جو علماء دیوبند اس سے مراد لیتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقالِ دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیرِ طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہئیں جنہیں ہم ابھی مختصر تبصروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشغیبِ عوام کا سبب تو ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں۔
وکتی باللہ شہیدا۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی

بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دُنوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ثَبَّتَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مَنكَرَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

الْآخِرَةِ. (پ: ابراہیم: ع ۴ آیت ۲۷)

ترجمہ مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت بابر بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطا فرماتا ہے۔

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال و جواب ہے۔ قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دُنوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے۔ سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دُنوی زندگی میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے یہ ایک کھلی دُنوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دُنوی زندگی ہے اسے بزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دُنوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں :-

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مِنْ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ وَالْآخِرَةِ السُّؤَالِ فِي الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ یہ دُنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے۔

تفسیر خازن میں ہے :-

الحیوة الدنیا بمعنی حیاة فی القبر عند السؤال ۱۰

ترجمہ یہاں حیاة دنیا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال و جواب کو دنی الاخرۃ سے متعلق کہا ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دین نے ہی کیا ہو۔ بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔
قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برنس ہے اس کو ادھر (حیوة دنیا میں) یا ادھر (حیوة آخرت میں) بس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں ۱۰

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے موطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے ۱۰

برزخ صغر نے چون از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد
و احوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر و شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر صلی علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
معارض چون بر قبر حضرت کلیم صلی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نماز می گزارند۔

ترجمہ برزخ صغریٰ ایک چھوٹا موطن دنیوی میں ہے۔ یہ اس طرح کہ جس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف جوں کے توگوں ہیں بہت تفاوت رکھتے ہیں۔ آپ نے شیخ الانبیاء و احوال و صلوٰۃ فی القبر میں بھی اور علامہ شبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب صلی اللہ علیہ السلام کی قبر کے پاس گئے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

برسز مطلب آدمیم

اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذابِ قبر پر بحث کر رہے تھے۔ حیاتِ جنی کا سہہ ضمناً آگیا۔ کیونکہ یہ حیاتِ طیبہ بھی قبر ہی کی بہا رہے۔ اب ہم پھر اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں۔ جمہور اہل السنۃ و الجماعۃ عذابِ قبر اور نعیمِ قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدنِ عنصری سے ہے محض بدنِ مثالی سے نہیں۔ وہ معنی بھی ہوں مقدور باری ہیں لیکن حکمتِ الہی اسی میں ہے کہ عذابِ قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو (یا اس کے ذرات منتشر ہو) جو کامل صورت میں آخرت میں معذب ہو گا۔ دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے۔ عذابِ برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہیے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر۔ عالمِ دنیا، عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں۔ جمہور اہل السنۃ کا مختار یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے۔ یہ حقیقتِ اعادۃِ روح سے قائم ہو یا تعلقِ روح سے۔ اسمیں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔ محدثین اعادۃِ روح کے قائل ہیں اور مشکلمین معتزلہ کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لیے وسعتِ تعبیر کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیاتِ برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پاسکتا۔ برزخ میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔ باری ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں۔ گو یہ برزخی زندگی بھی بعض پہلوؤں سے موطنِ دنیوی میں سے ہو۔

حیاتِ برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیادار العمل ہے موت پر زنجیر عمل کٹ جاتی ہے۔ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیاتِ برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبورہم یصلون لشر فی ذکر الحیوۃ
افعالہا اصلہا اور اذ مع الاجساد فان اجسادہم حرمت علی
الارض۔

ترجمہ۔ سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء
احیاء فی قبورہم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں۔ افعال حیات کے
بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ
ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمالِ حیات مراد ہوں یا اجسادِ حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالمِ برزخ عالم
تکلیف نہیں۔ یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ واعد ذلک
حتیٰ یا تیک الیقین (پاک حجرت ۹۹) حکم الہی ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہے جب
تک موت نہ آجائے۔

سو عالمِ برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں۔ قرب الہی میں اور بڑھنے
کے لیے ہے۔ یہ ذوقِ عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی
لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جبکہ سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

اعمالِ طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء کی حیاتِ برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جسد کی سلامتی انہیں اس لیے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں پکڑتا۔ انبیاء وہاں اپنی نقل و حرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سن سکتے ہیں۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھادیں یا سنادیں۔

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے۔ آپ نہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ انک میت وانہم ملتون پورا ہوتا اور آپ پھر براہِ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدول برزخِ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیاتِ دنیوی کا امتداد

اسٹحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امتدادِ حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیاتِ دنیوی پر ترجیح دی، حضرت ابو موسیٰ حبیبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضورؐ نے مجھے فرمایا:-

ولاحمد ایضا من حدیث ابی مویہبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اوتیت منافع خزائن الارض والمخلد ثم الجنة فخرت بین ذلک و بین لقاء ربی والجنة فاخترت لقاء ربی والجنة۔

مجھے زمین کے خزانوں کی کُنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں، پھر آگے جنت ہے مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کی ہاں کہ مل میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے۔

اتم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں :-

انه لو يقبض بنى حتى يرى مقعده من الجنة ثم يخير فلما نزل به و
رأسه على فخذي عنق علي ثم افاق فاشخص بصره الخ سقف
البيت ثم قال اللهم الرفيق الاعلى فقلت اذا لا يختارنا و عرفت انه
الحديث الذمى كان يحدثنا وهو صحيح به

ترجمہ۔ کوئی نبی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے
پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے (آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہم الرفیق الاعلیٰ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ
ہمارے پاس نہ رہیں گے۔ میں نے جان لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کرتے
تھے کہ نبی کو دنیا میں رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو
اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پالیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو
بھی ایسا ممکن تھا اور قواعد شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کی دنیوی زندگی
کا امتداد تھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ کی
دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قرب الہی میں اور آگے
بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں تسلسل ہے اور یہ
برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے گویا ہاں کی آنکھوں سے استنار ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ
گزرتے تو یہ عین ممکن تھا۔ اس صورت میں آپ صفة اولیٰ میں امك میت و انہم میتون کا وعدہ

پورا کرتے اور صحتہ ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے اس صورت میں آپ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شرک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ پر وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں۔ وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور فوق حیات کے لیے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے۔ جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا وضو، رجو، انبیار کو بعد الوقات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے، قیامت تک کی نمازوں کے لیے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطیف ہے اس اعتبار سے آپؐ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتواتر کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک رہتی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیتے گئے ہیں انبیائے کرام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا ساجد ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں۔ طائر اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر پھر کر دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لیے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضورؐ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں۔

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آرہی ہے۔

انبیاء کا سلسلہ عمل رُکا نہیں

اعادیشے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل رُکا نہیں۔ ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اور تھیل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلنے پھرنے کا جہاں یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھیے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ شہداء کے لیے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء کے لیے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

سَدَنَامِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَمَرَّ بِهَا
بِوَادٍ فَقَالَ اَعْبَادُ هَذَا فَقَالَ وَاوَادِي الْاَزْرَقِ فَقَالَ كَانِي اَنْظُرَ اِلَى
مَوْسَى فَاذْكُرْ مِنْ لَوْنِهِ وَشَعْرِهِ شَيْئًا

ترجمہ۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے۔ ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق۔ آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے زنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے۔ عارضی اور مثالی ابدان کے محلے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے۔

امام موسیٰ کافی النظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی۔

ترجمہ۔ موسیٰ کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ وادی میں اترتے لہیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لہیک کہنا اعمال عمرہ و حج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد و ثنا کے نغمے تو جنت میں بھی سہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لہیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں ان کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں منجبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں۔ لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری دوسری حدیث فاذا منیٰ

قائماً یصلیٰ فی قبرہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فان حقيقة الصلاة وهي الاتيان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح

لا بالادواح فقط۔

ترجمہ۔ نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجا لانا ابدان

سے ہوتا صرف ارادے سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی حضرت مولانا محمد علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون فلا مانع ان يحجون قال القرطبي حبت
اليهم العبادة فهم يعبدون بما يجدون من دواعي انفسهم^۱

ترجمہ۔ انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔
تو یہ بات ممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت
ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی
عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر وادی
حسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ
السلام کے گزرنے کی خبر دی، آپ نے کہا۔

مزيه هود وصالح عليهما السلام على بكرات خطبهما الليف ازسهم العباء
وارد يتم النما يلون يحجون البيت العتيق^۲

ترجمہ۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے
گزرے ہیں۔ ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی۔ ان کی لنگیاں۔۔۔ عبارت۔
اور چادریں۔۔۔ اون کی تمغیں۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف
کرنے جا رہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴/۴۷) لکھتے ہیں۔

اسنادہ حسن^۳

محدث شہیر حافظ ابوعلیؒ (۲۰۷ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت
ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی
برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آسکتے ہیں۔ تاہم ان کا جہاں عالم برزخ میں رہتا ہے نہ کہ یہ جہاں
معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سُرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ
علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ اس عالم (برزخ)
میں — نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور — کبھی فرماتے کاتی
انظر الیہ۔ گویا میں اپنی کو دیکھ رہا ہوں۔
اللہ رب العزت نے فرمایا۔

ولقد اتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔

(پ ۱۲۱ السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک
میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکہ
یا نظر بندی نہیں۔

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل
ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کو دیا گیا اور لیلۃ الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔
جب آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری
جماعت انبیاء سے بھی ہوئی۔ مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ نے حضرت موسیٰ کو ہی پایا تھا۔

حضرت علامہ نور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمی وقراءة القرآن عند الترمذی

ترجمہ۔ بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیات انبیاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اراد بالحیوة فعل الاعمال واكثر من في القبور في العطلة بخلاف المقربين

ترجمہ۔ حدیث میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے دُندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا، اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال قفل میں ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں ملا علی قاری تفسیر فرمایا ہے کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں ہر وہ ان اعمال حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں۔

الایمان بالافعال المختلفة اما تكون بالاشباح لا بالارواح

ترجمہ۔ یہ مختلف قسم کے افعال بجالاتا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے۔ صرف ارواح سے نہیں۔

حیات شہداء کی سبب میں حیات انبیاء کی یہ سبب منہا آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیات انبیاء ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے

یہ کرم فرمایا معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے۔ فیہی حدیث بعدہ یؤمنون۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء سے ملاقات

ہم حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پرشے میں زمین پر آنا اور حضورؐ کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر کرتے ہیں، ان میں موسیٰ علیہم السلام کی ملاقات بہت اہم ہے، کیونکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت سے کہا گیا ہے۔

فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔ (پ ۲۱: السجدہ، آیت ۲۳)

ترجمہ۔ آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح شہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں، برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں، پھر جب ان انبیاء نے حضورؐ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پاسکتا، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے۔

جس طرح شہداء کی رو میں سبز پرندوں کے قالب میں متحد ہوتی ہیں، انبیاء کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متحد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح و اجساد کے ساتھ تھی۔

محدثین نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، ہو سکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہو سکتا ہے انبیاء کرام اپنے اجسادِ اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح و اجسام دونوں سے ہو۔

عافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

واعمال الذین صلوا معہ فی البیت المقدس فیحتمل الارواح خاصۃ و یحتمل الاجساد بارواحہا۔

ترجمہ۔ وہ انبیاء جنہوں نے اس رات حضور کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو سکتا ہے کہ وہاں صرف روعیں متعبد ہوتی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آئی ہوں۔

ان ارواحهم تشکلت بصورة اجسادهم او حضرت اجسادهم لسلامة
النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشریفاً و تکریماً و ثبوتاً حدیث
عبدالرحمن بن ماشم عن انس فقیه و بعث له ادم و من دونہ
من الانبياء

ترجمہ۔ ان کی روعیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں ایسا حضور کی تشریف و تکریم کے لیے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے لیے حضرت آدم اور دوسرے سب انبیاء اٹھائے گئے (حاضر کئے گئے)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام حضور کے اعزاز و اکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آپہنچنا مان سکتے ہیں۔ وہ قدرت ایزدی سے ان انبیاء کے یہاں آنے اور جانے میں کبھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ آمد تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پاسکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبور سے آئیں بھی اور باذن الہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں۔ — ادد

یہ فاصلہ اور آنا جانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس و مشاہد نہ ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء کا اصلی اجساد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان حقائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے تھے۔ اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے۔ تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

صلواتہم فی اوقات مختلفہ و فی اماکن مختلفہ لاینہ العقل

و ثبت بہ النقل فدل ذلك علی حیاتہم

ترجمہ۔ ان کی (بیت المقدس میں) نماز اور وقتوں میں تھی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ملاقاتِ انبیاء پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں، ارشاد ہوتا ہے۔

وا سئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الہمة

یعبدون۔ (پ ۲۵، زخرف، ع ۴ آیت ۴۵)

ترجمہ۔ اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا کیا ہم

نے بنائے ہیں رحمن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضورؐ کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے

ملاقات ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لاکر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء سے پوچھنا مطلوب نہیں۔ ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کسی پیغمبر نے مہلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان

کیئے ہیں۔

یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج

میں ملاقات ہوئی یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش

کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین

سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔

اولا معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی انہی کی تائید ہوتی

ہے۔ دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) نے

بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے

کے بعد ان سے یہی بات پوچھی۔ ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی یہی معنی کوہی ظاہر معنی کہا گیا ہے۔

قیل هو علی ظاہرہ بان جمع له الرسل لیلۃ الاسراء وقتل المراد امام

من ای اهل الکتابین۔

ترجمہ۔ کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لیے معراج کی رات

جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ
آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر مرتجح نفلوں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے۔
فلا تکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراء
ترجمہ۔ سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (مختار اور حضرت موسیٰ)
لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وفی الجلالین قبل مو علی ظاہرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراء

ترجمہ۔ اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کا برات
آپ کے لیے تمام پیغمبر اکٹھے کیے گئے تھے۔

پرانے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا
سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہئیں۔ شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار
دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

والسوال فہنا معان عن النظر فی ادیان الانبیاء

ترجمہ۔ انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھیے، امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں۔

القانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقۃ الا

اذا قامت دلالة عقلیة قطعیة توجب الانصراف عنہ ومن لم

یعرف شیاء لم یخص فیہ

ترجمہ۔ اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا اسے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے اس کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیے اُترے گا۔

علامہ لغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں :-

فلما فرغ من الصلوة قال له جبریل اسئل یا محمد من ارسلنا هکذا
قول الزهري وسعيد بن جبير وابن زيد قالوا جمع له الرسل ليلة
الاسراء وامران يسأل به

ترجمہ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول میں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔ زہری، سعید بن جبیر، ابن زید کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لیے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

عن سعيد بن جبير قال ليلة اسرى به لقي الرسل وفيه
وامثل من ارسلنا به

ترجمہ۔ حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کہتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم بعث الله له ادم
واولاده من المرسلين الى ان قال جبريل تقدم يا محمد فصل بهم
فلما فرغ من الصلوة قال جبريل سل يا محمد من ارسلنا اليه

ترجمہ حضرت عبدالعزیز ابن عباس سے مروی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی
سیر کرائی گئی تو حضرت ادم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے کے تمام انبیاء بھیجے گئے
یہاں تک کہ جبریل نے کہا حضورؐ: آگے بڑھیں پس آپ نے انہیں نماز پڑھائی
جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے حضورؐ سے کہا آپ ان سے
پوچھ دیجیے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے۔

واستل من ارسلنا..... الآية قال الزهري وسعيد بن جبیر وابن زيد
ان جبريل قال ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم لما اسرى به فالمراد سوال
الانبياء في ذلك الوقت عند ملاقاته بهم صلى الله عليه وسلم وبه قال
جماعة من السلف

ترجمہ۔ اور آپ پوچھ دیجیے ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا زہری۔
سعید بن جبیر اور ابن زید کہتے ہیں جب حضورؐ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو جبریل نے
حضورؐ سے یہ بات کہی سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے
وقت آپ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت
نے کی ہے۔

علامہ محمد آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

اخرج الطبرانی وابن مردويه وايضاً في المختارة بسند صحيح عن
 ابن عباس انه قال في الآية اي من لقاء موسى واخرج ابن ابي حاتم
 عن ابي العالية انه قال كذلك فقيل له اوتى عليه الصلوة والسلام
 موسى قال نعم الا ترى الى قوله تعالى واسئل من ارسلنا ... اراد بذلك
 لقاءه صلى الله عليه وسلم اياه ليلة الاسراء كما ذكر في الصحيحين و
 غيرهما وروى نحو ذلك عن قتادة وجماعة من السلف وقاله
 المبروحين امتحن الزجاج بهذه الآية وكان المراد من قوله
فلا تكن في مريّة من لقاءه على وعده تعالى بنبية عليه الصلوة والسلام
 بلقاء موسى وتكون الآية نازلة قبل الاسراء.

ترجمہ طبرانی اور ابن مرفعیہ حضرت ابن عباس سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی عاتم ابو العالیہ (۹۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں
 نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ پر چھا گیا کیا واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام
 سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا
 اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور
 صحیح مسلم اور عدسری کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک
 جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مبروکی نے بھی یہی ظاہر ہوئی۔ جب آپ نے زجلج کا اس آیت
 میں امتحان لیا اور یہی مراد الہی ہے اور اس آیت میں فلا تكن في مريّة من لقاءه
 آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر ہے گی، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو موسیٰ سے
 ملاقات کرنے کا وعدہ دیا تھا یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی (سورہ
 ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا)۔

عن قتادة قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خازن النار قلت هذا هو الصحيح في تفسير هذه الآية.

ترجمہ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان انبیاء سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا۔ آپ آدم علیہ السلام کے

میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ) سعید بن جبیر (۹۵ھ) زہری (۱۲۴ھ) ابوالعالیہ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۴۱ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) وغیرم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔ چوتھی صدی کے امام طحاوی (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) بغدادی (۵۱۶ھ) امام نسفی (۵۳۶ھ) امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۱ھ) قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)

نہیں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ) شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آلوسی (۱۲۶۰ھ)

اور جو وہیں ہمدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلناکے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی صراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کی یہ اقتداء اور حضور سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح واجساد سے تھی اور بزنج میں ان کے اجسادِ کریمہ پر ایہ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجازی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہیے کہ اگر انبیاء کرام اپنے ارواح واجساد کے ساتھ اس رات حضور سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس موقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ توحید ہی قائم نہ ہوتا ہو۔ اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ توحید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر اے چیرہ دستاں الحذر

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے ماضی کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جرات و ہمت نہیں کرتے؟ محض اس لیے کہ کہیں ان کے معتقدان سے بگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کا پیرایہ بیان ملاحظہ

لہ ولقد اتینا موسیٰ الكتاب فلا تکن فی مریة من لقائہ قال قد کان قتادہ یفسرہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قد لقی موسیٰ لیلۃ الاسراء... ووافقہ علیہ جماعة منهم المعابد والکلبی والسدی۔ (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹)

فرمائیں کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کیئے ملا علی قاری لکھتے ہیں :-

قال المحافظ السيوطي استشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان
اجسادهم مستقره في قبورهم واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور
اجسادهم اذا حضرت اجسادهم لملاقاة النبي صلى الله عليه وسلم
تلك الليلة تشريفا وتكريما له

ترجمہ حافظ جلال الدین سیوطی کہتے ہیں (حضور کی) ان انبیاء کرام آسمانوں پر ملاقات ہر ایک شکل
وار ہے۔ ان اجساد عنقریب تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب
یہ دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے ان کی ارواح خود ان اجسام کی صورت میں متشکل ہو گئی ہوں یا ان
کے اجساد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے اور آپ کی تشریف و تکویم کے لیے
(ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں۔

کیا یہ الشریب العزت کی قدرت بعبید ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟
پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں :-

الذین صلوا معه في بيت المقدس ثم اجسادهم كأرواحهم
لطيفة غير كثيفة فلا مانع لظهورهم في عالم الملك والملاوت
على وجه الكمال بقدره ذو الجلال فان حقيقة الصلوة
وهي الايتان بالافعال المختلفة انما تكون بالاشباح لا بالارواح
ترجمہ جن حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس رات نماز پڑھی
..... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کثیف نہیں ہو
یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں اللہ ذوالجلال کی قدرت سے اس کامل
پیرایہ میں (روح و بدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں نماز کی حقیقت

اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجسام سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ
صرف ارواح سے۔

یہ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے شفاہا ملاقات تھی یہ کوئی خراب کی بات نہیں حضورؐ کی دنیوی
زندگی تھی اور ان کی برزخی (داسوائے حضرت عیسیٰ کے) اور یہ قدرتِ خداوندی کے عجائب ہیں
جنہیں حق سبحانہ و تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات جو دوسرے انبیاء سے ملاقات ہوئی اس میں
آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپ جب نزول
فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام سے کوئی اور ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء سے اس
طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم
اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی یہ ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔
جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشیبِ احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔
عائذ سید علیؒ (۱۱۹۱ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

فَكَذَلِكَ عِيسَىٰ إِذَا نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ يَرِي الْأَنْبِيَاءَ وَيَجْمَعُ بِهِمْ وَمِنْ
جَمَلَتِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْخُذُ عَنْدَهُ مَا أَحْتَا جَهَ الْيَدِ مِنْ
أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ لَهُ

ترجمہ۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر آئیں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام
کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

ہیں سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضور سے ملاقات

مافظ ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

والذی نفسی بیدہ لیتزلن عیسیٰ بن مریم ثم لن قام علی قبری
فقال یا محمد لا جبتہ یٰ

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آسی (۱۲۷۰ھ) بھی اسے مافظ ابو یعلیٰ سے اپنی الفاظ میں نقل کرتے ہیں:-

انہ علیہ السلام یاخذ الاحکام من نبینا صلی اللہ علیہ وسلم شفاہاً
بعد نزولہ وهو صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف واید بحديث
ابی یعلیٰ والذی نفسی بیدہ لیتزلن عیسیٰ بن مریم ثم لن قام علی قبری
وقال یا محمد لا جبتہ یٰ

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر ان سے مواخذہ احکام کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محدث ابو یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور (سلام کہیں)

یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضورؐ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

فليسلكن فحج الروحاء حاجا ومعترا فليقتن على قبري فليسلمن
علي ولا ردن عليه۔

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ روحانہ کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پر
بھی ضرور ٹھہریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام
دناؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ فحج و عمرہ سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے۔

ليهلن ابن مريم فحج الروحاء حاجا ومعترا اولينهما

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ فحج روحانہ کے مقام سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں
گے، تلبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قرآن کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برزخی زندگی میں۔ — البتہ لیلۃ الاسرار کی ملاقات میں یہ دونوں حضرت

اپنی دنیوی زندگی میں تھے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس رات شرف

صحابیت بھی پاگئے۔ کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو دیکھا کہ آپ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے، ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو

اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسرار میں حضورؐ کو دیکھا تھا۔ مگر آپ

چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لیے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

کا ہی رہا۔

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے پھینتے نہیں۔ ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دور محمدی ہے اور قانون شریعت محمدی — حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی طور پر قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیا دینی حکم نہ ہو) نہ آئے گی۔ یہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء اور حضور خاتم الانبیاء سے ہوں گی اور حضور ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی — لیکن کب؟ جب اللہ چاہے ان کی دنیوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حقیقہ کا ہی موقف نہیں۔ فقہ شافعی کے حلیل القدر امام علامہ یوسف الارودی بی بی ۲ (م) فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الابزار لا اعمال اللہ میں لکھتے ہیں۔

وكان صلى الله عليه وسلم يوحى عن الدنيا عند تلقى الوحي ولا تسقط عنه الصلوة وغيرها ومن يراه في المنام فقد رآه حقاً ولكن لا يجب العمل بما يسمعه الراى منه لعدم ضبطه و يخاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في قبورهم يصلون و يحجون كما ورد له

جب برزخِ موطنِ دنیوی میں سے ہے تو عالمِ برزخ میں انبیاءِ علیہم السلام کا سداہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں۔ انبیاءِ کرام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حضور سے ملے کوئی امر عبید نہیں ہے۔ اجہامِ لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے، اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کلن له قلب او القی السمع وهو شهید۔

ان اعمال کو دیوانِ حضرات کے عالمِ برزخ میں جلدی ہیں، ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزلِ موطنِ دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:-
برزخِ صغریٰ چوں از یک وجہ از موطنِ دنیوی است گنجائش ترقی دارد
واحوال این وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون
فی القبر شنیدہ باشند و حضرت پیغمبرِ عالیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند
کہ در قبر نمازے گزارد۔

ترجمہ: برزخِ صغریٰ ایک چھوٹا موطنِ دنیوی ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف جوں کے تو گوں ہیں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے مدینہ الانبیاء احياء یصلون فی القبر ہم سنی ہوگی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہائے ہم کس کے سامنے یہ داغِ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے اندازِ گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (پ ۱۴، حجرات ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم نبیخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں یہ حضرات انبیاء تلذذاً مصروف عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شان ارتقائی ہے۔ یہ قرب عالم خلق کے قبیل سے ہے قرب عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لیے ہے تو پھر یہ جنت میں یادِ الہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یادِ الہی کا ثبوت

وقالوا الحمد لله الذي هدانا لهذا۔ (پ ۱: الاعراف: ع ۵ آیت ۴۳)

ترجمہ۔ اور وہ کہیں گے تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخنشی۔

وقالوا الحمد لله الذي صدقنا وعده وادرننا الارض (پ ۱: زمر: آیت ۴)

ترجمہ جب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

وله الحمد في الآخرة۔ (پ ۱: السباغ: آیت ۱)

ترجمہ۔ اور اسی ذات کے لیے آخرت میں حمد ہے۔

دعواهم فيها سبحانك اللهم۔ (پ ۱: یونس: ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ۔ ان کی پکار جنت میں ہوگی سبحانك اللهم وبحمدك۔

وقيل الحمد لله رب العالمين۔ (پ ۱: زمر: ع ۸ آیت ۵)

ترجمہ۔ اور وہاں آواز سنی جائے گی الحمد لله رب العالمين۔

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ حمد باری کی صدائیں ہوں گی یا الہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایزدی وہاں بھی قرب الہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سبحانک اللہ تعالیٰ بھی پڑھیں الحمد للہ رب العالمین بھی پڑھیں سحیات سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوق عبادت کے لیے نہیں پڑھی جاسکتیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح و تحمید پر لگایا جائے گا۔

یلهمون التسبیح والتحمید

ترجمہ۔ ان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں۔

عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الہی میں مزید سبقت کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں امت کے لیے استغفار بھی جاری ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فماکان من حسن حمدت اللہ علیہ وماکان من سئی استغفرت اللہ لکم

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے

مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے ہوں۔ ان پر میں حمد باری بجاتا ہوں جو برے ہوں۔ ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا آپ کی وفات ایک امر آئی نہیں بلکہ ایک پورا موطن ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔

یہاں سلام کہنا سنت ہے جو اب دنیا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے

سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوہاً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لیے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں۔ جبر امت کے لیے دعائیں فرماتے ہیں۔

انبیاء کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال ہو۔ اس پر بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی۔ موت پر انبیاء کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہونے محفوظ رہے اور ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہونا تھا۔ جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامہ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ان کا سلسلہ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ تو ریٹ ہوگی نہ تملیک۔ ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدتِ وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا۔ اس پر حقیقہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا مہتار علی کے الفاظ میں پڑھیے :-

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن

لہ لاعدۃ علی ازواجہ لانہ حتیٰ فتزوجہن بانیہ (زرقانی علی الموابہ جلد ۵ ص ۲۳۲) لا عددۃ علیہن لانہ صلی اللہ علیہن صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ وکذلک سائر الانبیاء (مرقات جلد ۱ ص ۱۵۶)

کی حیات بعد شہید ہونے کے امرات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ نکاح اس لیے ناجائز نہیں کہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے ورنہ ازواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا۔ حالانکہ انہوں نے تاحیات اعدا امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا جاسکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اور ان کی وفات جیسی نہیں۔ آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیات انبیاء میں کریں گے۔ انبیاء کے بزخی اعمال اور ان کی بزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آچکی ہے اب ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ازواج شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ کبھی زمین پر سُنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

جمعة کے دن مومنین کی روہیں ان کی قبروں کے قریب آتی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) بھی اقتضائے الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں:-

جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا تو اسے وہ

روحیں پہچان لیتی ہیں۔

اس پر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:-

جب اعدا مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا۔

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی۔ — برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے اطلاق ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے اطلاق ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

انصال روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مانی جاسکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحمید سیالکوٹی لکھتے ہیں۔۔

ليس المراد بالحي فمهنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية بل ما يدرك الالء واللذة فاذا خلق الله فيه ادراكا يكون حيا لاجدادا . . .

ترجمہ یہاں زندہ ایسا زندہ مراد نہیں جس میں روح (کاملہ) لوٹائی گئی ہو اور اس کے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی ملوے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحت قبر پاکسے۔ سوجب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہو گا زندہ ہو گا (گو کسی درجے میں زندہ ہو)۔

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے اور حدیث براہ بن عازبؓ کو علماء اہل سنت کے ہاں تو اثر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تو اثر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ تمسکین نے اعادۂ روح کی بجائے انصال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز پر ہاروی لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔۔

هذا جواب اشكال اورده المعتزلة . . .

ترجمہ۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے جو معتزلہ پیش کرتے ہیں (یہ صورت جواب الزام ہے)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ص ۱۰۵۲) لکھتے ہیں :-

بسیارے انداز شاعرہ و خفیہ و راعادہ روح تردد کردہ اند و تلازم روح و حیات
را منع نمودہ ہے۔

ترجمہ بہت سے اشاعرہ اور خفیہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور
اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لیے روح کا عود کرنا ضروری ہے۔

اعادہ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادہ کامل نہیں یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے
یہ اعادہ مستممہ نہیں، اتنا ہے کہ الم ولذت کا ادراک ہوتا رہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں
اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادہ روح کے خلاف
پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پکے الزمر آیت ۴۲ میں ہے :-

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی

قضی علیہا الموت و یرسل الآخری الی اجل مسی۔

ترجمہ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہوں گے مرنے کا اور جو نہ مریں

ان کی کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنے کا ٹھہرایا اور

دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کر تلبہ موت والے

کی روک رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ

جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور

نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لیے دو چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ ۱۔ روح کا بدن سے نکلنا اور ۲۔ آثار حیات

کا باقی نہ رہتا۔ نیند والے سے آثارِ حیات منتفی نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بتوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دُنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منتفی نہ ہوں تو یہ ایک جلدی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثارِ حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جاسکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیاتِ کلیۃً زائل بھی ہوئی اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ روکے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے روکے رکھنا) قیامت تک کے لیے ہے۔ سو قبر میں تقاعد الی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہریہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

جواب اہل سنت

① — قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دُنیا) کے اعتبار سے ہے۔ امساک (موت والے کی روح روکے رکھتا) اور ارسال (نیز والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا دونوں اسی جہان کے عمل ہیں۔ جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دُنیا کی ہیں قبر میں روح کا لٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دُنیا کے حالات میں سے نہیں۔

عالمِ آخرت میں روح کا بدن میں لٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مستمم ہے۔ سو امساک اُن کے ہاں بھی ہمیشہ کے لیے نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں — پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال و جواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے۔

② — موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے۔ موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کٹتا ہے اور اسے وہ زندگی نہیں ملتی جو اچھے اس دُنیا میں حاصل تھی۔ قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیاتِ قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ای یقبضہا عن الابدان بان یقطع تعلقاتہا تعلق التصرف فیہا عنہا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طوور کہ اس طرح کا ابدان سے تعلق تصرف

قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ و تنہیہ کی صورت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مہتمم نانویؒ (۱۳۶۳ء) بھی لکھتے ہیں :-

ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں محفل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کرتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادۃ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تو اثر کے درجے کو پہنچتی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں :-

فامساكہ سبحانہ التی قضی علیہ الموت لا ینافی ردھا الی جسدھا
المیت فی وقت ماردًا عارضًا لا یوجب لہ الحیوة المعہودۃ فی الدنیا
واذا کان النائم روحہ فی جسدہ وهو حی و حیاتیہ غیر حیة المستیقظ
فان النوم شقیق الموت فہکذا المیت اذا اعدت روحہ الی بدنہ
کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتامل هذا یریح عنک اشکالات
کثیرة۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی۔ اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی

مہین ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں ٹوٹائی جائے تو اس کا
حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل
ہے۔ اس پر غور کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات
زائل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کو لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں
یہ عام اموات دفن ہوتے ہیں۔ ان کی اصل ضد انبیاء کی قبور سے ہے۔ ان کے مزارات کو جہاں نابین
حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضہ جنت ماننے کے لیے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں
حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر (جو مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک
کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جدوجہد اور جوش
و دلولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی قبر نہیں وہ عالم بالا میں کی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آگیا۔ جب یہ
بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی
قبر ہے۔ اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ
کرتے۔ یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے برتر و افضل ہے اور یہی وہ
جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

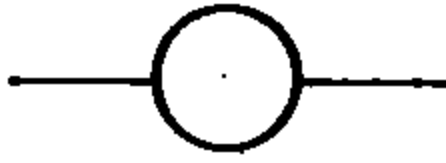
قبر کی وسعت و فسحت کو اس ظاہری قبر سے کلیتہً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے
مقتل نہ ہونے دنیا یہ ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے دعا کیجئے اللہ
تعالیٰ حق سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے متزلزلہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

مقترکہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو اقرار کر لیتے ہیں کہ میت کی قبر میں بزرخی زندگی برحق ہے اور اس پر الم و راحت کی کیفیتیں بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لیے یہاں کھودا جاتا ہے۔ یہ کوئی عالم بزرخ کا مقبرہ ہے یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی قبر کہاں ہے۔ سو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار۔ متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے۔ اثبات شریعت کے لیے فقہاء و محدثین ہی امت کے امناء ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن و حدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلک محدثین کیلئے ہے اور وہی برحق ہے اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتانے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لیے متکلمین اٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی۔ قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ اس کے ایک پردے کی پہلو کی خبر مزید تھی۔ افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسلک العلماء کے مدعی ہوتے۔ حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے مقترکہ اور کرامیہ کو لا جواب کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔



قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء کے کئی اقتضار موجود ہیں۔

۱۔ واسئل من رسلنا من قبلك من سلنا رپ انور اولقد اتينا موسى الكتاب فلا يكن في مرتين قلل رپ الہجرہ

۲۔ ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل اللہ سوات رپ البقرہ ۴۔ بل احياء عند ربهم يرزقون رپ آل عمران

یہ آیات گو اس موضوع پر عبارتہ المنص نہیں لیکن ان میں اس پر دلالت انص موجود ہے۔

پانچ باتیں معلوم ہوئیں :-

- ① قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام حالاً زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالت المنص سے ثابت ہے
- ② انبیاء کرام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لیے کافی ہے
- ③ انبیاء کی یہ حیات بعد الوفا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سبب علمای حق قائل گزرے ہیں۔
- ④ جن علماء نے قرآن سے حیاہ الانبیاء ثابت کی ان کے لیے دعا ہے زادہم اللہ شرفاً ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔
- ⑤ ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لا شعرون (نہ کہ ان کے لیے پندوں کی سی زندگی پر غور کریں۔



قبر کی حقیقت

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

قبر کا شریعت نے اس کی دلالت لغوی کے ورار کوئی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا۔ یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت و منحت بتائی جو اس دنیا سے پردہ غیب میں ہے۔ سو اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جانے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں تو یہ قبر اس میت پر تنگ ہو چکی۔ ورنہ یہی گڑھا عالم غیب میں ایک پورا باغ ہے۔ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دنیا سے بھی اور برزخ سے بھی۔

۱۔ رواہ ابن ماجہ ص ۳۱۵ ۲۔ فیقال للارض التی علیہ فتختلف اضلاعہ فلا يزال فیہا معذباً حتی یبعثہ اللہ من مضجعه ذلک رواہ الترمذی جلد ۱ ص ۱۲۶ ۳۔ القبر روضۃ من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران کہ حضرت شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ والمراد بالعتبر عالم البرزخ وهو عالم بین الدنیا والآخرۃ لہ تعلق بكل منہما (تنقیح اللغات جلد ۱ ص ۱۸۹) قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو مقام نہ اس گوتی کہ مردہ را درو گو رکندہ را شتۃ اللغات جلد ۱ ص ۱۲۱) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو

صلوٰۃ (نماز) ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے۔ زکوٰۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ حج ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی مخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی مخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے۔ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں۔ قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں۔ ہاں اس کی وسعت و فصاحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفن (یا اس کے ذرات منتشرہ) سے اشراق و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں قبر کے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے۔ بلنگوں کی طرح دور کے چکر دینا۔ دور۔ دور۔ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات باطنی فرقے کے لوگوں کو تو چھٹی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام اطلاعات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھوجائیں۔ جب شریعت نے قبر کی وسعت و فصاحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء عاقدین کو ملنگ بننے

دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی۔ جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مرتبط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارہ اور سر ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مرتبط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جاسکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب اسی غیر محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ لیس المراد بہ المحفرة التي يدفن فیہ الميت قرب میت لا یدفن کالفریق والمحرور والماسکول فی بطن حیوانات یعذب

کی کیا ضرورت ہے۔

آئیے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ

کبھی کہاں کسی اور غیب کی دادی پر بھی بولا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک آیت ازلے وقت کی خبر دی گئی ہے — فرمایا۔

اذا القبور بعثت۔ (نپ: الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کُردی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان جان لے گی۔ اس

نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے تھوڑا۔

مردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد۔ یہ بات بحث طلب ہے

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مردے زندہ

کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اُپر آجائے گی سب قبریں زیر و زبر

کُردی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالم غیب کی کسی دادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی

ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پر عاضری دیتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی۔

اذا بعثنا حف القبور۔ (نپ: العاديات آیت ۹)

ترجمہ جب اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مردے کو کہاں پر وہ ملتا ہے؟

قرآن پاک میں ہی دیکھئے :-

فاما تہ فاتبرہ۔ (نپ: عبس آیت ۱۱)

ترجمہ پھر اُسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مردے کو پردے میں کیا جاتا ہے۔ یہ

یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔
یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ وہ اس
لائق ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کی جائے۔

لا تقبل علی احد منہم مات ابدًا ولا تقم علی قبرہ۔ (پ: التوبہ آیت ۸۴ ع ۱۱)

اور یہی اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس کی قبر پر کھڑے تھے۔

وقام علی قبرہ۔

ترجمہ۔ اور آپ اس کی قبر پر ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر کبھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے
کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کر سکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جا سکیں
قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم
کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ۔ اس کی وسعت و فسحت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قبر اسی
کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا گے اسی ایک بزخنی وسعت ہے
مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟
بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں
کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ بدعت نہیں
تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا بزخنی کنارہ اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی
دوسرے حصے پر پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا
انکار کیسے نکل آیا؟ بزخنی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام
کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

قبر اجدادِ پیش کی روشنی میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزودوها

ترجمہ میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اب کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا :-

ان الميت اذا وضع في قبره

کہ میت جب قبر میں اتاری جائے ... الحدیث

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے۔ یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ علیین کی جگہ

کے لیے ہے۔

③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا :-

يهود تعذب في قبورهم

یہاں قبور کیا اپنی گڑھوں کو نہیں کہا گیا ہے۔ کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی۔

④ آپ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی؟

ان اولئك اذ كان فيهم الرجل الصالح فمات بنوا على قبره مسجداً

ترجمہ۔ ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس)

جائے عبادت بنا دیتے۔

۱۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۱ کما فی مشکوٰۃ ص ۱۵۴ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶ ۲۔ ایضاً جلد ۲ ص ۲۸۶

۳۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۱۱

⑤ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دیکھئے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۴۶ کا باب مابین قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنبرہ۔ الفاظ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں :-

مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ متفق علیہ
ترجمہ جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے
ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں۔

⑥ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے :-

قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبورا نبیائہم مساجد^۱

ترجمہ۔ اللہ یہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ
گاہیں بنا لیا۔

⑦ ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

(عن ابن عمر مرفوعاً) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن
زارنی فی حیاتی^۲

ترجمہ جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے
جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

⑧ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا۔ اس کی
ضرورت ہے۔ مگر کس لیے ؟

۱۔ متواتر السراج المنیر جلد ۴ ص ۱۹۶ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۳ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۰۱ رواہ البیہقی فی
فی شعب الامیان کذا فی مشکوٰۃ ص ۱۴۹

لقبورنا و بیوتنا ہماری قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے

یہاں قبور اپنی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن

کیا جاتا ہے نہ کسی پڑے کے جہان کو۔

⑨ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے:-

يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم و انتم سلفنا و نحن بالاثرتہ

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سو اپنی

قبروں کے پاس ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

⑩ ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا:-

لا تؤذ صاحب القبر ولا يؤذيك۔

ترجمہ تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ

رہے ہیں تو اور اس سے کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اعلیٰ علیتین میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذا

رسانی کے لیے جاسکتا ہے؟

⑪ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

ان هذه الامة تبثلى في قبورها فلولا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان يسمعكم

من عذاب القبر۔

ترجمہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم

اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرنا کہ وہ تمہیں بھی

عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱ ۲۔ رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ ص ۱۵۴ ۳۔ رواہ الطحاوی جلد ۱ ص ۲۹۶

۴۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶

۱۲) آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لسانِ شریعت میں قبریں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں یہی گڑھے ہیں۔

لا تجلسوا علی القبور ولا تصلو علیہا۔

ترجمہ: تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

اذا وضعتہ موتا کفر فی قبورہم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔

ترجمہ: جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔

مجھ کو اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کر دو کیونکہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفر اللہ

۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے :-

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں

جانے عبادت بنانے والے مردوں اور ان دینے جانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائراتِ قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی ہستی میں نیابتِ قبر کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ ان ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

۱۵) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

۱۔ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۵ ۲۔ مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۲۶۶ ۳۔ رواہ ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۵۱ سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۲۲ طیب السی ص ۲۵۴ اولہ فی الشکوۃ ص ۱۵۲ وتمامہ فی ص ۱۵۲

بعد نزل وفات پاکر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے نفل قبر سے کون سی جگہ
مراد لی تھی یہی مدینہ منورہ کا روضہ اطہر یا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی — اس پر کبھی فرست
میں غور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

يُنزَلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُولَدُ لَهُ وَيَمْكُثُ خَمْسًا
وَأَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِي قَبْرِى فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ بَيْنَ ابْنِ بَكْرَةَ وَعَمْرٍ ۝

ترجمہ حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد
بھی ہوگی پچھتالیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس
میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے
اور ہم دونوں ابوبکر اور عمرؓ کے بائیں ہوں گے۔

①۹ ایک اور جگہ ارشاد نبویؐ ہے۔

لِيُنزَلَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ تَدُلُّنَ قَامَ عَلِيٍّ قَبْرِى . . . لِأَجْبِيْتَهُ ۝

ترجمہ حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لیے)
ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

①۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ قبر کے کہہ رہے تھے؟

اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِى وَثَنًا يَصِلُ إِلَيْهِ فَإِنَّهُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى
قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ ۝

ترجمہ اے اللہ! میری قبر کو معبود نہ بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں اس قوم
پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جلے عبادت بنا لیا۔

۱۰ مشکوٰۃ مشرق ۴۸۰ روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۲۵۵ الحدادی للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۹ ۱۰ المصنف

لعبدالرزاق جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ و نسخہ فی جلد ۸ صفحہ ۲۶۴

ترجمہ میں نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لیے کہا جا رہا ہے۔ یہی ناکہ جسے ہم روضہ رسول کہتے ہیں
 ۱۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟
 الارض کلہا مسجد الا القبر والمحمم۔

ترجمہ کل صنفہ زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔
 ۱۹) پھر آپ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ
 نے اعلیٰ اعلیٰ میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سُرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اُس کا
 مشاہدہ کیا تھا؟

مررت علی موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عند الکئیب الاحمر وهو قائم صلی
 فی قبرہ۔

ترجمہ جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میری قبر موسیٰ پر گزرا وہ سورخ ٹیلے کے
 پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا
 اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ
 رکھ کر خود بھی بھٹکے اور اوروں کو بھی بھٹکا رہے ہیں اللہ ان پر رحم کرے۔

۲۰) حضور کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرماتے ہیں۔
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کی
 روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جہاد محض کو روشنی
 اور اندھیرا دونوں برابر ہیں، پھر حضور نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

قبر کا اطلاق — صحابہ کرام کے بیانات میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اس گڑھے پر رکھی تھی یا علم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر — اس پر غور فرمادیں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں، حدیث میں صاف طور پر انہیں قبر کہا گیا ہے۔ سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انهما ليعذبان ۛ

ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے (یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوة احد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت فرماتے ہیں :-

کان یجمع الثلاثة والاثنين فی قبر واحد ۛ

ترجمہ حضور تین تین اور دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے تھے۔

③ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :-

القبر القبر ۛ یہ سامنے قبر ہے قبر ہے

یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہیے۔

④ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ دخل رجلاً قبره ليلاً واسرج في قبره
ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا
اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

⑤ حضرت بیدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ
تقل فرماتے ہیں کہ :-

واوصى بريدة الاسلمى ان يجعل في قبره جريدان

ترجمہ: حضرت بیدہؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی
رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھ یا کچھ اور۔

⑥ حضرت عمرو بن عاصؓ (۶۷ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور
میری قبر پر پٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا کھرا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جاسکتا ہے
تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں۔ آپ نے فرمایا :-

ثم اقبلوا حول قبری و صر ما ينحر الجذور و يقسم لحمها حتى استانس بكم

واعلم ما اذا راجع به رسول ربى

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد مٹھرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا
گوشت تقسیم ہو جائے میں تم سے اس دور تک (مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ
اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

من السنة ان تأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم من قبل القبلة وتجعل

ظهرك الى القبلة وتستقبل القبر بوجهك

ترجمہ سنت یہ ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر قبلہ کی طرف سے
آؤ پھر تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور تمہارے چہرے کا رخ
قبر کی طرف رہے

⑧ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى على قبر امرأة بعد ما دفنت به .

ترجمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ)
پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم . احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی
زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین
برزخ ہے۔ اس کی بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی
زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں
یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فيقال للارض التي عليه قتلت عليه فتختلف اضلاعه .

ترجمہ پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا ہو زمین اس
پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر نہیں آرہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب
ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں۔ لسانِ شریعت کے ان عام اطلاق کا کھلا انکار
اور تو اتر امت سے ایک کھلا انکار ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہر شریعت کا انکار کر رہے
ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پٹے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آئیے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے سن لیں صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) سے منقول ہے۔

عن ابی حنیفۃ ان الزائر یتقبل القبۃ ویستدبر القبۃ۔

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) عافری دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں، حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث و فقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے۔ دین کلام میں متوازی نظریات کا رد اور استدلال پر عقل و امکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں ہیں اور مشکلمین جب معتزلہ کے امکانی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں۔ اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مردوں کے لیے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پتہ دینا ہوتا ہے۔ اس موقع پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے۔ یہ عالم برزخ کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، نہ یہ کہ یہ حدیث و فقہ کی اصطلاح ہے۔

ولیس المراد بہ المحررة التي يدفن فیہ المیت قرب میت لا یدفن کالغریق

والمحروق و الماکول فی بطن المیوانات یعذب و ینعرو ویسأل بہ

ترجمہ۔ قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے

تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا جسے جنگل کے حیوانا

کہا لیں اور وہ ان کے پیٹ میں سہا سے بھی تو عذاب قبر تو ہوتا ہے اور سوال و جواب کی نوبت آتی ہے۔
قاضی شمس الدین صاحب بھی اقرار کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محفور فی الارض کو ہی عرف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب سبحانہ میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محفور فی الارض ہے مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب و حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔

ہمیں متکلمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں۔ اس کی تفسیح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث و فقہ کے سہارے کون لوگ چل رہے ہیں اور کون لوگ متکلمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تفسیح کے درپے ہیں۔ حدیث و فقہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضور کے بہت بعد ہوا ہے۔

الانبیاء احياء في قبورهم يصلون الفاظ حدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کون سا انصاف ہے اور کون سی شان علم ہے۔

شہداء احد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضور گزرے اور فرمایا۔

اللهم ان عبدك وبنيتك يشهد ان هؤلاء شهداء وانهم من ذراريهم اد
سلم عليهم الى يوم القيمة رادوا عليه بله

ترجمہ۔ اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے اور جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

پھر آپ حضرت مصعب بن زبیر کی قبر پر پھہرے اور فرمایا :-

اللهم ان عبدك وبنيتك يشهدان هولا وشهداء فاقوموا وسلموا
عليهم فلن يسلم عليهم احد ما قامت السموات والارض والرحمة اعلية

اے اللہ! تیرا بنی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں۔ لوگو! ان کے پاس

آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو۔ جب تک

زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ۔ عالم بزدخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین

نہ تھی۔ اعلیٰ علیین یا سحین نیوں اور بڑوں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو ملا اعلیٰ کے دفتر کا نام

علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لیے ماضی دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سحین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ اور مٹی کا گھر ہے۔ جسے

متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ اطلاق صحابہ اور امام ابو حنیفہ کی شہادت

آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت

ابو سعید الخدریٰ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ

تمام لذتوں کو مٹا دیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی :-

انا بیت الغربة وانا بیت الوحدة وانا بیت التراب وانا بیت

الدور رواہ الترمذی

ترجمہ۔ میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کٹیروں

کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح

کے مسکن ہیں۔ یاد رکھیے قبر آخر قبر ہے۔ اور وہ یہی ہے

معنی قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب کے سامنے یہ تحریر لکھی اور حضور کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے۔ وفات کے بعد نبی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روحہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوة و سلام سنتے ہیں۔ محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی واردات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعائیں کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں۔ وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لیے دعا کرنا کس لیے ہے؟ وہاں تو مرنے والا نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لیے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے لگالی ہے۔ تذکرہ آخرت سے ہمیں

انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن کیا مرحوم کے فائدے کے لیے وہاں جانا اور اس کے لیے دُعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑپڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پر ایلام و تنعیم کی کیفیات گزرتی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لیے دعا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے۔
قبر پر دُعا کے لیے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے :-
وَلَا تَصِلْ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا لِقَاءَ عَلٰی قَبْرِهِ۔

(نپ: التوبہ: ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دُعا کے لیے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے۔ کس لیے؟ دُعا کے لیے۔
حافظ ابن کثیر (۴، ۵، ۶) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دُعا کی۔ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ علی منافق ولاقام علی قبرہ
حتی قبضہ اللہ بہ

سیدنا حضرت عثمان روایت کرتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ
فقال استغفروا لانحیکم ثم سلواہ التثیبت فانه الان یسئل بہ

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی
قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور اس

کے لیے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پوچھا جا رہا ہے۔

اگر یہ سوال و جواب اسی قبر میں نہیں تو اس قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دُعا کیوں؟
کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھا
کر دُعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ ذوالجناہین کے جنازہ میں موجود تھے آپ کہتے
ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم
کے لیے دعا فرمائی۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يده

ترجمہ جب آپ اس کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑے تو فاتح مصر سیدنا حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے
بیٹے حلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے
دفن سے فارغ ہو جاؤ، تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا تاکہ میں بہتاری حاضری
سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر و نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب
دے سکوں:-

ثم اقبلوا حول قبری قبر ما ينحرون جزور ويستموا لحمي حاجتي استانس

بكم واعلموا ما اذا اراجع به رسل ربي

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر چرس میں لوگوں
نے اس وقت آپ کو اتارا ہے۔ یہ سوال و جواب جس پر پورا تر نے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ
علیٰ میں یا اس قبر میں۔ اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھ ہے تو خدا را انصاف کیجئے حضرت
عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کر کے اس طرح ان سے مانوس ہونے کے
طلب کا رہیں۔

سوال و جواب اسی قبر میں

قبر کا سوال و جواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں، سو اس سے سوال کہاں ہو گا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی سبب میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے (اذا سئل فی القبر) لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے لفظ قبر کی تخصیص اس لیے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اتاری جاتی ہیں، سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بنا پر ہے۔ ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے پھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہوگی اور وہیں اس سے سوال ہو گا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:-

اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة او كل موضع فيه مقبرة
فہو قبرہ

ترجمہ: جب قبر میں سوال ہو قبر کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا سرورہ جگہ جہاں اس میت کا مقبرہ ہے وہی اس کی قبر ہے (جہاں یہ سوال و جواب ہو گیا)۔ یہاں لفظ او (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے۔

افسوس کہ بعض نادان اس عبارت کو سمجھ نہیں پاتے اور انہوں نے اس سے عینین اور سنجین کے مقامات مراد لے لیے۔ کاش! کہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال و جواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ آپ اس سبب میں لکھتے ہیں:-

(وفی الآخرہ) ای البرزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السؤال وهو الصحیح كما وقع بالتصريح

ترجمہ: آخرت کے لئے عالم نزع یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا اور یہ کیا کہا گیا ہے کہ اس نزعیہ قبر اور یہود و کفر باریہ کی حالت صحیح
اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبل ہمیشہ ضعف مقولہ کے لیے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی
ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لیے ثابت قدمی کی
دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسؤال التثبيت
له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر و
قد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر وفيه ايضا
دليل على ان الميت يسئل في القبر وقد وردت به ايضا احاديث
صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضا ما يدل على ان السؤال
في القبر مختص بهذه الامة كما في حديث زيد بن ثابت عنه مسلم
ان هذه الامة تبلى في قبورها وبذلك جزم الحكيم الترمذي^{له}

ترجمہ: اس میں میت کے لیے ذفن سے قرأت کے مغفرت طلب کرنے کی شروعات اور اس کے لیے ثابت
قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سوال کیا جا رہا ہوتا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت
کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی
حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت کے سوال و جواب قبر میں ہوتے ہیں
اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی
روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح
مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلا کا
سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) اسی کے قائل تھے۔

مقرر اموات یہی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔
قرآن کریم میں ہے:-

الذی یجعل الارض کفناً ۰ احياء و امواتاً ۰ (پہلی المراتب آیت ۲۵-۲۶)
ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا؟ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت و تکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر آتی ہے۔ عذابِ قبر اسی زمین میں ہوتا ہے۔ قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لیے اٹھنا ہوگا۔
حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:-

زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا..... جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرتِ عظمیٰ سے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کیا وہ میدانِ حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔

جب انسانوں کی تکلیف و راحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات و ہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہوگی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی)

کیا اس زمین سے خدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظر راحت قبر ہو یا عذاب قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا۔ جسے اس دنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سُن سکیں۔

آپ ارواح کے مقرر علیین یا سجدین کو ٹھہرائیں آپ کو کون روکتا ہے بلکہ ابدان یا ابدان کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اُسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لیے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدان ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبریں دی گئی ہیں۔ کیا مرنے کے بعد یہی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لیے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نہیں کیا؟

منہا خلقنا کم و فیہا نفیدکم و منہا نخرجکم تارۃً اخریٰ ط
ترجمہ ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے
اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقدہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت و الم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو سہارے اور ان حالات کے بائیں ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ چھٹتا ہے، مگر بعض غاصبان خدا کے لیے وہ کبھی کراہت اٹھاتا بھی ہے یہ یہاں رہتے ہیں بھی وہاں کی کوئی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

اجاب گرامی قدر! تم اس بے زندگی کے لیے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں کھو گئے۔ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لیے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی ہمیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لیے اس کا ماننا مشکل ہے کیا یونون بالضب روہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، اس امت کی شان نہیں؟ قرآن و حدیث چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لو گے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے۔

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں۔ اگر کسی جلنے والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرئی صورت میں بھی کہیں نہیں؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لیے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہر کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

قرآن و حدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے کسی فرق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعویٰ یہ ہو۔

وَلَقَدْ بَيَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ

(پ، القمر آیت ۱۷)

ترجمہ قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا ہے کوئی
نصیحت حاصل کرنے والا؟
قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ — کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے اصول
ہدایت بہت آسان ہیں۔

دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیتہً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ
نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے الفاظ انہیں معنوں
پر محمول ہوں گے جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔ اگر کچھ باتیں اس
سے وراہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشان دہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ
اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے۔

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں
ہے اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں۔

بلغنا انہ من وقف عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتلا هذه الآية

ان اللہ وملتکته یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

ترجمہ۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر
آئے اور یہ آیت پڑھے۔ اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو۔

پ ۲۲ الاحزاب آیت ۵۶

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ
منورہ کا روضہ اطہر ہی آئے گا۔ یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقامِ عِلِّیِّین تک اُڑے گا۔ آخر
کچھ تو سوچئے کہاں تک پہنچے چلے جاؤ گے۔

معنی قبر پر سعودی پیشوا امام عبدالعزیز اول کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بیانات سے نقل کرتے ہیں اس اور متاخر میں بھی علماء اسلام نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے۔ بجنڈ کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اول لکھتے ہیں :-

صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لیے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی ناکہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضرا میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ حضور کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے، کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء بجنڈ کے عقیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پردے میں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ علماء اسلام میں سے آپ کی اس قبر میں حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ اسی حیات سے اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے میں ہونے کے باعث برزخی کہیں، قبر پر آنے والوں کا صلوة و سلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پر ہے کہ ہمارے مخالفین حضور کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مبارک

بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ کو برزخی حیات بھی ہرگز حاصل نہیں ولم یقل بہ لحد من السلف والخلف من علماء اهل السنة والجماعة۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے امام عبداللہ کی شہادت

اور حضور کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر مخصوص ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں بلکہ اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے۔ آپ زائرین کے صلوة و سلام کو کہاں سن رہے ہیں۔

سرخیل علماء نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبداللطیف کا تھا اس سے اہل علم نا آشنا نہیں آپ نے مسئلہ عذاب قبر اور مقام قبر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔

① شہادت در بارہ عذاب قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یکہ جسموں میں روحوں کو ڈالاجائے گا ایمان لاتے ہیں۔

② شہادت در بارہ مقام قبر اور حیات قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ۔ اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم میں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ولو ترى اذ الظالمون في غمرات الموت والملئكة باسطوا ايديهم

اخرجوا انفسكم - (پ الانعام ع ۱۱ آیت ۹۴)

ترجمہ - اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھبراتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جبین آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔

فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے :-

يضربون وجوههم وادبارهم - (پ الانفال ع ۷ آیت ۵۰)

ترجمہ - فرشتے پٹختے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا۔ اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور چھو بھی رہا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آ رہے مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملائکہ اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ یہیں مدینہ میں بیٹھے ملائکہ اعلیٰ میں فرشتوں کا اختتام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرہ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملاز اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا وہاں آنا جانا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذن الہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اُدّ پختے درجے کے اولیاء کیا وہ بھی ملاز اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ تے بار بار یہ پردے ہٹائے ہیں۔ انہیں اس ملاز اعلیٰ سے ایک خاص انس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اتر کر بھی ان سے مل جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملاز اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ يَدُ صُوْرَةَ التَّمٰثِيْلِ
الَّتِي فِيْهَا الْاَرْوَاحُ۔

ترجمہ۔ فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذمی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سنی تو باہر نکلے۔

فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَادِئًا هُوَ بِحَبِيْبٍ يَلُتَّاعِرُ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ
مَا مَنَعُكَ اَنْ تَدْخُلِيْ قَالَ اِنْ فِي الْبَيْتِ كَلْبًا وَاَنَا لَا تَدْخُلِيْ بَيْتًا
فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ۔

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل دروازے پر کھڑے ہیں

آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ محاذ خندق سے واپس آئے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا:

آفاه جبریل فقال قد وضعت السلاح والله ما وضعتناہ | خرج الیہم
قال فالی ابن قال ہینا و اشار الی بنی قریظہ فخرج النبی صلی اللہ
علیہ وسلم الیہم ۛ

ترجمہ آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ نے کہا کہ ہر حضرت جبریل نے کہا، ادھر اور نبو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہوئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کالمین کے لیے بھی فرشتوں کی یہ روایت ممکن ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے جنگ اُحد کے دن حضورؐ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے۔

رایت یوم احد عن یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن یسارہ
رجلین علیہما ثياب بیض یقاتلان عنہ کاشد القتال ما رأیتہما
قبل ولا بعد ۛ

ترجمہ میں نے جنگ اُحد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو
شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے نہ انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں :-

فرشتہ اپنی اصل ہیئت و صورت میں سامنے آجاتے تو اس کی ہیئت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ . . . دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وانہم قد یظہرون لافاضل الاذمین فیشر ونہم ویبذرونہم
ترجمہ اور فرشتے اس زمین پر آؤ نچے درجے کے لوگوں کے لیے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارت اور کبھی نذرات کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں :-

اذا جمعا اجتماعات کیف شاء اللہ و حیث شاء اللہ

اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر محبت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فوراً عذاب اترتا ہے — اس لیے الہی حکمت مقتضی ہوئی کہ عذاب کا پیغام انسانوں پر اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی ادائیں

وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکاً لقضى الامم شملہ
ینظرون ہ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیہم ما یلبسونہ (پ: الانعام ع آیت ۹)

ترجمہ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتر اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ

اُتارتے تو اسی وقت قطعے ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پاسکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں، اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصل صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیبت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے طار اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ پر طار اعلیٰ کے کچھ جلے اُتار دیئے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہاںوں کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن جسدا طہر ایک برزخی پیرائے میں فائز حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کونسا علم و دانش کا تقاضا ہے۔ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں یوحی الہی کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ و کفی باللہ شہیدا۔ برزخ کے بعد عالم آخرت ہے۔ اور یہ بھی نبی پاک کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا — ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں حقائق و معانی حسبِ حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں۔

عالمِ مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالمِ ارواح کے سوا حیاتِ انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے یہ عالمِ عنصری نہیں اسے عالمِ مثال کہتے ہیں :-

دلت احادیث کثیرة علی ان فی الوجود عالمًا غیر عنصری یتمثل فیہ
المعانی باجسام مناسبة لہا فی الصفة

ترجمہ: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں۔ اس میں معانی صفت اور اعراض اُس اُس صورتِ اجسام میں متمثل ہوتے ہیں جو صفت میں اُن کے مناسب ہو۔

یہ گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالمِ شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار

۱۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا قیامت کے دن آنا اعمال کا، جو اعراض میں متحد ہونا، دنیا کا بڑھی عورت کی شکل میں آنا موت کا مینڈھ کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔ ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۱ مصر ۳۔ عالمِ شہادت اور عالمِ غیب ایک دوسرے اعتبار سے عالم کی تقسیم ہے۔ ان دونوں کو عالم الغیب والشہادۃ (پ ۲۸۱ آیت ۲۲) ہی جانتے ہیں۔ عالمِ شہادت ہمارے سامنے ہے اور عالم الغیب کی چابیاں تو ہیں اسی کے پاس — اس لئے جو جن جنویات کا پتہ دیا۔ ان کے سوا ان کی غیر غیب بھی کسی کے سوا نہیں۔

یا جسم body material نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں Modes میں جاندار اور جسم کو نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مری visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی Evil ایک کربہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالم مثال کی شبیہیں اور تصویریں ہیں۔ دنیا کا ایک بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا، اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں کبھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں جنور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ صورت لی الجنة و النار اسی قبیل سے ہے جنت و جہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں۔

عالم مثال کا لفظ معانی کی تصویروں کے لیے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لیے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لیے جو اس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت و دوزخ جو حضور کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبرئیل جو طار اعلیٰ سے اس جہان میں وحیہ کبریٰ کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں۔ جیسے لامھی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا، تو یہ عالم مثال کی باتیں نہیں معجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ غلبۃ ارشد حضرت حکیم الامت عالم مثال کو عالم غیب اور عالم شہادت کی ایک بزرخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالم ملکوت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ بزرخی اس بزرخ سے جدا ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔^۱

معراج کی رات حضور نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہو سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرت الہیہ وہاں لاجمع کئے گئے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے۔ جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے جو علماء وہاں اصل اجساد کی حاضری کو قدرت خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزا منتظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں۔^۲

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پا کاں برد

ہاں آپ نے اس رات جو غیبت کرنے والوں کو اتسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ لوگ سامنے رکھا اچھا صاف ستر گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جا رہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل لٹکی تھیں۔ یہ سب واقعات بے شک ان اشخاص و اعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کو نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات بل رہے تھے۔ لہٰذا من اياتنا انھو السميع البصير کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھئے ہو سکتا ہے اجساد اصلہ ہوں اور ہو سکتا ہے

۱۔ سیرت النبی جلد ۳ ص ۲۴۰ ۲۔ و تمثیل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (تفسیر بیضاوی ص ۲۸۳ مصر)
مثل فی النبوت فصلیت بہم (تفسیر منہجی جلد ۵) ۳۔ ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۱۲ میں سے دیکھئے

مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیر بزرخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس بزرخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تو اب وہ جسد عالم بزرخی میں کیوں روح کے حکم میں نہیں (معاذ اللہ) بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاں یہ ایک عالم بزرخی کی سیر تھی جہاں آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص طاری کیے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال و صور میں مشاہدہ کرانے لگے آپ نے متعدد حقائق و معانی اور بحرین و منبعین کو مختلف اشکال و صور میں دیکھا لیکن یہ سرفی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیر بزرخی میں اپنے اصلی جسد اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسد اطہر اس بزرخی سیر میں روح کے حکم میں تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

كل ذلك لجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في مواطن

هو بين الخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد

احكام الروح

ترجمہ۔ آپ کا یہ راز سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسد اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات

میں تھا جو عالم شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالم مثال کے مابین ایک بزرخی درجہ ہیں۔ اس میں

عالم شہادت اور عالم مثال دونوں جمع تھے اور جسد اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔

آپ کی یہ سیر معراج بتاتی ہے کہ کونسا کونسا میں یہ جسد اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور

کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جاتے جبریل کے نوری پر چلتے تھے۔ یہ خاک کی جسد اطہر اس سرحد کو ایک

آن میں پار کر گیا۔ اب وہ جب اطہر حب مدینہ میں منتقل ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلا نہیں کہ روح القدس کے تعلق سے فائز حیات ہو وہ تاقیامت قبر میں بے جان و حس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ کیا اس کے لیے وللآخرۃ خیر لکم من الاولیٰ کی بشارت شعی بھی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تمہید میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ حضرت مولانا الرشاد صاحب فرماتے ہیں:-

اما عند علماء الشرع فليس هناك الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجسام
وقد يخطر بالبال ان ما سماه الصوفية عالم المثال هو الذي سماه
اهل الشرع عالم المثال ولم يبق فرق الا في التسمية واما ما سماه
الصوفية الارواح المجردة فلم يبعث عنه العلماء

ترجمہ۔ لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم اجساد
ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے
ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں۔ اس صورت
میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجرودہ
رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

اسلام میں ابدانِ مثالیہ کا تصور

جو مہربان کو الف بزخیمہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالمِ خیب کی کسی چھپی دادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:-

دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہ نظر و عنایت بحال رہتا ہے۔۔۔ بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔

اس قبر کو قبر نہ مانتے والے عذابِ قبر کے لیے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ اب انہیں اس بدنِ مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پارہ ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کئے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو رد کرنے کے لیے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر شاعتِ توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، یہ آپ ان سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی۔ شریعت میں عالم ارواح اور عالمِ اجساد کے وراہ ہمیں کسی مثالی دنیا کا پتہ نہیں ملا۔ مثالی صبر تین تو ملیں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے۔ معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدانِ معذبہ کی مثالی صورتیں تھیں۔ اصل عذابِ قبر اصلی (وہ ایک جگہ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو پورا ہاتھا۔

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لیے بتایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے وہ اپنے کشف سے دیا ہے۔ حضرت صوفیہ کلام کے ان نظریات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں۔ کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر۔ لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لیے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس حید عنصری کو نہایت احتیاط سے سچا لیا ہو۔

سنا ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنہ کجا کجا نیم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کلام کی حیات برزخی کو پرندوں کی صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو۔ روح متحد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجساد مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متحد ہو تو یہ عالم ارواح کی ایک صورت ہوگی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہو گا۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متحد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے بعض اولیاء جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات اور عجائبات و کوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ گو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بنا، دلائل قطعیہ پر ہونی چاہیے۔ صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بنا، بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہیے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر۔ — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۵۳۴ء) لکھتے ہیں :-

صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے ہمیں اتنا کافی ہے کہ ان کو معذور سمجھیں اور

ملامت نہ کریں! اس میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابو بکر

ششیؒ اور ابوالحسن نورانیؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچھ صوفیوں کے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر

رقص و سرور دین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں بلکہ

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات

جو کتاب و سنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بنا۔

صوفیہ کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رہ کھننا اور اشاعتِ توحید و سنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم فرخ

کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں کرے کوئی

اور بھرے کوئی۔ یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو۔

صرف انبیاء کرام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا

ہے جو ان کی خطا اور بقا، علی السخطا سے حفاظت کرتا ہے۔ مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطا سے

حفاظت ہو ورنہ ہو۔ جب وہ گہرائی میں اترتا ہے تو بات کبھی درست ٹھہرتی ہے اور کبھی خطا —

عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو

صحیح پالے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

عارف جامی لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور برزخ کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے۔ وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے تھونکے یا راحت کی لہریں پہلے روح پہنچتی ہیں اور چونکہ جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ ہے اس لیے وہ بدن پر آکر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پر ہوتی ہیں۔ سو کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہور ہا ہے، تو سہارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی۔ — عزیزان گرامی اس صورت حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پر اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متاثر ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذابِ قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پرندے کی صورت میں متحد ہو اور اس پر عذاب یا راحت اترے (گو اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسدِ برزخی کو ہور ہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ سہارا شکوہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاقات کے انکار کا زینہ تو نہ بنائیں۔

مسئلہ عذابِ قبر کی اساسی حیثیت

عذابِ قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ کتبِ حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے بابِ بند سے ہیں۔ جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے ألم و

راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے، عذاب و راحت دونوں پر جلنے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے۔ بدن یک جا نہ ہو، ذرات منتشر ہیں منقسم ہو اور ان پر ایک بار یک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لیے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لا تعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پر ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ محض عند و عناد سے معتزلہ کرامیہ شیعہ اور ظاہر یہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صرفیوں کے مشاہدات سے متسک کرنا سخت نا عاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات البنی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے، آپ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لا تعلق کی ضرورت تھی۔ عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے، شہدائے حیات مافی تو صرف پرندوں کے قالب میں۔ الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا۔ یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات البنی سے شروع ہوا۔ یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر سے منکر نہ تھے۔ لیکن مسئلہ جب اطراف و جوانب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کر لیں تو پھر ہمیں شہدائے حیات بھی حیات جسمانی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہم ابتداء سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں۔

کہ عامہ اموات کے لیے عذابِ قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہمیں انتہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔
جب کسی نے گڑھے میں گبنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اسے کون روک سکتا ہے مختلف ہو تو عمل ہو سکتا ہے ضد اور عناد کا کوئی علاج نہیں۔

یہ گمراہی جس ترتیب سے اٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں۔ پہلے اسلام کے عقیدہ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے۔ اس کے ضمن میں مسئلہ عذابِ قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیاتِ الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیاتِ انبیاء پر عقائد اہل السنۃ و الجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔
اجاب سے گذارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہوگی۔ وهو المستعان و علیہ التکلان۔
یا قور الیس منکر و جل و شدید۔

عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور ان کی صفات آپ کے سامنے ہیں انہیں عالم برزخ میں قبر کے ألم و لذت کی کیفیت اور اس کا ادراک اس جیسے جہانِ برزخ کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک اسے تو اثر کا درجہ دیتی ہے لیکن اسے یہاں پوری طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لیے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ و لعلہ التوفیق۔

عذاب القبر

①- ثم السؤال عندك يكون بالجسد مع الروح كما اشار اليه صاحب الهداية[ؒ].

ترجمہ: میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح و جسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

②- يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة والنار ويحترق اللذة والالم[ؒ].

ترجمہ: یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح و جسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح و جسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت و الم کا ادراک کرتا ہے۔

③- ولا يرد تعذيب الميت في قبره لانه توضع فيه الحيات عند العامة بقدر ما يحسن بالالمر والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحياة في تلك الاجزاء المتفرقة لا يدرى كما المصن[ؒ].

ترجمہ: عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت و الم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لیے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں، بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جاسکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اُسے نہ پاسکیں۔

۱۔ فیض الباری مولانا السید نور شاہ صاحب جلد ۲ ص ۱۸۲
۲۔ مظہری جلد ۱ ص ۲۲۵ ۳۔ رد المحتار شامی باب العین فی الضرب والقتل جلد ۳ ص ۲۱

④- واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتالم او يتلذذ به

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں سجاوٹِ قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرمادیتے ہیں کہ وہ معاملاتِ قبر میں، الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

⑤- ان مذهب سلف الائمة وائمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه به

ترجمہ: سلفِ امت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لیے نعیم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت و الم کا) یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

⑥- ان النعيم والعذاب لا يكون الا على الروح وان البدن لا ينعم ولا يعذب وهذا قول الفلاس المنكرون لمعاد الابدان وهو لا ينفك عن اجماع المسلمين ويقولون كثيرا من اهل الكلام من المعتزلة وغيرهم الذين يقولون بمعاد الابدان لكن يقولون لا يكون ذلك في البرزخ وانما يكون عند القيام من القبور لكن هؤلاء ينكرون عند البدن في البرزخ فقط

ترجمہ: قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ ان فلاسفہ کا قول ہے، جو "معادِ ابدان" کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں۔ معتزلہ کے مشککین کا جو "معادِ ابدان" کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف

حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح سے متعلق ہے۔ بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

④— بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نمود و از عذاب و ثواب قبر گذرند...

..... افسوس، ہزار افسوس، اس قسم بطلال خود را بسند شیخی گرفتہ اند و معتزائے اہل اسلام گشتہ ضلوا و اضلوا۔

ترجمہ۔ اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکام برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدن اول کو عذاب قبر اور ثواب قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کاروں پر جو شیخ ہونے کی مسند بچائے ہوئے ہیں کمانوں کے معتزہ بنتے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تفتیح المباحث

مختلف ادوار حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ عظیم کا اجماع ہے مشتبه ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزاء کو عالم برزخ میں روح سے کئی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لیے اس کے مقام کے مطابق روح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

عبدالہل اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات شریفہ وارد ہوئی اور طریق موت سے "کل نفس ذائقۃ الموت" کا وعدہ پورا ہوا آپ کے لیے جس قسم کی وفات مقدر تھی اس کا درود ہوا، اور آپ نے یقیناً اس عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضہ منورہ برزخ کا محل اور آنحضرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ارشاد فرماتے ہیں۔

سب ہدایتِ حکل نفس ذالقة الموت اور انک میت و انہم میتون
مقام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کی
نسبتِ موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔

باجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ
اس پر بھی پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے کہ حضورؐ کے پر وہ قبر میں جانے کے بعد
پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیاتِ نو ٹا دی گئی۔ دخولِ روح سے اس دنیا والے
جسمِ عنصری میں اعادۂ حیات ہوا یا تاثیرِ روح سے آپ کے جسدِ عنصری میں حیات
نوٹ آئی، اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا، لیکن انجام کار سب کا اتفاق
ہے کہ آپ کا جسدِ اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ فائز الحیات
ہے آپ کی یہ حیاتِ قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق
روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے عجب ہو گئی کہ اہلِ مبحثِ مطلق حیات نہیں، بلکہ حیاتِ بعد
الوفات ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوتِ وفاتِ سید الکائنات کا استدلال
ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیرِ بحث میں انہیں بار بار دہرانا اور محلِ نزاع
بنانا یقیناً خروج عن المبحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیاتِ النبی کے مسئلہ میں یقیناً حیات
بعد الوفات ہے۔ پہلے وفات کا دُرد بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز متنافی نہیں۔ خطبہ صدیقی
صرف ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کے
طریانِ موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ طریانِ موت کی کیفیت میں تو اختلاف
کر سکتے ہیں، لیکن دُردِ موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں، یہ حقیقت ان کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم
کی وفات آپ کے لیے مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی، اور وعدہ الہیہ حضور پر بھی پورا ہوا۔

طربانِ موت اور اعادہٴ حیات کے احتمالاتِ ثلاثہ

صورتِ واقعہ — کچھ بھی ہو

روضہ منورہ کی حیاتِ جسمانی پھر بھی قدرِ مشترک ہے

احتمالِ اول

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی اَبَانَةُ الرُّوحِ عَنِ الْجَسَدِ ہے۔ لیکن رُوحِ مُبَارَكِ جَسَدِ اطہر سے جُدا ہونے اور رفیقِ اعلیٰ اور علیتین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبرِ شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر

لہ اعلیٰ علیین میں اس وقت داخلے اور تعلقِ قائم کر کے پھر رُوح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضور کو اس عالم کی سیر کرائی تھی۔ اور حضور اکرم نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل نے کہا تھا۔ اِنَّهُ بَقِيَ لَكَ عَمْرُؤُا تَسْتَكْمِلُهُ فَلَوْا تَسْتَكْمِلُتْ اَتَيْتْ مِنْزَلَكْ (بخاری کتاب الجنائز جلد ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے۔ جب آپ اس کی تکمیل فرمائیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے۔ جب یہ کلام اس وقت داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ اشکمالِ عمر کے بعد وہاں جو داخلے میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ کہیں نہیں مل سکے کہ آپ اشکمالِ عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔ بہر حال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصودِ کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

میں لوٹادی گئی۔ روحِ اقدس کا اعلیٰ علیتین سے تعلق بھی رہا اور روضۂ منور میں رکھے جسیدِ اطہر میں بھی حیاتِ لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ویسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں تھا، بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیاتِ دنیوی رزقِ مادی کی محتاج ہے، لیکن اس عالمِ برزخ کی حیاتِ عنصری جسمانی اس دنیا کے رزقِ مادی پر مبنی نہیں، اس کا تقوم رزقِ روحانی پر ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمال دوم

آپ کی وفاتِ شریفہ یعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہی ہے، لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخولِ روح سے نہیں، اتصالِ روح سے ہے۔ روحِ مبارک جسیدِ اطہر سے جدا ہو کر رفیقِ اعلیٰ اور خطیرۂ قدسیہ میں پہنچی، پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسیدِ اطہر پر پڑنے لگا۔ اس سے جسیدِ عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیاتِ جسمانی قائم ہوئی اور روضۂ منورہ پر عرض کیئے گئے صلوة و سلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

احتمال سوم

آپ کی وفاتِ شریفہ یعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ معنی قبضِ روح ہے، انقباضِ الروح فی القلب سے روحِ اقدس سارے جسم سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلبِ مبارک میں مستور ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازمہ ہٹ گیا۔ آثارِ حیات قلبِ منور سے پھر پھیل گئے اور روحِ مبارک اس تعلق کے باوجود علیتین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیاتِ ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور "روح معنی حیات" کا کلمی انقطاع نہ ہوا، گو انقباضِ الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم

میں روح و حیات میں تلازم نہیں۔ آثارِ حیات بھلب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلافِ دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا۔ اور قاعدہ ہے حدیثِ اسرار میں بغیر آئینِ دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے درودِ وفات پر صحابہ کرام نے آپ کو دفن کر دیا اور روضہ منورہ میں پھر آپ کے جسدِ اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دُنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازمِ حیات وہاں صرف وہی ہیں۔ جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے۔ اس دُنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ: طریقِ موت اور اعادہٴ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محلِ نزاع نہیں اور نہ ان میں سے کسی ایک کے امر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے۔ بحث و تحقیق وہیں ہونی چاہیے، جہاں ترتیبِ احکام مختلف کر دیں لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدرِ مشترک ایک ہی ہو اور ترتیبِ آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمالِ اختیار کر لیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک اندازِ جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے طریقِ موت اور اعادہٴ حیات کے لیے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین تو حید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتیبِ آثار و احکام ہو سکے بلکہ

گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائدِ ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔

پس جب حضرت حجۃ الاسلام نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود

دوسروں کو حق دیا ہے، تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرت سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک ہی کا کہ روضہ منورہ میں جبداطہر محض بے جس و شعور نہیں، بلکہ اس میں حیات عنصری بہر صورت کیفیت موت موجود ہے، انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورت موت کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہل سنت کے مسلک سے گریز پائی ہو گئی۔

روح مبارک نے علین سے پرتو ڈال کر جبداطہر میں حیات لوٹائی ہو یا قدرت ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہو چکی ہو یا قلب منورہ میں مسترد حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، مآل کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضہ منورہ کی حیات مہمانی تمام احتمالات اور مسالک فکر کی قدر مشترک ہے۔

تفصیل مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلہ زیر بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریفہ میں حیات عنصری سے زندہ ہیں یا جبداطہر محض بے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ۔

① ————— حضور پر وفات شریفہ کا ورد ہوا تھا یا نہیں یا

② ————— یہ طریق موت اقطع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض

روح کے معنی میں یا

③ ————— روح مبارک کا مستقر مقام علین ہے اور وہ وہاں سے روضہ منورہ میں رکھے

گئے۔ جبداطہر پر پرتو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جبداطہر میں داخل ہے۔

اور رفیق اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیرہ ذلک من المدارک۔ ان کیفیات کو موضوع بنالینا

یقیناً خروج من البعث ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطہ اشتراک مدفن شریفہ کی حیات عنصری کے عوارض

ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالات ثلثہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے

سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

اصل مبحث حیاتِ النبیؐ

باعتبار تعلق بالبدن — حیاتِ جسمانی
 باعتبار تعلق بالعالم — حیاتِ برزخی
 باعتبار تعلق بالرزق — حیاتِ روحانی

مشترک مفاد حیاتِ جسمانی برزخی ہے۔

(ولولا الاعتبارات لبطل الحكمة)

حیاتِ جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخولِ روح سے، خواہ اتصالِ روح سے۔ فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی۔ روح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں اور نہ اُسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے، اُس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

① وَلَا تَقُولُوا الْمَن يَقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحياءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

(پ البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور تم انہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، مردے نہ کہو، بلکہ وہ

زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احياءُ انہی کو فرمایا، جو من یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے قتل کا محل

جسم ہے نہ کہ روح — پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح — اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مُردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی، تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جسمی طور پر زندہ ہیں؟

جو اباعرض ہے کہ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرما دیا تھا — ولکن لا تشعرون۔ لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا — اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسمی حیات ہے

قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون

وان الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء المرسلين

ترجمہ۔ نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا

ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا

ہو) پس انبیائے مرسلین کی حیات اظہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔

② واذا قال ابراهيم رب ارنى كيف تحى الموتى۔

(پ البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ۔ اور جب ابراہیم نے کہا۔ اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح

مُردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ ”موتی“ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے رُوح

ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور ”موتی“

اجسام ہی کہ کہا گیا ہے پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔

③ فاماتہ اللہ مائتہ عاشر۔ (پ البقرہ ع ۲۵ آیت ۲۵۹)

ترجمہ۔ حضرت عزیزؑ کو سو سال تک موت سے رکھا

اس میں بھی امانت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔ حضرت عزیزؑ کی رُوح پرتو موت قطعاً

نہ آئی تھی۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ رُوح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

④ اِنِّیْ مِیْ حِیْةٍ هٰذِهِ ————— میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ رُوح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ

نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیاتِ روحانی

کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے، اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن

ریب اپنے مرثیے میں کہتا ہے۔

ولما تراءت عند مرو منیتی

وحلّ بها جسمی وحانت وقاتیا

ترجمہ۔ اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم

بنا اور میری وفات کی گھڑی آپہنچی۔

لہ پیش نظر ہے کہ جس طرح جُملہ بنی آدم پر فعل امانت محض ایک آئی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد

ہوتا ہے۔ بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیزؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے

انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمانے کیونکہ

آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جاتا تھا۔ پس جب موت سابقہ سے استعجالِ دارین کا تحقق نہ تھا،

تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں مائتہ عاشر کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر فعل امانت

کے بعد معاملات برزخ جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے۔ پس اسے ایک ضابطہ

بنانا اور موتِ انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی خطا ہے۔

حیاتِ برزخیہ

نہایت غمناک، کہ انبیاء کرامؑ کی حیاتِ عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہ نوعیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیاتِ برزخی سے مراد حیاتِ فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالمِ برزخ میں حیاتِ جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے، ان کی مراد روضۂ منورہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہے نہ نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیاتِ روحانی کے الفاظ استعمال کیے، ان کا منشا یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندر میں صورتِ حیاتِ روحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہے نہ لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المراد یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہاتِ برزخی، روحانی معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محلِ بحث بنانا اصل موضوع کو الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوع تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنتی ہوئی ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ :-

”سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسدِ اطہر محض بے جس و شعور پڑا ہے“ (معاد اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف
جائی یہاں تین چیزیں ہیں :-

- ① وہ جو اہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدانِ مادیہ۔
- ② وہ جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے، جنہیں صوفیاء "اجسامِ مثالیہ" کہتے ہیں۔
- ③ وہ جو اہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خلقی ہوں، جن کو صوفیاء "ارواح" یا حکماء "جو اہر مجرّدہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

مہجور اہلِ شرع جس کو رُوح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدنِ مثالی" سے موسوم ہے جو بدنِ مادی میں علول کرتا ہے اور بدنِ مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ رُوح بدنِ مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے ہے اور اس عبادتی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکلیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؑ کے قول کے مطابق، جو بغویؒ نے اللہ تعالیٰ الا نفس حین موتہا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت رُوح خود علیحدہ رہتی ہے۔ مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔

حضرت علامہ اور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

الحیوة فی اللغة شیء مفائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقة وقد
 زعم بعض الناس انہ نفس الحیوة ولس كذلك

ترجمہ: حیات اور رُوح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں حیات رُوح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے۔ بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ رُوح ہی نفسِ حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں :-

سیاسے از اشاعرہ و خفیة در اعادہ روح تردد کردہ اند و تلازمہ روح و حیات
را منع نمودہ۔

ترجمہ بہت سے اشاعرہ اور خفیة (حیات فی القبر کے لیے) اعادہ روح کے
باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح
کے تلازمہ کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیات جسمانی کے لیے اعادہ روح ضروری نہیں، محض تعلق روح سے بھی وہاں
حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ "روح مفارقت بدن کے بعد بھی جزئیات
کا ادراک کر سکتی ہے۔" فرماتے ہیں:-

فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئیات۔

ترجمہ۔ یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہیے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود
ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع "اعادہ روح" بھی نہیں، بلکہ "ثبوت حیات
بعد النفات سید الکائنات" ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گذارنا چاہتے ہیں۔ جو روح کی
بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیات شہداء کا بیان بھی صرف اس لیے ہے کہ ان
کی حیات جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لیے ایک زمین کے درجہ میں ہے
اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدالالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب
کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ اذمۃ التحقیق۔

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق باہر
قدر کہ عذابِ قبر یا اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک
روحانی زندگی ہے جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم
مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم۔۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے
سوالات کا جواب دینا۔ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب
یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے
ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حیاتِ شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے
حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً
اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارتہً مذکور ہے۔ حضرت انبیاء کرام علیہم
الصلوات والتسلیمات کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالتاً
ثابت ہو رہی ہے۔ حیاتِ انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوع سخن حیاتِ شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارتہً النص سے مذکور
ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اس کا سمجھ میں آنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی

مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا اگر ہم حیاتِ شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفسِ حیات پر کچھ گزارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔

ابن عبد الہادیؒ (۲۴۴ھ) لکھتے ہیں :-

والحیاء جنس تحتها انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الحیاء
لا یزید اسم الموت كالحیاء البرزخیة واثبات بعض انواع الموت
لا ینافی الحیاء كما فی الحدیث الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
انہ كان اذا استيقظ من النوم قال الحمد لله الذی جعلنا بعد املنا
والیہ النشور

ترجمہ: حیاتِ ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا اور دوسرے موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیاتِ برزخی میں ہوتا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد و ثنا اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھائی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو۔ ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔

○ — ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذابِ قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے قدرے تعلق بھی ہے۔

② — ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تمہید ہے نہ اس کے لیے پانی اور ہوا لازمی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

③ — ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اس میں آب و ہوا کے خارجی اثرات نشوونما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

④ — ایک زندگی روح اور بدن عنصری کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف امتا ہے کہ پورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس علم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام سناتا دیتے ہیں۔ یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

⑤ — چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھر سگے اور اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے اپنی اپنی برات کا رزق ہوگا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لیے ذکر کر دیئے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حقیقتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے۔ کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے الفاظ میں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے۔

جواب: ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ تفسیر زانیؒ (۱۶۲، ۱۶۳) لکھتے ہیں
 ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع اجزاء البدن او فی بعضہا نوعاً من الحیوة
 قدر ما یدرک العذاب ولذۃ النعمان

ترجمہ۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے
 میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام
 کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

عاقظ ابن قیمؒ (۱۵۱، ۱۵۲) ہر ذرخ میں روح لٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں:-
 لان ذلك الرد نوع اخر غير المعمود

ترجمہ۔ یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح و بدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا والے تعلق سے مختلف ہے
 اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۲، ۱۰۱۳) لکھتے ہیں:-

ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق فی المیت نوع حیوة فی القبر
 ترجمہ۔ سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص
 طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

عاقظ ابن حجرؒ (۸۵۲) اس نوع حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس

کی اپنی تخلیق ہے۔

ان اللہ تعالیٰ یخلق فیہ ادراکاً بحيث یسمع ویعلم ویلد ویأمر
 ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے
 سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ اکوئیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے۔

یہی بات علامہ ابن عبد الہادی (۲۴۷ھ) لکھتے ہیں :-
 نوع حیاة برزخیہ۔

ترجمہ: حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کلیۃً اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے
 خلق الموت والحیاء (۲۹: الملک) قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی
 شے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوة جنس تحتہ انواع وکذا لک الموات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات کی
 سی موت نہیں سمجھتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔

قرآن کریم میں حضورؐ کے میت ہونے کو اوروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے۔ حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت میت ہونے کے ان میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا:-

انک میت وانتم میتون (پ۲ الزمر) یہ نہیں کہا انک وانتم میتون۔ اس سے
 پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمع وجوہ سے اوروں کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق
 محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت
 ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت حس اور شعور
 کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔

امام سحرین (۲۴۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو
 عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات
 سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منتفی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق

حضور کے اہلک حضور کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبر حضور کی نیابت میں ان میں
تعارف کرتے تھے۔ صدیق اکبر جانتے تھے کہ حضور کا ملک حضور کے اہلک پر باقی
ہے جیسا کہ امام اکرمین نے کہا ہے۔

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبریٰ جلد ۱، صفحہ
پر یہ باب باندھا ہے۔

بلایا کان مالہ بعد موتہ قائماً علیٰ فقہہ و ملکہ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مستمر تھی اس کا
حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود
محض ساتھ حیات ہو منزل حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبر، امام بیہقی، امام اکرمین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کا تفرق نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ
ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاتہ۔

ترجمہ: ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی
مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
حضور کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی ضروری نہیں کہ ہم اس کی کہہ پائیں
ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی
تفرق ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسبِ حال تھی۔

ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیاتِ شہداء ہے۔ اس کے بعد حیاتِ انبیاء کو بحث آئے گی۔ جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کے پچھوتے موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و بیدہ اذمۃ التحقیق۔ یہ اثباتِ حیاتِ شہداء حیاتِ انبیاء کے لیے بمنزلہ مہتد سہجے۔

حیاتِ شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

ولا تقولوا لمن قتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء ولكن لا تشعرون۔

(پ ۲: البقرہ ۱۰۷ ع ۱۹۔ آیت ۱۵۴)

ترجمہ۔ اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مُردے ہیں۔ نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :-

یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم

يرزقون ۵ فرحين بما اتاهم الله من فضله ويستبشرون

بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۵

يستبشرون بنعمة من الله وفضل وان الله لا يضيع اجر

المومنين ۵ (پ ۱: آل عمران ع ۱۷۷۔ آیت ۱۶۹)

ترجمہ۔ اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے

بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس کھلتے پیتے۔ خوشی کرتے ہیں اس پر

۱۷ پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی ان اللہ مع الصابرين یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے تو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔ صحابہؓ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے، شہیدوں کی یادیں تھیں، اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مُردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو کہ وہ مُردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب کیسے کہا۔ ماماتوا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے۔ کیا کل نفس ذائقۃ الموت سے وہ مستثنیٰ ہیں؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا۔ ماماتوا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا ماقتلوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مُردے ہیں یعنی اب وہ مُردے ہیں ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا۔ بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان کا کفن دفن برحق۔ لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

ماماتوا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قتلوا (وہ مارے گئے) تم کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہا دیا ہے ہاں ہم اموات۔ یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں

روکا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

ان آیات میں بَلْ اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے۔ یہاں بَلْ قَتَلُوا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قَتَلُوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ہم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا اتنا بھی برحق اور لگے جہاں میں حیاتِ جسمانی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قَتَلُوا کا مورد بنے تھے۔ اختلاف زمان سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں بل کا اضراب ہم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادقہ یہ ہے کہ ہم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے قَدْ اَقْلَمَ مِنْ تَرْكِي فِي حَسْبِ فَلَاحِ كِي خبر دی گئی ہے تم اسے پانہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں بل اضرابیہ کے ساتھ بل تو ثَرْدُونَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فرمایا۔ اس نے تمہارے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قصرِ قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مُردہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مُردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کیا گیا۔ یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون (کہ تم شعور نہیں رکھتے) کہہ کر اس تذبذب کو رفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ ما قتلوه یقیناً بل دفعہ اللہ الیہ۔ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا بلکہ جس بدن کے وہ مورد قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کے مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر واحد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے۔ اپنی شہداء کے بارے میں اہل کمال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا۔ اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم — زخمی کون ہوا؟ جسم — تلواریں اور نیزے کن پر چلے؟ جسموں پر — نہ روح زخمی ہوئی۔ نہ کسی جسدِ مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ اپنی اجسام کی خبر ہے جو میدانِ جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا۔ شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بہت ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسدِ مثالی مرا تھا۔ سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالتِ حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اُس جہان میں میسر ہیں۔ بل اہیاع نے ہم اموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی مراد ہوتی تو لا شعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں۔ یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آ رہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لا شعرون کہہ کر شتم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے ہالا تھی۔ اس نارسانی سے جو بے چینی تھی اسے لا شعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔

فرمایا یوزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسدِ مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے۔

جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہو گئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسم سے نہیں۔ جسم مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

فرحین بما آتاهم اللہ من فضله۔ خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں یہ حاصلاتِ روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرحِ زندوں کی صفات میں سے ہے مردوں کے حالات میں سے نہیں۔

یستبشرون بالذین لو یلحقوا ہم۔ اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چہروں میں محسوس ہو رہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشرہ میں دہریے میں محسوس کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھال اور چہرے انہی ابدان کے ہیں، ابدانِ مثالیہ کے نہیں۔ دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ لواحۃ للبشر (پا المذثر) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

وجوه یومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة۔ (نہ: عبس۔ آیت ۴۹)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یستبشرون کا قائل ابدان ہیں۔ الذین لو یلحقوا ہم سے بھی وہ پورے النان ہیں جو انہیں آملیں گے۔ یہاں منیر ہم کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لیے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

سوال

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیات حسی کا مشاہدہ نہ کر سکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں فائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

اجواب

اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کاملین کے لیے یہ اعادہ اشرف ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت كالموج المكفوف لا

يبرزها ارادة متجددة وداعية سانحة ولكن النفوس التي هي

دونها تلتصق بالهمة نوراً وهيئة مناسبة للارواح

ترجمہ: کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج

کی طرح ہو جاتی ہیں جوڑ کی ہو۔ انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا

داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن سچے طبقے والے نفوس اپنی ہمت

سے ان سے ملحق ہو کر نور اور ایک ہئیت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے سچے والے اثر قبول کرتے ہیں۔

یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کاملین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے

ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:-

وهي المكفی عنه بقوله عليه السلام ما من احد يستمر على الاسر

الله على روحى فارى على السلام وقد شاهدت ذلك ما لا

احصى في مجاورتى المدينة سكنة الف ومائة واربع واربعين

له حجة الله البالغ باب الاذكار ص ۲۰۰

ترجمہ۔ اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضور کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم بچہ
 پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا چکے ہوتے ہیں سو میں
 بھی اس پر سلام لوٹاتا ہوں۔ ^{۲۲۲} اللہ میں جب میں مدینہ ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے
 بارہا اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحب کا مسلک قبر مبارک کے جسدِ اطہر کے بارے
 میں کیا ہے؟ آپ جب روضہ نبویہ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ
 نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ — کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسدِ اطہر سے
 ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی نشانِ عالمِ برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالمِ برزخ میں جسدِ اطہر کی نشان کیا
 ہے؟ آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج عالمِ برزخ کی ہی ایک سیر تھی اس
 رات آپ کے جسدِ اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال
 و صورتوں میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سیرِ برزخی میں اپنے اصل جسدِ اطہر کے ساتھ تھے اور یہ
 خواب نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسدِ اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں اچکا تھا اور
 جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ ان کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

كل ذلك يجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن هو
 بوزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامها فظهر على الجسد احكام الروح ^{۲۲۲}

ترجمہ آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے باہر ایک برزخی درجہ ہے اور یہ دونوں احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پر روح کے احکام چل رہے تھے۔

آپ کی سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطف مقام پر آچکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی سیر سے گزارے گئے تھے پھر جب آپ مدینہ منورہ آگئے اور اس پر اتمامِ نعمت کی دعوت پانگئے (ماکان من عودا فی قولہ تعالیٰ ویتنعمتہ علیک) تو اب یہ جسد اطہر کس شان اور لطافت پر ہوگا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ اب انک میت و انفس میتوں کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آگیا تھا کہ اب تاقیامت اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے احکام طاری تھے۔ وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی زندگی میں ہی جلا رتام بخش دی تھی وہ اب تاقیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم — کیا یہ عقیدہ اسخط آیت وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ سے نصاً متضاد منہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے ۱۱۲۲ھ کے مشاہدات میں روضۃ النور کی حاضری میں یہ جلوے دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحت عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

مہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد کند را

حق یہ ہے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس دُنیا کی زندگی میں حضورؐ کی رویت بصری اور قوتِ سمعی صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آیا

دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ کبھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے۔ جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے سیاحوں کے اس بیان کو بھی حمان لیجئے کہ کالمین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیتہً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض ان پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں :-

باش تا مرغ از قفس آید بردوں
تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبونؒ

ترجمہ۔ انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے
کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جاسکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراف و اشراق صرف اس جسد اطہر کے لیے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؛ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے نہ ائمین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لمحہ بندھتا ہے؛ یا اس بدن اطہر میں وہ انجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو۔

آئیے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے۔ شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔

یہ اس لیے کہ دنیوی حیات کے حجابات اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور اذ قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت دجہ سے اس سے قوی تر ہے۔

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پالیتے ہیں جسے وہ حسا محسوس کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے کاطین کی ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ادراک کا ذکر فرماتا آگیا ہے۔ اصل موضوع ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے۔ اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوتِ تجدد بھی ملتی ہے۔ روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے وہ کسی دوسرے جسم میں بطریق حلول نہیں اترتی یہ تنازع ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تنازع کا کوئی مشابہ نہیں۔ شہداء کی رو میں پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۱۸ ھ) کہتے ہیں:-

بلغنا ان ارواح الشهداء في صور طير بيض تاكل من ثمار الجنة ۛ

ترجمہ ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی رو میں سفید پرندوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے۔ ان ارواح الشهداء في طير خضر تعلق من ثمار الجنة ۛ

ترجمہ بے شک شہیدوں کی رو میں سبز رنگ پرندوں میں اترتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:-

ان نسمة المؤمن طائر في شجرة الجنة حتى يبعثه الله الى جسده يوم القيمة.

ترجمہ۔ مومن کی روح باغِ حنت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں قیامت کے دن (کاملتہ) لوٹا دے۔

روح الامین بھی وحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور صورت میں تجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وان شئت قلت بتمثل الروح نفسها صورة لان الارواح في غاية اللطافة
وفيهما قوت التجسد كما يشعر به ظهور الروح الامين عليه السلام بصورة
وحية الكلبي له

ترجمہ۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہو گئی کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوت تجسد بھی ہے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس کا پتہ دیتا ہے۔

روح کے اس کمال لطافت اور تجسد صورت کے باوجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی سے ہو یا قبر کے بدن عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشراف کے لیے کوئی دلیل منع شریعت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

لا مانع من تعلقا ببدن برزخی معانر لهذا البدن الكثيف

ترجمہ۔ روح کا تعلق کسی اور برزخی بدن سے بھی ہو جو اس بدن کثیف کے علاوہ ہو شریعت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی

بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز سمجھی جاسکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو ۱۱۱۱ھ کو روضہ نبوی پر بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سو یاد رکھیے روح کا ملین کے اس درجہ لطافت اور تجسّد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ ارواح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی گزارش تھی۔ تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ ان کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ تھی۔ عالم برزخ میں تو ان کے وہ بدن از روئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دارالجزا ہے۔ دار العمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پر دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہونے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

ما احد يدخل الجنة يحب ان يرجع الى الدنيا وله ما على الارض من شيء

الا الشهيد يتمنى ان يرجع الى الدنيا فيقتل عشر مرات

ترجمہ۔ کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر، مگر شہید وہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ

پھر وہ دنیا کو جانے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے۔
 ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے
 کی روایات مختلف ہیں، پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجدد ہوتی ہیں یا حواصل
 طیور میں اس طرح اترتی ہیں جیسے سوار سواری لے لے، الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی
 اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً
 کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
 کی روایت پیش کی ہے۔ امام نووی نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر باتیں
 کی وہیں رہتی ہے۔

قال القاضی قال بعض المتکلمین علیٰ هذا الاشبه صححة قول من

قال طیرا وصوره طیرا واکثر ما جاورت به الروایة.....

واستبعد بعضهم هذا ولعل ینکره آخرون ولین ما فیہ ینکر ولا فرق

بین الامرین بل روایة طیرا ووجوف طیرا صحیح منقوب

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی

ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے

اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور وہ مسروں کے انکار نہیں کیا اور

اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو۔ اور دونوں اقوال میں

کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جا کی روایت زیادہ صحیح ہے

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ

سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اُسے آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ

کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔ پھر ان روایات میں

کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواحِ شہداء کو ان پرندوں سے کیسے پہنچی ملے گی۔ جبکہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے جس کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبا بدلیں گے۔ اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحوں میں ارواحِ مجرورہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواحِ متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں، اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے۔ سوائے حیاتِ شہداء کی تفسیر قرار دینا یہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت و لکن لا تشعرون کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

لا مانع من تعلّمها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الكثيف بل

ترجمہ: روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

مغائر لهذا البدن الكثيف بدن برزخی کی تشریح ہے۔ اس میں اس بدن عنصری سے

تعلق کی نفی کا دعویٰ نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔

ان میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صریحاً مذکور ہے۔

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن

عنصری سے تعلق کی نفی نہیں مہیا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فوا حسرتاً علی ضیعة العلم۔

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے۔

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرا ہے اور یہ شکوہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا

بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (ولکن لا تشعرون) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں بس یہی ان کی زندگی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔ کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتائیے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں۔ یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیے۔ اگر نہیں تو ہمیں ولکن لا تشعرون کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرام لا تشعرون پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی جواب میں آیت ولکن لا تشعرون نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپ نے آیت ولکن لا تشعرون کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواحِ شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواحِ کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں — فرق ہے تو یہ کہ —

① سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔

② سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔

③ سبز پرندوں کی روایات اور سنی کتابوں میں اور سیاہ کی سخی کتابوں میں۔

یہ سب فروق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے کیا زندگی

زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور تڑپنا یہ نعیم و عذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے۔ ہاں وہ حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیات شہداء کی کیفیت اور لا تشعرون کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ارشاد الہی ولكن لا تشعرون کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت النار یعرضون علیہا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:-
 آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ
 جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا
 ٹھکانہ یہ ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۴/۱۷۷) لکھتے ہیں:-

فاما حصول ذلك للجسد في البرزخ وقامه بسببه فلو يدل عليه الاستدلال
 في الأحاديث المرضية۔

یعنی۔ قرآن و حدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم
 دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔۔۔۔۔ اور آل فرعون کی روحیں سیاہ
 رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص ۳۱ پر کہہ آئے ہیں۔
 ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا:-

ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلنے دیکھے ہیں جن کے پروں پر سفیدی تھی اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم) سے نکلنے ہیں اور بحرِ غرہ کے کنارے جاتے ہیں پھر جب تیسرے پہر کا وقت ہوتا ہے تو ویسے ہی سیاہ پرندے آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔

اس پر امام ابو زہریؒ (د ۱۵۷ھ) نے فرمایا :-

ان پرندوں کے حواصل میں آل فرعون کی روہیں ہیں جو صبح و شام جہنم پر پیش کی جاتی ہیں..... یہ آل فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے بلکہ علامہ نسفیؒ (د ۱۷۷ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں :-

واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعة

ترجمہ۔ اور کافروں کی روہیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سواگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی پرندوں کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجسد کا بیان ہے ان کی حیات کی تفصیل نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذائے روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح و تقدیس اور اللہ کی یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روہیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد

ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یہ سزا قون بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ میں سزا قون ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ القرطبی (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:-

بل احياء دليل على حياتهم وانهم يرزقون ولا يرزق الاحياء بل

ترجمہ۔ بل احياء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق

ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنص قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق

نہیں ملتے وہ بھی ملتے ہیں۔

بل احياء لدلالة الكلام عليهما قوله تعالى يرزقون كما يرزقون الاحياء ياكلون

ويشربون وهو تأكيد لكونهم احياء وصف حالهم التي هم عليها.

ترجمہ۔ وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام میں رزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے

سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے

زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس

کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے بتلایا کہ ابراہیمؑ کے

لیے اگلے جہان میں دو دھڑ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یوزقون کی شان شہداء سے خاص نہیں۔

عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراهیم قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان له مرضعًا فی الجنة۔

ترجمہ حضرت براء کہتے ہیں جب حضورؐ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔
دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اُس عالم کا تھا جو
ضروری نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال

اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہاں والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن
یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیاتِ جسمانی سے فائز الحیات ہیں وہ اُس جہاں کے رزق
سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

اجواب

کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی
غیبی رزق سے مستمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت
نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صوم وصال (رونے) جوڑ کر رکھے، تو بعض
صحابہ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضورؐ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھل دی۔

لست کا حدکوفی یطعمونہ فی ولسیقینی۔

ترجمہ میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے
حضورؐ کا یہاں کا جبہ اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا۔ سو شہداء

بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی ابدان کا اس عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہل حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض اللہ رب العزت نے اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرمادیا اس پر بے چوں و چرا ایمان لائیں۔

آیت حیاة شہداء کے تقاضے

آیت حیات شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لا تشعرون۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیات شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لاسکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے یہ کہہ کر فرما کہتے ہیں کہ یہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لیے تھا جب تک حضور نے ارواح شہداء کے حوصلہ طیور میں آنے اور حنیت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی۔ جب آپ نے امت کو حیات شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لا تشعرون منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم۔

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہوگی۔ ان کی بھی حیات روحانی اور ان کی بھی حیات روحانی — آیت حیاة شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا — اس سے زیادہ اس آیت کی تخریف اور کیا ہوگی۔ اعادنا اللہ منہ۔

ہم قادیانیوں کو بار بار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم۔ پٹ النساء ع ۲۲) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بل دفعہ اللہ الیہ میں بل اضر ابیہ ہے۔ یہود کا جس چیز کے قتل کا

دعوئے ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعویٰ ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ لمن یقتل فی سبیل اللہ میں جو زیر قتل آئے انہی بارے میں بل اضرابیہ البالیہ وارد ہے کہ وہ اموات نہیں۔ انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لاشعرون کے تحت قبول کر لو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ بل اضرابیہ پر نظر رکھنے والوں اور لاشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ :-

”جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جلتے ہیں ان کی روحیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آ سکتی“

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگے تو سمجھ تو آگئی۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا بھی شور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں — کچھ تو سمجھاتے کہ ان میں ایک لاشعرون کے تحت ہیں اور دوسرے شور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

کچھ تو کہتے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت پکار پکار کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بلا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اور ارجح کا مقرر علیین میں مان کر کیا تم بہ تعلق روح ابدانِ مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لا تشعرون کے تحت ہمارے ایمان میں ہے۔ حدیث طبرہ کی بے شک تصدیق کرو لیکن ابدانِ شہداء کو ہرگز مُردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس جہت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالت بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور عوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالة سمجھانا اس سے بڑھ کر عوام سے فریب کاری کیلئے ہے؟ جو مفسرین آیت ولا تذروا ذرۃ وزرا اخروی کو قبر سے متعلق قرار دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیاتِ جسمانی کا انکار کر سکے۔ ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے لا تذروا ذرۃ وزرا اخروی کوئی کسی کا بوجہ نہ اٹھائے گا۔

اب ہم ایسی تغیرات کو کس طرح تسلیم کر لیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کے مقابلہ میں ان کے ابدانِ مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کسے روح کے کو الف سن کر ابدانِ مقتولہ کی زندگی جو نص قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں تو گوارا نہیں۔

بل احياء

حياة الشهداء ثابتة في الآيات والاحاديث وقد اختلفوا فيها و
ذهب كثير من السلف الى انها حياة حقيقية بالروح والجسد و
لكن لا ندرکها ولا نعلم حقیقتها ولا نمانا من احوال البرزخ التي
لا یطلع علیها۔

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے، اور (کرامیہ میسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ و الجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیاتِ حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کرتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ برزخ کے احوال ہیں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

ان الشهداء بعد موتهم وقتلہم احياء عند ربهم يرزقون فرحين
وهذه صفة الاحياء في الدنيا واذا كان هذا في الشهداء كان الانبياء
بذلك احق واولى.

ترجمہ: بیشک شہداء اپنی موت اور قتل ہونے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعتِ اہلحدیث کے بزرگ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

معنى الآية عند الجمهور وانهم احياء حياة محققة ثم اختلفوا فمنهم
من يقول انها ترد اليهم ارواحهم في قبورهم فيتعلمون وقال مجاهد
يرزقون من ثم الجنة وذهب من عد الجمهور الى انها حياة مجازية
والصحيح الاول والمراد بالرزق المعروف في العادات على ما ذهب
اليه الجمهور.

ترجمہ: اور آیت حیاتِ شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیاتِ حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں، پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی رو میں قبروں میں ان کی

طرف لڑائی جاتی ہیں اور وہ وہاں اور اک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور اہل السنۃ والجماعہ کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے لڑ وہی رزق ہے جسے عادتہ رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہو کہ ابدان شہداء میں رو میں لوثتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا۔ جب حضور نے حیات شہداء کی تفسیر پر ندوں کی سیر سے کر دی ہے۔ اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لیے حیات حقیقی کیوں ثابت کر رہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم سے۔ قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات رزق کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔ قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:-

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء انہم احياء یرزقون و ان الحیوة فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین

ترجمہ: قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تاسید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

یہ غیر متقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک معتد بزرگ سے بھی سن لیجئے۔ ان سے تمسک کئے بغیر آپ چودہویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود اکوسی (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:-

واختلف في هذه الحياة وذهب كثير من السلف الى انها حقيقية
بالروح والجسد ولكن لا ندر كما في هذه النشأة واستدلوا بسباق
قوله تعالى عند ربهم في زقون له

ترجمہ۔ اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسوف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عند ربہم میں زقون سے استدلال کیا ہے۔

علامہ اکوسی نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے مجبور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا ترویج باقی رہ گیا۔

يرزقون لكونهم احياء والقول بان ارواحهم متعلق بالاغلاك
والكواكب فتلتذ بذاك وتكتسب زيادة كمال قول هابط الى الثرى
ولا اظن القائل به قرع سمعه الروايات الصحيحة والاخبار الصريحة
بل لم يذق طعم الشريعة الفراء ولا تراعى له منهج
المحجة وخبر القناديل لا ينور كلامه ولا يزيل ظلامه فلم يرى
ان حال الشهداء وحياتهم وراء ذلك له

شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں

اور کمال بڑھاتے ہیں۔ یہ اپنی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے جن کے کانوں میں صبح اور صبح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی، بلکہ ایسے لوگ شریعتِ غزّٰی کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو صحیحہ بیعت کی راہ نہیں دکھائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے۔ — پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

ان الآية دلت علی عرض الارواح علی النار غدوا وعشيا فی البرزخ و لیس فیہ حلاۃ علی اتصال تالمہا باجسادہا فی البرزخ اذ قد یکون ذلک مختصا بالبرزخ فاما حصول ذلک للحدی فی البرزخ وتالمہ فلم یدل علیہ الا السنۃ فی الاحادیث اللرضیۃ الا فی ذکرہا بلہ شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ بہتر یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے اس قدر اتصال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر رکھی ہے۔

یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاتِ جسمانی حاصل ہے۔ تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لیے برزخ کے یہ پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا اس دنیا سے پردے میں ہے۔

پردہ اٹھانے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں، نعیم صالحین اور عذابِ مجرمین

دونوں پردے میں ہیں۔ حضورؐ سے پردے اٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس گزے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فرحین بما آتاهم من فضلہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی تکلیف اور تکلیف میں ہوں گے۔

الجواب: آیت حیات شہداء کا جملہ ولکن لا تشعرون (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آتے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی۔ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بدلے میں کہا گیا ہے۔ ولکن لا تشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے باہن ان کا بزخ ہے اور اسی بزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابو بکر جہاں رازی (۳۷۰ ص) لکھتے ہیں:-

فيه اخبار باحياء الله تعالى الشهداء بعد موتهم ولا يجوز ان يكون المراد انهم سيعيون يوم القيمة لانه لو كان هذا مراده لما قال ولكن لا تشعرون لان قوله ولكن تشعرون اخبار بفقد علمنا بحياتهم بعد الموت ولو كان المراد الحياة يوم القيمة لكان المؤمنون قد شعروا به وعرفوا قبل ذلك فثبت ان المراد الحياة الحادثة بعد موتهم قبل

یوم القیمہ واذاجازان یکن المؤمنون قد احوافح قبورهم قبل

یوم القیمہ وهم المنعمون جازان یحیی الکفار فی قبورهم فیعذبون

وهذا یبطل قول من ینکر عذاب القبر

ترجمہ۔ اس آیت میں شہداء کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد

قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے لیکن لا تشعرون

کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے

اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو اس دن ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور

پہچان لیں گے پھر لا تشعرون کیا؟

سو بات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے

بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور خیب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی

ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ

کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے۔ اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا

ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب قبر کوئی شے نہیں۔ نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ما قبل سے جدا اور ما بعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدہ برزخ

کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کھلی نفی ہے۔ انسان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پہل عبور کر کے

ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی

کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے گویا ہمارے شعور

اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کھلی حیات ہوگی۔

برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعد (عالم آخرت کی کھلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالم برزخ میں مردے نہیں کہا جاسکتا۔

انبیاء کرام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احویار ہیں۔ مردے ہونے نہیں زندہ نہیں۔ ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیات شہداء پر استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احویار ہیں۔ ان دنوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں۔ حالاً ان کے احویار ہونے کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی۔ ایسا ہوتا تو یوں فرماتے۔
وَلَا تَقُولُوا الْمَن قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنَّهُم مَاتُوا لَيْكِنَ أَلْيَانَهُمْ بَلْ كُفِرُوا بِاللَّهِ لَعَنَ اللَّهُ الْكٰفِرِينَ
(مردے) نہ کہو انہیں مردے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی۔ اس کا فیصلہ من بقتل کو دیکھ کر کریں۔ زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مُردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

بل اضرابہ البطالیہ ما قبل کالبطل کہتا ہے مابعد کاثبات کہتا ہے یہاں بل سے شہدائے کے
مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے اور
وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں۔ گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ ولکن لا تشعرون
اس پر قرآنی شہادت ہے

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ
حسن بصریؒ اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ لیکن اس
میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پر ندوں کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن
ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اُتری ہوئی ہیں۔ صورتِ حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا
ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۱ھ) لکھتے ہیں۔

ولا يعجز الله تعالى ان يحل به حياة تكون سبب الحس والادراك وان كان
زاهمة مطروحة على الارض لا يتصرف ولا يرى فيه شيء من علامات الحياة
فقد جاء في الحديث ان المؤمن يسمع له مدى بصوره ويقال له ثم نومته العرس
مع اننا نشاهد ذلك اذ البرزخ برزخ اخر بمعزل عن اذ هاننا
وادراك قوانا.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہدائے کے دنیوی اجسام میں زندگی اُتار
دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سٹرا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ
پائیں۔ اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری
طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے
لیے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں لہن

کی نیند کی طرح سو جاؤ۔ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک
کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں مگر اس
کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور
عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔
پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

والذی یعمل القلب الیہ ان لہایتک الابدان شہا تاما صویا ہذہ الابدان وان المراد مختلفۃ
الاجزاء متفاوتۃ۔ اذ فرق بین العالمین شتان مابین البرخین۔ ویمکن حمل احادیث الطیر علی
تشبیہ ہذہ الابدان الغضۃ الطریۃ بسرعتہ حركتها وفعالہا حیث شاعت بالطیر الخضر
ترجمہ۔ اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی
ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے۔ اگرچہ دونوں
کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لیے کہ دونوں جہانوں میں
فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جہانی
کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف
شہداء کو کہا گیا ہے۔ سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جہانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق
کو عند ربہم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لیے آتا ہے۔ جو جب رزق روحانی ہے تو ان کی
زندگی بھی روحانی ہوگی۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

والذین ہاجرُوا فی سبیل اللہ ثم قتلوا اوماتوا لیس زقمہم اللہ ذقاً

حسناً۔ (پاک: اسحج ع ۸ آیت ۵۸)

ترجمہ۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ

انہیں خاص رزق حسن عطا فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جاتا زندگی کی دلیل ہے تو چاہیے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

اجواب

اس آیت میں اوقاتوا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لیے اس آیت میں وعدہ رزق ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فعالم بن عبید (۵۷ م) نے دیکھا کہ لوگ قتل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا :-

فاما من قتل فی سبیل اللہ ... فانه حتی عند ربہ یرزق ... واما من توفی فی سبیل اللہ من مہاجر لو عن مہاجر فقد تضمنت هذه الآية الکرمیة مع الاحادیث الصحیحہ اجراء الرزق علیہ۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجہ شہادت مہاجر ہیں اور حیاتِ جسمانی اور رزقِ حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پر اشار اللہ وسیع نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

① — حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں۔

جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آگئی وہ شہید ہے۔

② — حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) روایت کرتے ہیں۔

جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت چاہا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لیے مرتبہ شہادت ہے۔

③ — حضرت عمرؓ نے اٹنا خطبہ میں فرمایا۔

لوگو! ایسا کہو جیسا حضورؐ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔

④ — سہیل بن حنیف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو سکے۔

مولانا اسماعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عند ربہم یرزقون کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ

کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے۔ حضرت مریم کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف

موسم پھیل آتے تو حضرت زکریا علیہ السلام اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریم

نے بتایا۔ ہومن عند اللہ (پ آپ آل عمران ص ۴) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ

وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا۔ حضرت مریم کا جسدِ نبوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب

دنیوی — اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی

رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا۔

فابتغوا عند الله الرزق (نپ العنکبوت آیت ۱۰)

ترجمہ۔ تم اللہ کے ہاں سے رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ افسوس مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے

حیاتِ شہداء کے شواہد

① حضرت جابرؓ کہتے ہیں اُحد کے دن میرے والد نے مجھے کہا۔ شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضورؐ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیدا نہیں میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے۔ اُس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو۔ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا۔ تاکہ آپ کو علیحدہ دفن کر دوں۔

فکان اول قتیل دفنت معہ اخری قبرہ ثم لم تطب نفسی ان اترکہ مع اخری استخرجتہ بعد ستۃ اشھر فاذا هو کیومر وضعته ہنئۃ غیرا ذنہ۔

ترجمہ۔ آپ جنگ اُحد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یہ بتایا اچھی نہ لگی کہ میں اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں۔ میں نے پھر چھ ماہ کے بعد آپ کے وہاں نکالا آپ اسی حال میں جیسا کہ میں نے آپ کو دفن کیا تھا صراحتاً ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمرو الصماریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو

بن اکبوحؓ دفنائے گئے تھے۔

②۔ تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہرِ کھنصر کھودی گئی۔ اس کھدائی میں نسید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسدِ ملا وہ اسی طرح تھا جس طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ بیچہ انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

وما وجد في صدر هذه الامة من شهداء احد وغيرهم على هذه الصورة ولم يتغيروا بعد الدهور الطويلة لحمة بن عبدالمطلب فانه وجد حين حفر معاوية العين صحيحا لم يتغيرا صابت الفاس اصبعه فدميت به

ترجمہ۔ اور اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے جیسے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے دور میں ایک نہر کھودی تو انہیں حضرت حمزہؓ کی اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا بیچہ آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جلدی ہو گیا۔

③۔ حضرت عمرو بن الجموحؓ اور عبداللہ بن عمروؓ انصاریؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کیئے گئے :-

فوجد الم يتغيرا كما نهما ماتا بالامس وكان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذلك فارسلت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت به

ترجمہ۔ وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فورت ہوئے ہیں ان میں سے ایک احد کھن وخی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن

کر دیا گیا میں نے آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر تھوڑا دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پہلے تھا۔

④۔ حضرت عمرؓ کے زلمنے میں بخران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبداللہ بن تلمیذ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے:-
فاذا اخرت يده عنها تنبعت دما واذا ارسلت يده مهدها عليها
فلمسكت دما۔

ترجمہ: جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔

⑤۔ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضورؐ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔

⑥۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر نظامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تروتازہ ہیں اور بال بٹھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔

⑦۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ ۶۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریا زمین کا تان ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی۔ ایک صاحب الطاف حسین جوان جنازوں میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے:-

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲۵ و تفسیر فاذن جلد ۲۸ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱۸۶

۳۔ وقار القار جلد ۳ ص ۹۳۹

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ
برپا کر رکھا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال
گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک
صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں اسی طرح منقول
ہے اور اس کا عنوان ہے۔

ناقابل انکار صداقت

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے ۴۰ میل کے فاصلے پر ہے، زمانہ قدیم میں جس کا نام ”مدائن“ تھا۔
جہاں اکثر صحابہ کرام گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ
مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمانؐ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ
اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسولؐ کے مزارات پہلے سلمان پاک
سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔

ہوایا کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو
موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس
لیے کہ میرے مزار میں پانی اور جلابیہ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امپورٹمنٹ
کے باعث ٹھہر گیا۔ تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت
فرما کر کہا۔ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ
تمہارا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فردی بند و بست کرو۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نوری السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے

ٹے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوے دے دیا تو یہ فتوے اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نمازِ ظہران دونوں اصحابِ رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہوا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر سبجلی کی طرح پھیل گئی۔ ریٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لیے حرمین شریفین (مکہ مدینے) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہِ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے شاہِ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی تباڑوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز بڑھا دی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک پہنچنے نہ پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق مسلمان پاک میں جمع ہو گئے۔ دو شنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفۃ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آچکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔

مالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر، عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حفیظ الیمانی کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہنرمیں شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، سچی کریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار جھلک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس جھلک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟

بڑے بڑے ڈاکٹریہ دیکھ کر دنگ رہ گئے ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے یہ منظور دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایے مفتی اعظم، ہاتھ ڈھانکے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کینی نے کہا کہ کمال کیا کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقانِ دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر عین مزارات

کے اوپر دو سو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکریں لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی پھت سے ملحق چار سکریں لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھینے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس بٹر بونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی حیرت کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لیے آتے تھے اور مطمئن شادال و فرماں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ ”چشم دید واقعہ“ کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے ہر جگہ چپے سبے ہیں۔ یہ مزارات گناہم افراد کے بھی نہ تھے۔ یہ نبی اسرا الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جواب بھی مرجع خلافت بنے ہوئے ہیں۔

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں ذرا سی بھی شائبہ حق و انصاف ہے اسے انکار کر سکتا ہے کہ ان صحابہؓ رسول کو یہ حیات برزخی ہر نسبت سے حاصل ہوئی وہ کہیں گنبدِ خضریٰ بھی اسی جہدِ باطن سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔

یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا کیوں ہیں

عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور ان کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی، کیا وہ انہی گڑھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجساد کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثار حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لا تشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات پر زخمی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی یہ حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔

جو لوگ صحابہؓ پر بستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں ان کے ان کے ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت کی شرح ذرائع الرحمت جو رقم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:-

انهم مثل هذه الاقارب خروا عن ربيعة الاسلام ولذا رام بعض اهل رضوان الله

تعالى عليهم اجمعين على صورة الاختازير كما هو مشروح في الفتوحات المكية للشيخ الاكبر

وارد رسول الله صلى الله عليه وسلم بل حكم بعض اهل الله تعالى رضوان الله

عليهم انهم يشرون على صورة الاختازير له

عاصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور

انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آنحضرتؐ میں خنزیریوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

حیاتِ انبیاء کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آپہنچے

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روئے زمین اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔

اس دن جب سب مردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا طویل بے ہوشی سے افاتہ ہوگا بصورتِ ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے۔ جواب اس نغمہ ثانیہ سے ہوش میں آگئے۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افاتہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے :-

ونفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الارض الا من شاء الله
ثم نفخ فيه اخرى فاذا هم قيام ينظرون ۵ واشرقت الارض نوراً بها
ووضع الكتاب وحي بالنبئين والشهداء وقضى بينهم بالحق وهم
لا يظلمون ۵ (پ ۲۴: الزمر ع ۷۷ آیت ۶۸)

ترجمہ۔ اور پھونکا جائے گا صور۔ پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

بلکہ اٹھنے گی اور لایا جائے گا بنیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہو گا لوگوں میں انصاف سے۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا اور سہرچی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کہتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفع صدور ہو گا۔ پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردے ہو جائیں گے اور جو سرچکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفع ہو گا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہو گا

اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے۔۔۔۔۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور پر کیفیت سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی۔ حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔

عربی میں صعق کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

صعق الرجل اذا غشى عليه وصعق الرجل اذا مات۔

صور پھونکا جانے پر جو صعق ہو گا وہ موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہو گا اور جو پہلے سرچکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لیے یہ صعق غشی کا ہو گا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے سرچکے ہیں وہ تو زیر زمین تھے ہی۔ جو اب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حمل العرش پر شاید اس نفع کا اثر نہ ہو اور وہ الامن شاء الله کا استثناء پالیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفات پا چکا اس پر اس صعق کا اثر بے ہوشی کا ہو گا

— نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہو گا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو موت کی آغوش میں گئے تھے۔ وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؛ مقام حیات ہے ہو تو وہ بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مردوں پر تو واذا النفوس زوجت کا عمل ہو گا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے۔

انبیاء کرام اس دن بیہوشی سے اٹھیں گے۔ وہ موت سے حیات میں نہیں بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ ان کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پر دے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لا تخيروني علي موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا

موسى باطش بجانب العرش فلا ادري اكان فيمن صعق فافاق قبلي

او كان ممن استثنى الله عز وجل له

ترجمہ۔ تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا

جسے بیہوشی سے افاقہ ہو گا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ کچے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا

کہ وہ بیہوش ہو نہ ہوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بیہوش ہی نہ ہوئے تھے، ان

میں تھے جنہیں اللہ عزوجل نے اسی آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہو گا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

اني اول من يرفع رأسه بعد النفخة الاخيرة له

ترجمہ۔ میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نَفْخِ اُولٰی اور نَفْخِ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا۔ کتنا ہوگا۔ اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نَفْخِ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے۔

ثم نَفْخُ فِیْهِ اٰخِرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَنْظُرُوْنَ ۝ (پ ۲۴: الزمر ص ۷، آیت ۴۸)
ترجمہ۔ پھر دوسری بار نَفْخِ صور ہوگا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور اخرت میں فرق ہے۔ برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور اخرت میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح احمدیث میں نَفْخِ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام کے لیے نَفْخِ ثانیہ ہر نَفْخِ افاق من قبلہ اور اول من یُنْفِخُ کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک بہشتی کی سی ہوگی جو نَفْخِ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک کھلی زندگی میں آجائیں گے۔ یہ دوسرے نَفْخِ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے —
حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :-

فَاِنَّ النَّاسَ یَصْعَقُوْنَ یَوْمَ الْقَبْرِ فَاِذَا کَانَ مِنْ تَنْشِیْخِ عِنْدِ الْاَرْضِ فَاِذَا اَنَا مِنْ سِیِّ اِخْذُ بِعَاقِبَتِهِ مِنْ قِوَامِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِیْ کَانَ فِیْمَنْ صَعِقَ اَمْ حِوَسِبَ بِصَعْقَةِ الْاُولٰی۔

ترجمہ۔ سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور پھونکا جانے سے) سر جائیں گے۔ اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی دکھلے گی اور میں نکلوں گا، کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے

کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بہشتی کافی ہوگئی۔ جو انہیں پہلے (کوہ طور پر) پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفعہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفعہ قیامت کا بگل ہوگا اور دنیا کے سب انسان مر جائیں گے پھر جب دوسرا نفعہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفعہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نسبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔
خافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں :-

ترجمہ نفعہ اولیٰ وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مر جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفعہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔

رہا انبیاء کرام کا معاملہ وہ پہلے نفعہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفعہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے۔ اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پچھے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفعہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورت حال کیا بتا رہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیلہ نہ میں آنا اور انبیاء علیہم السلام کا بہشتی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل نبی نوح انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفعہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی

روایت کرتے ہیں جنور نے فرمایا اور بت آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی — آپ فرماتے ہیں۔

يُخْرِجُ الدَّجَالَ فِي أُمَّتِي فَيَلْبِثُ فِيهِمْ أَرْبَعِينَ فَيُبْعَثُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ... فَيُظَهِّرُ فِيهِ لَكَ ثُمَّ يَلْبِثُ النَّاسَ بَعْدَهُ سِتِينَ سَبْعًا لَيْسَ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قَبْلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ إِلَّا قَبِضَتْهُ... وَيَبْقَى شَرَارُ النَّاسِ فِي خَفَةِ طَيْرٍ وَأَحْلَامِ السِّيَاحِ... وَهِيَ فِي ذَلِكَ دَارَةُ اسْرَاقِمْ حَسَنٌ عِشْرَةٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِي الصُّورِ فَلَا يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا اصْغَى لَهُ بِهِ

اندر تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہو گا وہ اس کے چھونکے سے مرجائے گا صرف اہل شرہ جانیں گے طیور کی طرح ان میں توہم لغو اور اضطراب ہو گا فسق و فحور کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے خیالات ان کے بڑے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے عقیدیں ناقص ہوں گی اور علم و علم سے خالی ہوں گے قلبتِ رحم، اہلاک، اتلاف غضب اور وحشت ان کی زندگی ہوگی۔ نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ بُرائی کو بُرائی مانیں گے۔ شیطان کے اُگمانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے رزق ان کا وسیع ہو گا۔ صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور مچھونکا جائے گا۔

ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الْحَلَلُ فَتَنْبَتُ مِنْهُ أَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ أُخْرَى فَاذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْتَظِرُونَ قَالَ ثُمَّ يَقَالُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلْوَا الْحَرْبُ وَبَكَرُوا قَتْلَهُمْ

انہم مسؤلون۔

پہلے نَفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مرجائے گا کوئی زندہ باقی نہ رہے
 گا سب مرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسانے گا جس سے اجسام
 آگ آئیں گے۔ پھر دوسرا نَفخہ ہوگا اور سب اُٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت
 سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ اوسکما
 قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نَفخہ اولیٰ اور نَفخہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل
 قیامت وہی ہے جو دوسرے نَفخہ پر قائم ہوگی۔
 قرآن کریم کہتا ہے :-

ثم نَفخ فیہ اُخریٰ فاذا ہم قیام ینظرون ہ (پ ۲۴: الزمر)
 ترجمہ۔ پھر دوسری بار نَفخہ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے
 کو دیکھتے۔

اس صورتِ حال میں انبیاء کرام کا اپنی قبروں سے اُٹنا ہمیشی سے افاقے کی صورت میں ہو
 گا۔ موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے
 سے زندہ ہیں جو نَفخہ اولیٰ سے صرف ہمیشی میں جائیں گے اور دوسرے نَفخہ سے وہ ہوش میں
 آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۷۰ھ) فرماتے ہیں :-

وهذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قدمات فکیف تدرك الصعقۃ
 انما تصعق الاحیاء۔

ترجمہ۔ یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے
 ہیں۔ صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا

لہ قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے۔ بدن پھر سے بن جائیں گے

جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے بزخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)۔

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۴۴۵ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں:-
 قال القاضی فی حتمل ان هذه الصعقة صعقة فزع بعد البعث حين
 تنشق السموات والارض فتنتظر حينئذ الآيات والاحاديث و
 يؤيد قوله صلى الله عليه وسلم فافاق لانه انما يقال افاق من
 الغشي وامر الموت فيقال بعث منه وصعقة الطور لعربكن موتا و
 اما قوله صلى الله عليه وسلم فلا ادري افاق قبلي فيحتمل انه
 صلى الله عليه وسلم قاله قبل ان يعلم انه اول من تنشق عنه الارض
 ان كان هذا اللفظ على ظاهره وان نبينا صلى الله عليه وسلم اول
 من تنشق عنه الارض على الاطلاق

ترجمہ ہو سکتا ہے صعقة سے مراد جب آسمان اور زمین بھپٹ چکے ہوں گے
 صعقة فزع مراد ہو اس کے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضورؐ کا ارشاد
 بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے کہا کہ موسیٰ افاق میں آئے تو یہ اسے ہی
 کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے۔ موت سے جو اٹھا یا جلنے
 اسے بعث کہتے ہیں طور کی ہمیشی موت نہ تھی اور حضورؐ کا یہ کہنا میں نہیں
 جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش آئے ہو سکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو
 جب آپ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نغمہ اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ (باستثناء من شاء منہ) مر
 جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے، وہ اس وقت نہ مریں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

ان الذين يصعقون هم الاحياء واما الموتي فهم في الاستثناء في قوله
تعالى الامن شاء الله... ولا يعارض ما ورد في هذا الحديث ان
موسى ممن استثني الله لان الانبياء احياء عند الله وان كانوا في صورة
الاموات بالنسبة الى اهل الدنيا وقد ثبت ذلك للشهداء ولا شك
ان الانبياء اعلى رتبة من الشهداء ورد النص بح بان الشهداء ممن
استثنى الله به

ترجمہ جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں سریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ
الامن شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں..... اور یہ بات اس حدیث کے
خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو استثنی کئے گئے کیونکہ انبیاء
سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت
میں ہیں اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء کو بلا شک شہداء سے کئی درجہ
اعلیٰ ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الامن شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت
شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔

سو نفع اولیٰ میں موت صرف زندوں کے لیے ہے اور جو پہلے سے مُردہ ہیں وہ اس
صعقہ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل
دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں ہیں تاہم (حقیقتہً وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء
کے لیے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اوپر کے درجے میں ہیں۔
انبیاء کرام صعقہ اولیٰ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ نفع ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت ان

پراس صعقہ سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی۔ یہ صعقہ ان کے لیے صعقہ فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو آفاقہ ہوگا۔ جو مردہ ہیں وہ اس صعقہ ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم السلام جو پہلے اپنی قبور میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صعقہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔ پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی آفاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب جہنم کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک کھلی جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے عین مطابق ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ وہاں مصروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبی

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو۔ علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدالۃ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے۔ ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے۔ پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لیے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے۔ پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو۔ اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں:-

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں۔ ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل ہم احياء ولكن لا تشعرون۔ اس کے بطور دلالۃ النص سمجھیں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زاد ہم اللہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔ دلالۃ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس کے بطور اولیٰ سمجھیں آئے۔ اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرت زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس یہ

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رکی ہے کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس میں پر
 روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہدین کے قرآن کریم سے نئے سرے سے اتنباط
 کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو محبول گئے اور دعویٰ کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی
 قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے
 راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے۔

- ① حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔
- ② قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔
- ③ جس طرح شہداء بعد الوفاۃ زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفاۃ بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔
- ④ جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لیے زاد ہم شرفاً کی دُعا ہے۔
- ⑤ جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت
 نہ کی تھی۔

پہیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں
 اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں
 ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیات انبیاء کے کئی اقتضار موجود ہیں۔

① واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا۔ (پ، الزخرف آیت ۴۵)

② ولقد اتيانا موسىٰ الكتاب فلا تكن في مريه من لقائه۔

رپ، الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں
 احادیث صحیحہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہ کا اس صورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟
 وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش ہمارے نادان دوست اس مسئلے کو سمجھے ہوتے۔

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادتِ حیات شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارتہ النص ہے جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اب آئیے دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے شہادت پائی۔ وہ میں خیبر کے دن ایک یہودی نے آپ کو زہر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔ روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں میں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغِ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اللہ کے رسول غائب آکر رہتے ہیں۔ ارادہ خداوندی ہوا کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب فار ثور میں سانپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اڑی کو ڈسا تو اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا۔ حضور آپ کو اللہ کی طرف سے ان اللہ معنا کا وعدہ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضور کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیاتِ شہداء کے ایوان میں داخل ہو گئے۔

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابو بکر زہر سے حضرت عمر قتل سے شہید ہوئے۔

آنحضرت کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہیں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت جاحش نے ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس نے زہر ملا یا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے تھکے ہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرضِ الوفات میں فرماتے تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ سو آپ کا مرتبہ شہادت برحق ہے۔

ایک ہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پر کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا۔ صرف روح کا تجسد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجسد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اور پر کہا گیا ہے کہ حیاۃ انبیا میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء، حالاً اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیت اموات غیر احیاء انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جاسکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اور پس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں۔ ان کی بس یہاں رکھی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

عزیزان من! حیاۃ الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

بزرگان من! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں۔ یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق

طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا ہے؟

کم از کم اتنا ہی ہمیں بتادیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟

آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی کا اقرار جن واضح گواہیوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں۔

مسئلہ حیات النبی کا تعارف

آنحضرتؐ بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النفس کی رو سے زندہ ہیں اور بطور
نبی اور رسول بھی آپ قرآن کی دلالت النفس سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا عجیب ہے
کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں۔ انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحت
سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالت النفس سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث
صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء کو اسی طرح احوال کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء
کو احوال کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تصنیف ہونی چاہیے یا ان احادیث
سے قرآن کی تائید ہونی چاہیے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے وہ جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حيات بعد الوفات لسيد الكائنات

الباب الاول وفيه خمسة فصول

حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي عن عبد الرحمن بن يزيد بن جابر عن ابي الاشعث الصنعاني عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلوة فان صلواتكم معروضة علي قال قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت قال يقولون بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض الاجساد الانبياء.

سنن ابي داود جلد ١ ص ١٥٠، ص ٢١٢، سنن نسائي جلد ١ ص ١٥٢، سنن ابن ماجه ص ٤٤، ص ١١٩
 سنن دارمي ص ١٩٥، مستدرک، حاکم جلد ١ ص ٢٤٨، جلد ٣ ص ٥٢٠، مسند امام احمد جلد ١
 سنن کبریٰ بیہقی جلد ٢ ص ٢٢٨، والطبرانی کما فی نیل الاوطار جلد ٣ ص ٢١، ص ٢١١، و احمد کما
 فی التفسیر لابن کثیر جلد ٣ ص ٥١٤، وابن خزیمہ و ابن حبان و سعید بن منصور فی سننہ و
 ابن ابی شیبہ فی مصنفہ کما فی شرح العلامة البوسنی ص ٨٠ مصر، المصنف جلد ١
 و لائل الثبوت لابن نعیم ص ٢٩٦ مسر.

له قال ابن حبان في صحيحة حدثنا ابن جزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا
 عبد الرحمن بن يزيد بن جابر فصرح بالسماع منه (جلاء الاثهام للمخالف ابن القيم ص ٢٦ طبع امرتسر)

ترجمہ حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام دلوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن ان کی روح قبض ہوئی۔ اسی دن صور ٹھونکا جائے گا اور اسی قیامت کی بے ہوشی ہوگی پس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گھل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ امتیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔

① — صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا دراصل آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا۔
فان صلوتکم معروضۃ علیؑ

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ و سلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال یہ پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا ہے گا۔ آنحضرت کا ارشاد فان صلوتکم معروضۃ علیؑ جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہؓ نے جب اس استہرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا، تو آپ نے ہر دو میں فرق کرنے کے بجائے ایک اصولی بات بتادی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا۔

» زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے «

گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوة و سلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوة و سلام روح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوة و سلام روح الجسد پر پورے ادراک و شعور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

② ————— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ » زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے « صرف ادمت (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلواتنا علیک کے جواب میں ہے۔ یعنی ارشاد نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کا منشا یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوة و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اصل سوال یہ تھا۔

کیف تعرض صلواتنا علیک و قد ادمت۔

ترجمہ۔ ہمارا درد و آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجسادِ مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس و شعور پٹے ہیں۔ بلکہ منشاء رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوة و سلام پیش ہو سکے۔ اگر اجسادِ محفوظہ پر صلوة و سلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوة و سلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا۔ تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا اقتضا یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے حس و شعور اگرچہ محفوظ نہ ہو، اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوة و سلام پیش ہو سکے۔

③ ————— صحابہ کرامؓ کے سوال میں » ادمت « اور اس کے جواب میں » اجساد الانبیاء « کے اطلاقات قطعاً اور یقیناً اس دنیا والے جسدِ عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً

گنجائش نہیں کہ شاید اجسادِ مثالیہ مراد ہوں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ و سلام روضہ متورہ کے اسی جسدِ عنصری پر پیش ہو رہا ہے جس پر درودِ موت ہوا تھا اور جسے صحابہ نے دفن کیا تھا۔ جسدِ الطہر وہاں مع الروح ہے، تو عرضِ صلوٰۃ و سلام کا محل بنا ہوا ہے محض بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرضِ صلوٰۃ و سلام ہو سکے تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

کیف تعرض صلوٰۃ علیک وارت۔

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرضِ صلوٰۃ و سلام ہے، تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذراتِ بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے۔ پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتوٰ فان ذلك من مدارك الاذکباء۔

مولانا محمد بشیر قنوجی تفہیم المسائل فارسی ص ۸۵ پر اس حدیث خفیہ اجساد سے اسی طرح استدلال فرما رہے ہیں۔

کشف

بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لیے کہے یا سنے جاتے ہیں، تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے جا سے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے ہی بعض ادقات جہالت کی انتہا، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں۔ جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے۔ چونکہ اُسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرائی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کشف کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریب کے سلسلہ میں ضلع کھیل پور جانا ہوا، وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سُنانے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث

کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبور میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوتِ صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعی نبوت اور اور ٹھوٹے مدعی نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو، ٹھوٹے مدعی کی لاش گل ٹھڑ کہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ "زمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھلے" سچے اور ٹھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لیے تھا۔ (معاذ اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے، اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیان دلفکارِ صحیح ہے تو غور کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوت کو مسخ کرنے کی کس طرح بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوت کو سباق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اسے ایسا معنی پہناتے پر، جو آج تک کسی شارحِ حدیث کو نہیں سونپھے، حیرت درحیرت ہوتی ہے۔

الا یا قومنا انتبهوا فاننا
مخاسب فی القیمة عن رشک

اگرچہ یہ ارشادِ نبوت اجسادِ ابرار کی محفوظیت — ایسی محفوظیت کہ اس پر صلواتِ اسلام پیش ہو سکے — اور ایسا صلواتِ اسلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفات ہوتا تھا یعنی روح و جسد کے مجموع پر — پر دلیل ناطقہ اور شاہد صادق ہے — تاہم تاہم مزید کے لیے یہ بھی سنئے۔

تاہم مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حتی یرسرق۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے
پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے۔

یعنی، جو مضمون حضرت اوس بن اوس کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا۔

فان صلوتکم معروضۃ علیٰ — بنائے سوال کیف تعرض صلوتنا

علیکم وقد امنت۔

ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء — جواب برائے صورت عرض

صلوة و سلام بعد الوفات۔

نتیجہ — بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابوالدرداء کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ نبوت بن کر سامنے آ گیا۔

فنبی اللہ حتی یرزق — اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

اس جزو کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے

کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعا اور حکم اور راجح کہاں تک صحیح ہے۔ یہ اس کی تفصیل کا موقع

نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجسادِ مطہرہ کے محفوظ ہونے اور ان پر صلوة و سلام

کے پیش ہوتے رہنے سے، حیاتِ البنیہ کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت

میں بعینہ جزو حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی حدیث کی اپنی تفسیر اور اور راجح ہے تو

بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیثِ نخطِ اجساد کا اس کے پورے سیاق و سباق کے ساتھ

جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں

مقامِ تعجب ہے کہ اجسادِ الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فتنی اللہ حتی یرزق کا مطلب یوں

بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیاتِ جسمی کا اس سے کوئی تعلق نہیں

علمی دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔

والبغی یصرح اہلہ والظلم مرتعہ الوحیہ
حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت ایک اور سلسلہ اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

- ① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ — قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۳ ص ۲۹۸)
- ② ابن حنفی عاصیہ عزیزی شرح جامع صغیر — رجالہ ثقات (السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۹ مصر)
- ③ ملا علی قاریؒ — باسناد جید نقلہ میرکے عن المنذری ولہ طرق کثیرة
بالفاظ مختلفہ (مرقات جلد ۳ ص ۲۲۲)
- ④ قال الدمیری رجالہ ثقات. (فیض القدیہ للنادی جلد ۲ ص ۸۷)
- ⑤ رواہ ابن ماجہ. رجال ثقات (ذرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۶)
- ⑥ قال المنذری. اسنادہ جید (ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۱۹۷)
- ⑦ علامہ سہروردیؒ — رواہ ابن ماجہ باسناد جید. (خلاصۃ الوفار ص ۲۸)
- ⑧ قاضی شکرانیؒ — اخرج ابن ماجہ باسناد جید (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۱)
- ⑨ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ — باسناد جید. (دعون المعبود جلد ۱ ص ۲۰۵)
- ⑩ تنقیح الرواۃ ص ۲۵۵ باسناد جید (و ترکنا البقايا مخافة الطویل)
تلك عشرة كاملة.

الفصل الأول

وفیه ستّة من المباحث

المبحث الأول: احوال رُواة حدیث اوس بن اوسؓ

پہلا راوی جس پر تمام ائمہ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علیؓ کا ہے، اس کے بعد عبدالرحمن بن زید بن جابر، پھر ابوالاشعث صنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوسؓ منقطع علیؓ کے صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علیؓ، عبدالرحمن اور ابوالاشعث کے مختصر تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی — ثقہ عابد. (تقریب ص ۱۳، کشف الاستار ص ۲۶)

عبدالرحمن بن زید

عبدالرحمن بن زید دو ہیں، ایک عبدالرحمن بن زید بن تمیم۔ دوسرے عبدالرحمن بن زید بن جابر ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے، لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے۔ اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عبدالرحمن بن زید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبدالرحمن بن زید تھا، اُسے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تصنیف کر دی۔ حالانکہ ابوداؤد اور نسائی

۱۰ قال ابوداؤد حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي (جلد ۱ ص ۱۵۷) قال النسائي اخبرنا اسحاق بن منصور قال حدثنا حسين بن علي (جلد ۱ ص ۱۵۳) قال احمد حدثنا حسين بن علي (ابن كثير جلد ۳ ص ۵۴) قال ابن ماجه. حدثنا ابو بكر بن ابى شيبة حدثنا حسين بن علي (ص ۱۱۹) قال ابن خزيمة حدثنا ابو كريب حدثنا حسين بن علي حدثنا عبد الرحمن (جلد ۱ ص ۱۵۷) قال

کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ غلط فہم کر رہے ہیں جن لوگوں کی کئی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی نادانیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سچے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) صد اور نقشب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے۔

وقد تركتني لا اعلى لمحدث

حديثاً وان ناجيته و نجاني

سُنيي، حافظ ابن قيم فرماتے ہیں۔

وقوله ان ظن انه ابن جابر وانما هو ابن متم وغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشبهه علي حسين هذا بهذا الفقه و علمه بهما و سماعه منهما.

ترجمہ بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن متم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہو گئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبدالرحمن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔
رایت الدار قطني قد ذكر ذلك نصاً.

ترجمہ میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

عبدالرحمن بن زید بن جابر نے کحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابوالاشعث، صنعانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سنیں اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، حسین بن علی لکھنی

اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کے بھی شیخ حدیث تھے۔

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں "ہومن ثقات الناس" ان کے بیٹے ابو بکر نے کہا ہے "ثقة مامون" ابو حاتم کہتے ہیں "صدوق لا بأس بہ ثقة"۔

وفات ۱۵۲ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابواللیث الصنعانی کا اسم گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاد اس حدیث حفظ اجساد انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن ہثیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

پیش نظر رہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن ہثیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسامہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر علل رجال کے ماہر فن دارقطنی نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راوی حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقات رواۃ اور علل رواۃ پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھے ہیں۔

ابوالاشعث الصنعانی — شراحیل بن آوہ

ثقة من الثانية شہد فتح دمشق ۱۵ھ

۱۵ جلاء الاہتمام ص ۴۲ ۱۶ تہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸ ۱۷ ایضاً جلد ۶ ص ۲۹۵

۱۸ دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۱۵ ۱۹ تقریب التہذیب ص ۲۲۱

ثقة راوی ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے ان سے احتجاج کیا ہے مجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔

المبحث الثانی

صرف راویوں کی ہی توثیق اور ان کا باہمی انقال نہیں۔ ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی ان پر اعتماد کریں گے۔ سہرن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اُسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ورنہ اُسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

۱. امام احمد (۲۴۱ھ) ۲. امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) ۳. امام نسائی (۳۰۳ھ) ۴. امام

ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) ۵. ابن حبان (۳۵۴ھ) ۶. دارقطنی (۳۶۵ھ) ۷. امام بیہقی (۴۵۸ھ)

۸. حاکم (۴۰۵ھ) ۹. ابونعیم الاصفہانی (۵۳۰ھ) ۱۰. بغوی (۵۱۶ھ) ۱۱. نووی (۶۴۶ھ) ۱۲.

ابن وحید (۶۰۰ھ) ۱۳. علامہ منذری (۶۵۶ھ) ۱۴. حافظ عبدالغنی النابلسی (۶۶۲ھ) ۱۵. حافظ ابن کثیر

(۷۴۴ھ) ۱۶. حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ۱۷. حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ) ۱۸. خطیب بئر زئی (۷۴۲ھ)

۱۹. حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) ۲۰. حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ۲۱. حافظ صیسی (۸۵۵ھ) ۲۲. حافظ

سخاوی (۹۰۲ھ) ۲۳. علامہ سبکی (۹۱۱ھ) ۲۴. علامہ ابن عبدالہادی (۹۲۲ھ) ۲۵. علامہ طیبی

۲۶. علامہ سمہروی (۹۱۱ھ) ۲۷. امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) ۲۸. شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ)

۲۹. قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) ۳۰. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) ۳۱. شاہ اسماعیل شہید

(۱۲۹۷ھ) ۳۲. حجت الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ) وغیر ہم من الاکابر رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم بعض عبارات پیش خدمت ہیں:

حوالجات از بعض حوالجات

① شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ

تلخیص المستدرک للعلامة الذہبی «علی شرط البخاری»^۱

② حضرت امام نوویؒ

روینا فی سنن ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ بالاسانید الصحیحة عن

اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... الحدیث

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔^۲

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو

جاتی ہے۔ وللحدیث طرق جمعہا المنذری فی جزء فقعد الطرق یثد بعضها بعضاً۔^۳

علامہ نابلسی فرماتے ہیں حسن صحیح۔^۴

③ خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

الف: ورد الامر باكثر الصلوة عليه الجمعة من حديث اوس بن

اوس وهو عند احمد وابي داؤد وصحیحه ابن حبان۔^۵

ب: ورد الامر باكثر منها يوم الجمعة في حديث صحيح كما تقدم۔^۶

ج: عند ابی داؤد والنسائی وصحیحه ابن خزيمة وغيره عن اوس

بن اوس رفعه۔^۷

^۱ تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۲۶۸، جلد ۲ ص ۵۶، کتاب الافکار کتاب الصلوة علی رسول اللہ ص ۷۸

^۲ القول البديع للسخاوی ص ۱۱۹، تنقیح الرواة جلد ۱ ص ۲۵۵، ترجمان السنة جلد ۱ ص ۲۹

^۳ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۲، کتاب الدعوات ص ۵، پہلی ص ۱۶، فتح الباری ص ۱۶، کتاب الانبیاء ص ۱۶

④ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ

الف : صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد
الانبياء عليهم الصلوة والسلام^{لہ}

ب : وهو اليوم راى والحال انه اليوم كما وضع لان الارض لا تأكل اجساد
الانبياء عليهم السلام^{لہ}

⑤ حافظ ابن كثيرؒ

قد صح هذا الحديث ابن جريرمة وابن حبان والدارقطني و
النووي في الاذكار^{لہ}

ان پاپٹون حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرام
کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل
صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔

⑥ حافظ ابن قیمؒ

ومن تأمل هذا الاسناد لم يشك في صحته لشدة روايته وشهرتهم
وقبول الائمة حديثهم^{لہ}

ترجمہ اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اُسے اس حدیث کی صحت
میں کوئی شک نہ رہا، کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث
نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تأكل اجساد الانبياء
... الى غير ذلك مما يحصل من جملته القطع بان موت الانبياء انما

لہ عینی علی البخاری جلد ۶ ص ۶۹ لہ بنایہ جلد ۱ ص ۱۰۹ لہ تفسیر لابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴

لہ جلاء الافہام ص ۴۴

هو راجع الى ان غلبوا عنا بحيث لا ندرکہم وان كانوا موجودين احياء۔^۱

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

④ علامہ ابن عبد الہادی (۴۴۴ھ)

حدیث صحیح لان رواقہ کلہم مشہورون بالصدق والامانة والثقة والعدالة ولذلك صحیحہ جماعة من الحفاظ کابی حاتم بن حبان والحقاف عبد الغنی النابسی وابن دحیہ وغیرہم ولم یات من تکلم فیہ وعللہ بحجہ بدینہ۔^۲

ترجمہ۔ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق و امانت اور عدالت میں مشہور ہیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا۔

⑤ امام الحدیث والفقہ تلامذہ علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری

قال ميرك ورواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصحیحہ وزاد ابن حجر بقوله وقال صحيح علی شرط البخاری ورواه ابن خزيمة في صحيحه قال النووي اسناده صحيح وقال المنذرى له علة دقيقة^۳

اشار اليها البخاری نقله ميرك قال ابن وحية انه صحيح بنقل العدل

۱۔ کتاب الروح ص ۳۳ ۲۔ الصائم المنکی ص ۱۱ ۳۔ یہ علت غالباً عبدالرحمن بن زید کے ابن تیمیہ یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن زید بن جابر ہے، ابن تیمیہ نہیں، جو محل جرح تھا۔ پس سند بالکل بے غبار رہی۔ واجاب الحفاظ عما ذک فیہ من العلة وراجع له جلاء الافهام ص ۴۴، ص ۴۵

عن العدل ومن قال انه منكر او غريب بعلّة خفية فقد استروح
لان الدار قطنی ردها۔^۱

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو "منکر" یا "غریب و معتل" کہا ہے، اس نے نہایت
پہریات کہی، کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہرین نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔
⑨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روز جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوة
شما معروفی مے گرد بر من. ازیں جا معلوم مے شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی
دنیاوی است نہ بجز بقائے ارواح۔^۲

ترجمہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو
کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات
اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

⑩ حافظ عبد الغنی النابلسی

قال الحافظ عبد الغنی النابلسی انه حسن صحیح۔^۳

⑪ خاتم المحدثین حضرت العلامة محمد انور شاہ کشمیری

ومما كفر به الفقهاء الحجاج۔۔۔ لان في هذا الكلام تكذيباً
لرسول الله صلى الله عليه وسلم نعوذ بالله من اعتقاد ذلك فانه صح
عنه صلى الله عليه وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم على الارض
ان تأكل اجساد الانبياء رواه ابو داؤد۔^۴

۱۔ مرقات جلد ۲ ص ۱۱۱ مصرکہ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۹۲ ۳۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۶
۲۔ وراجع له الكامل للبرد جلد ۱ ص ۱۹ بحاشیہ الدكتور زکی مبارک جلد ۱ ص ۱۵۳ ص ۱۵۴
بحاشیہ ابراہیم ۵ خزائن الکرار ص ۱۹

ترجمہ فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بنا پر حجاج کی تکفیر کی تھی، ایک ان میں سے
اس ارشاد پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء
کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت
ہو چکی ہے اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۲ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ ان کے ذہن میں غالباً یہ بات ہوگی
کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن زید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری اُسے
عبدالرحمن بن زید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن زید کس سے روایت کر
رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے۔ اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمن بن زید بن
جابر کے ساتھ میں مذکور ہے یا عبدالرحمن بن زید بن تمیم کے ساتھ میں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں
کہ ابن تمیم کے ساتھ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

دارقطنی نے امام بخاری پر کئی تحقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام
بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم
ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے ان کی تاریخ کبیر سے لیا ہوگا۔
حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی، کہ ان پر ان کا استناد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن
جابر ہے یا ابن تمیم۔ امام دارقطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا
پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۴ھ) بھی اس بحث میں دارقطنی کے ساتھ ہیں۔
حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں۔

لكن قدرد هذه العلة الدار قطنى وقال ان سماع حسين عن ابن جابر
ثابت والى هذا اجتمع الخطيب

ترجمہ۔ لیکن اس علت کو دارقطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع
ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف تھکے
ہوتے ہیں۔

المبحث الثالث

ان بندگان کی عبارات، جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روضہ منورہ کی حیات یقین کیا ہے
نہ من تنہا دریں نے خانہ مستم جنید و شبلی و عطار ہم مست

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ؟ ۲۔ حافظ ابن القیم؟ ۳۔ علامہ طیبی؟ ۴۔ علامہ سید جمال الدین

۵۔ علامہ سندھی؟ ۶۔ امام ملا علی قاری؟ ۷۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی؟ ۸۔ قاضی شوکانی؟

۹۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن؟ ۱۰۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری وغیر ہم من الاکابر۔

پیش نظر ہے کہ ان عبارات سے ان اکابر کے اپنے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود
نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن
کے مقابلے میں کسی احتمالِ ثانی کی گنجائش نہیں۔

① آنحضرت کے ارشاد پر کہ "تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے" صحابہ کرام کا یہ سوال کہ
"بعد الوفاات یہ کیسے پیش ہوگا" اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں
کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پر
صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام اُمم کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو
حل کرتے ہوئے علامہ طیبی ۲ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں :-

وَيُؤْتِيهِ مَا يَسْرُدُ فِي الْحَدِيثِ الثَّالِثِ قَوْلُهُ فَنَبِيُّ اللَّهِ حَيٌّ يَرْزُقُ ۞

ترجمہ: حدیثِ حفظِ اجسادِ انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔
 (۲) عمدۃ المؤمنین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیثِ حفظِ اجسادِ انبیاء پر رقمطراز ہیں :-

والجواب بقوله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء كناية عن كون الانبياء احياء في قبورهم ۞
 ترجمہ: آنحضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسوں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۳) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ :-

قال اكثر واعلى من الصلوة يوم الجمعة فان صلوتكم معروضة على فقالوا كيف تعرض صلوتنا عليك وقد اومت اى بليت قال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء فاخذ ان الله يسمع الصلوة من القريب ويبغ ذلك من البعيد ۞
 ترجمہ: حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسوں کو مٹی بنانا زمین پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضورؐ نے یہی بات بتلائی ہے کہ آپ قبر کے قریب پڑھے جانے والے درود کو خود سنتے ہیں اور دور کا پڑھا ہوا درود (بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔

تشریح

یہاں فاخبراته لیسع الصلوة من القریب میں دو احتمال ہیں :-

آول یہ کہ یہ پہلی حدیث حفظ اجساد انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسد اطہر اس طرح

محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے درود کو خود سننے میں مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیات جسدی حاصل ہے۔

ثانیاً ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت

ابو ہریرہ سے بالفاظ اختلاف اصہبائی، ابن حبان اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ اس میں من

صلی علی عند قبری... الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پڑھنے کے احکام صراحت

سے منتقل ہیں۔ اس صورت میں امام ابن تیمیہ کا دونوں حدیثوں کو فاخبر سے جوڑنا اس

بات کا اشارہ ہے کہ حفظ اجساد انبیاء والی روایت اور روضۃ اطہر کے قریب سے درود

شریف خود سننے کی روایت مآل کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضۃ منورہ کی حیات جسدی

ہے۔

④ شیخ الاسلام حافظ ابن قیم :-

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری

مطراً وقد سألہ الصحابة کیف تعرض صلوتنا علیک وقد

ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو

لم یکن جسده فی صریحہ لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عنہ ان اللہ

تعالیٰ وکل بقبرہ المسلمکۃ یبلغون عن امتہ الاسلام وصح عنہ

انہ خرج بین انجب بکرو عمر وقال فکذا انبعث هذا مع القطع

بان روحہ الکریمیۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح

الانبیاء . . . فالروح هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراف
عليه وتعلق بحيث يصل في قبره ويند سلام من سلم عليه وهي
في الرفيق الاعلى .

ترجمہ یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بالکل ترمو تازہ روضہ
منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر صلوٰۃ
وسلام کیسے پیش ہوتا ہے گا، اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے
کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب
ارشاد نہ فرماتے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت
ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

۱۔ کتاب الروح ص ۵۴ حیدرآباد ۱۸۶۰ء یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قزوینی کا ہے کہ انبیاء کرام
کے اجساد مطہرہ، دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دینے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ
علیین یا حظیرہ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گریا انبیاء کرام کی حیات جسمانی انہیں قبور میں نہیں ہوتی۔ بلکہ
اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا حاصل
یوں بیان کرتے ہیں: پس محصل اختلاف در دوام و استمرار است در قبول سجیاتی کہ پیش از وفات بود
(جذب القلوب ص ۱۸۶) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان
یکون المراد به رفع اجسادہم مع ارواحہم (حیات انبیاء امام بیہقی ص ۱۴ مصر) حافظ ابن قیم اس نظریے
کی احادیث کی روشنی میں تردید فرماتا ہے اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات
جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہو اور
اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ لہٰذا اس حدیث
سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ وسلام روحنے ہی پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے،
اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے باہن تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیتین میں رفیقِ اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواحِ مقدسہ ہیں۔ پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روحِ منورہ میں رکھے جس پر اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح و بدن کا ایسا قری تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وہذا التعلق رای موسیٰ قائماً یصلیٰ فی قبرہ ۱۰

ترجمہ۔ روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

عافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبور شریفیہ کے اجسامِ مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقویم حیات کے لیے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

⑤ شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ :-

صبح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء
... فتحصل من جملة هذا القطع بانهم غیبوا عنا بحیث لا ندرکهم و
ان كانوا موجودین احياء وذلك كالحال فی الملائكة علیہم الصلوٰة و
السلام فانهم موجودون احياء لا یراہم احد من نوعنا الا من خصه

اللہ تعالیٰ بکرامتہ واذا تقرروا نملوا حیاء...

ترجمہ آنحضرتؐ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لیے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم ان کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ ان کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کی نہیں، اس احساس کا تھا کہ درود و سلام کس وجودِ اقدس پر پیش ہوا کرے گا۔ سو بدنِ اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدنِ طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :-

وهو اليوم (ای والحال انه اليوم) كما وضع لان الارض لا تاكل اجساد الانبياء عليهم السلام.

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت جب آپ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبروں کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

④ حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری :-

قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعها و فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجساد الانبياء ای من ان تأکلها

فان الانبياء في قبورهم احياء فمحصل الجواب ان الانبياء
 احياء في قبورهم فيمكن لهم مصاع صلوة من صلى عليهم . ^{تامل}
 ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر کرام کر دیلے ہیں کہ وہ پیغمبروں کے
 جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیاء کے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے
 ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوة و سلام کیسے پیش ہوگا)
 جواب میں یہ ارشاد فرمایا، اس کا ماہصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں
 اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوة و سلام پڑھے، اُسے وہ خود
 سن سکتے ہیں۔

آگے جا کر لکھتے ہیں:-

ان الصحابة رضی اللہ عنہم سألوا ابیان کیفیتة العرض بعد اعتقاد
 جواز ان العرض كائن لا محالة لقول الصادق فان صلوتكم معروضة
 علیٰ لکن حصل لہم الاستبہاء ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی
 المتصل بالجسد وجواب ان جسد النبی كجسد كل احد فكفی الجواب ما
 قاله علی ووجه الصواب ^{یہ}

ترجمہ: صحابہؓ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بعد وفات) آپ پر درود و
 سلام پیش کرنے کی کیفیت پوچھی، یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود و سلام
 تو ہر حال میں پیش ہوتا ہے۔ آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے
 نہیں، استبہاء اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہے، یا اس روح پر جو
 متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؓ) یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح
 ہے سو آپ نے جو جواب دیا وہ درستگی (حقیقہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

لاشك ان حفظ اجسادهم من ان تم خرق للعادة المسقرة فكما ان الله تعالى يحفظها منه فكذلك يمكن من العرض عليهم من الاستماع منهم صلوات الامة ۛ

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عادت زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجسادِ کریمہ) پر دوسرا پیش بھی ہوا اور وہ امت کا درد بھی امت سے سُن پائیں۔

علامہ عینی کی طرح تلامذہ قاریؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ قطع عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیاتِ انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی کہتے ہیں:-
قال ابن حجر وما افاده من ثبوت حياة الانبياء حياة بها يتعبدون و يصلون في قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مورية فيه ۛ

ترجمہ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ تعبدی امور سجالا تے ہوں اور اپنی قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔ (عاجت مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

امور لا مورية فيه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جاسکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجدد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے

④ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:-

اس حدیث مختصر اجسادِ انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:-

۱۔ انہیں جا معلوم ہے کہ حیاتِ انبیاءِ حیاتِ جسمی و دنیاوی است نہ بحیرہ
تجائے احوال

۲۔ کنایہ است از حیات و حیاتِ انبیاء متفق علیہ است، یہی کس را دروے
خلوے نیست حیاتِ جسمانی و دنیاوی حقیقی و دریں حدیث کہ فرمود،
ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء اثرات است بآں

۳۔ کنایہ عن حیاتہم کما یأخو من حدیث ابی الدرداء و المذہب
ان الانبیاء احياء حیوة حقیقیہ

۴۔ بدانکہ در حیاتِ انبیاء علیہم السلام، و ثبوتِ این صفت مرایشاں را در ترتیب
آثار و احکامِ اہل بیچ کس را از علماء غلامے نیست

۵۔ انبیاء علیہم السلام کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، اُن کے واسطے وہی
ایک موت ہے، جو ایک دفعہ آپکی اس کے بعد اُن کی روحیں بدن میں لوٹا
دی جاتی ہیں اور جو حیات اُن کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں۔
⑧ معتدائے فرقہ اہل حدیث فاضل حلیل قاضی شاکانی لکھتے ہیں :-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الا کثیر من الصلوٰۃ علی النبی ۴ یوم
الجمعة وانما تعرض علیہ واندہ حتی فی قبرہ قال ان الله
حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء وقد ذهب جماعة من
المحققین الی ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم حتی بعد وفاته

ترجمہ۔ احادیث سے ان امور کی شرعی حیثیت ثابت ہے۔ ۱۔ جمعہ کے دن آپ
پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ ۲۔ درود شریف آپ پر پیش ہوتا ہے۔

۱۔ جامع النبوت جلد ۲ ص ۹۳ طبع قدیم ۲۔ اشعۃ اللغات جلد ۳ ص ۶۳ ۳۔ لغات التفتیح ص ۳۳۱

۴۔ بذب القلوب ص ۱۸۶ لکھنؤ تکمیل الایمان مترجم ص ۵۵ ۵۔ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱۱، ص ۲۱۱

۳. آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسوں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس محقق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

⑨ پیشوائے اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں :-

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلها) فان الانبیاء فی قبورهم احياء۔
فان الانبیاء فی قبورهم احياء۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسوں کو کھائے۔ اس ارشاد نبوت کی بنا یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بدل میں ہے۔

کچھ عیال بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے انبیاء کی حیاتِ قبریہ کا بیان ہو رہا ہے یا محدث سیارہ نپوری ارشاد نبوت کا منشاء واضح کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور ان سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ فتوٰۃ دایا اولی الابصار۔
حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا، اور کس وضاحت سے اس کا مدلل رد و منہ اطہر کی حیاتِ عمری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آئیے حنفیہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے :-

⑩ سردار محققین رئیس المتحدین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن حاشیہ اپنی داؤد میں تصحیح

فرماتے ہیں :-

ان الصعابة سألو ابيان كيفية العرض بعد اعتقادهم بانه كائن
لامحالة لقول الصادق دقا لا اشتباه ان العرض هل هو على الروح

المجرد او على المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبي كجسد كل احد
فكفى في الجواب ما قاله علي وجه الصواب.

ترجمہ صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ
آپ یہ ارشاد فرما چکے تھے پس ان کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق
تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد
پر اس کا عرض ہو گا حضور اکرمؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی نہیں
ہوتے۔ اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے
اور روح مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے۔ یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور
بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ
والجماعۃ میں سے کوئی حیاتِ انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرت
قدسی صفات عرض صلوٰۃ و سلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض
ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لیے آپ
ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے
سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں پٹنر و استہزار سے پڑھتے ہوں ان کے لیے حضرت
شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ و اصحاب الشمال ما
اصحاب الشمال۔

والی اللہ المشتکی وهو المستعان وعلیہ التکلان۔

المبحث الرابع

حدیث ابی الدرداء و احوال رواته

حدثنا عمرو بن سعد المصري ثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث
عن سعيد بن أبي هلال عن زيد بن ايمن عن عبادة بن نسي عن ابي
الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة على

لہ عمرو بن سعد المصري ابو محمد المصري ثقہ من المعادیۃ عشرۃ. ثقہ راوی حدیث ہیں. (تقریب ص ۲۹۲)
لہ عبد اللہ بن وہب بن مسلم مولام ابو محمد المصري الفقیہ ثقہ حافظ عابد من التاسعة
(تقریب ص ۱۹۵) لہ ثقہ فقیہ حافظ من السابعة (تقریب ص ۲۹۸) لہ الیثی مولام ابو العلاء المصون
قیل مدنی الاصل قال ابن یونس بل نشاء بہا صدوق. (تقریب ص ۱۹۵) صدوق راوی
حدیث ہیں۔ ابن خزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن خزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا
اعتقاد تھا۔ وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجسادِ قبریہ کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔
ابوداؤد کی روایت جس میں قبر میں عودِ ریح کا بیان ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو
تھے، ان پر بھی ابن خزم نے جرح کر دی تھی۔ تنقیح الرواۃ ص ۳۱۲ میں ہے۔ ولعمارای ابن خزم
حدیث المنہال راہ علی معتقدۃ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورہا طعن فیہ و طعنہ
مردود و الحدیث صحیح. (جلد ص ۳۱۲) لہ زید بن ايمن روی عن عبادة بن نسی
وعنه سعيد بن ابي هلال ذكره ابن حبان في الثقات روی له ابن ماجه حدیثاً واحداً فی
فضل الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت رجالہ ثقات

یوم الجمعة فانه مشهور وشهده الملكة وان احد الن يصلی علی الا
 عرضت علی صلواته حتی یفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت
 ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق
 ترجمہ: عباد بن نسی حضرت ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جو کے
 دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرے اور کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور
 کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فداغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا
 جاتا ہے۔ ابو الدرداء کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپ پر درود
 پیش ہوتا رہے گا، آپ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے
 گا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرم کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا
 پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

عبادہ بن نسی

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۱۳۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوس، عبادہ بن صامت، ابو الدرداء
 اور دوسرے کئی صحابہ سے احادیث سنیں۔ زید بن امین اور سعید بن ابی ہلال وغیرہما نے ان سے
 روایات لیں۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، امام نسائی اور ابن سعد انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری
 نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حاکم ابن محمد مستطانی لکھتے ہیں:-

ثلاثة نفرینزل بهم القیث وینص بهم علی الاعداء عبادہ بن نسی
 رجاء بن حیاة و عدی بن عدی

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے ہارثیں برستی ہیں اور ان کی
 برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسی
 ہیں (توسل بالذوات)

تہذیب الکمال میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے ان کی حفظ احادیث انبیاء والی روایت

منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی فنبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ موجود ہیں۔

عبادہ بن نسئی سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور ان کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول ہیں۔ عبادہ بن نسئی سے سچے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم حاشیہ میں پیش ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پوری جماعت "اسنادہ جیدہ" کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل المبحث الاول قال الحافظ المنذک اسنادہ جیدہ۔

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن امین اور عبادہ بن نسئی کے باہین القطاع ہے۔ جو ابا عرض ہے کہ اصل القطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محل کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں تصریح کی ہے۔ زید بن امین اور عبادہ کے باہین دعویٰ القطاع ثابت نہیں، اس پر دلیل مطلوب ہے محض نقل دعویٰ ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا القطاع ہے، مضرب یا غیر مضرب پھر بصورت حضرت کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن امین کا عبادہ بن نسئی سے روایت کتنا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہاں یہ سوال کہ عبادہ بن نسئی کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔ سند جید بھی ہوتی ہے کہ ضعف رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں جاتی کہ روایت کو رد کیا جاسکے۔

اگر یہ روایت مُرسل ہے تو پیش نظر ہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے
 بلکہ اسے حضرت اوس بن اوسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس
 کا قبول کسی کے ہاں محل اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل
 بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) خیر نساؓ
 فاطمہ کی تفسیر سند عمارت بن ابی اسامہ کی روایت میں خیر نساؓ عالمہا و فاطمہ خیر
 نساؓ عالمہا کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور
 سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس لیے محدثین شافعیہ بھی جو
 احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں
 بھی اس ابن ماجہ کی حید الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

وکل من تأمل فیہ علم وتیقن ان العلم بالارسال من الدقیق الذی لا یتدرکہ

الاالموفق او الطالب المتحقق۔

المبحث الخامس

تدقیق الکلام فی عرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان صلواتکم معروضۃ علی دمہما اور وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یہ آپ نے کب فرمایا؟ یہ آپ کی حیاتِ طیبہ کی بات ہے۔ اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش ہوتا تھا؟ جو اب ظاہر ہے کہ جو قریب آکر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشکیک نہیں۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے جانیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی اہمیت کو بایں الفاظ (ان صلواتکم معروضۃ علی) اطلاع دی تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک بزرخی کیفیت تھی جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس دنیوی حیات میں ان بزرخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے معراج کی رات آپ اس دنیوی جسد سے ہی اس بزرخی سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے یہاں حضور کے دنیوی جسد اور بزرخی نظاروں کا اجتماع تھا قرآن پاک کی رُود سے اسراء کے جلووں میں لذیہ من آیاتنا (تاکہ ہم اپنے بند کے کو نشان دکھائیں) کی شان ہی ترجمہ کر مٹی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضور پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش

ہوتا تھا کہ ہم اسی وادی کے نا آشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درود و سلام آپ پر کسی مرنی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمال امت کے بہت سے بزرخی جملے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور کے سینہ مبارک پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرتؐ مدینہ منورہ میں بیٹھے طلاء اعلیٰ (اد پر کے جہان) کی باتیں سننے لگے۔ فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:-

فیما یختصم الملاء الاعلیٰ کس بات میں اد پر والے جھگڑا کر رہے ہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا:-

عرضت علیٰ اجور امتی وعرضت علیٰ ذنوب امتی فلم ارذ نبأ

اعظم من سورة من القرآن او آية او یتمارجل ثم نسیمہا۔

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے انعامات اعمال پیش کئے گئے اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور و ذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ کس چیز پر مرتب ہونے؟ اعمال پر۔

سو اگر اجور و ذنوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش

نہیں ہو سکتے؟ اسکا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علیٰ اعمالکم فما کان من حسن حمد

اللہ علیہ وما کان من شیء استغفرت اللہ لکم۔

ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر۔ اس مہلت میں تمہارے اعمالِ نیک پر پیش کئے جائیں گے جو اچھے ہوں گے، اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو میرے ہوں گے ان پر میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔ آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں :-

انہ یسر بطاعات امتہ وان الانبیاء لا یبلون۔^۱

ترجمہ: آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجداد پرانے نہیں ہوتے۔

درود و سلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

اذا کان یوم الجمعة و لیلۃ الجمعة فاكثر و الصلوة علیؑ

ترجمہ: جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اب پیش کیے جانے کا موقعہ بھی معلوم کر لیں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں :-

اکثر و الصلوة علیؑ فی کل یوم جمعة فان صلوة امتی تقرض علیؑ فی کل یوم جمعة۔^۲

ترجمہ: مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا تھا۔ صحابہ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ و سلام جب اظہر پر کیسے ہو گا۔ جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ و سلام نئے سرے سے شروع نہ ہو گا بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح و جسد کے مجموع پر تھا تو وہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ و سلام اس جسد اظہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ و سلام پہلے ہے اور رد اللہ علی روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے۔ حدیث کی ترتیب یہی ہے۔

حیوة الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لاختلاف لاحد فیہ فقال
الحافظ معناه رد اللہ علی نطقی

ترجمہ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان رد اللہ علی روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علی نطقی ہے۔ — چوتھی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے۔ یہ ہے :-

المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جملة خطابنا بما نفہمہ

ترجمہ۔ یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے

سمجھ پائیں درست ہے (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)۔

طبرانی میں ہے، آپ فرماتے ہیں،

ليس من عبد يصلي على الابغنى صلواته — قلنا وبعد وفاتك قال وبعد
وفاتي. ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء.

ترجمہ۔ کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے

(ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے

بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے

آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔ یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب سے ہو تو براہ راست

اور دُور سے ہو تو توسط ملائکہ۔ یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا تذکرہ نہیں کیا گیا معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل

ہے۔ جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ

کی ذات و تجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی توجہ فرمادیتے ہیں اور آپ کو اس کا

درود و سلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات توجہ کتنی کر ڈروں

ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ و سلام لے لیتی ہیں۔ بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث

میں اس سلسلے میں رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہیں رحم اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ

ہے مجھ پر روح لٹانی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے، روح میری طرف لٹانی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں،

اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی

کے فرق سے آپ نے ذمہ لیا فرمایا۔ علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت

طرف کے لیے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے رُوح کا

(اس جہت میں) استقلال نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس
کہ جسم اطہر کی طرف ٹوٹا یا گیا ہے۔
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں :-

اکثر شارحین نے روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپکی روح پاک
کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے
کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے۔۔۔۔۔ پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ
فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ
کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب
دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ واقفیات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، مجیب اور مستبدان
(کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں مگر اس سے روح اقدس کا ذات و تجلیات الہی میں استغراق
متاثر نہیں ہوتا اس میں فرق نہیں ہوتا آپ ہمہ وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔
آٹھویں صدی کے مشہور محدث، حافظ ابن الملقن (۵۸۰ھ) فرماتے ہیں :-

المراد بروح الروح النطق لانه صلى الله عليه وسلم تحت في قبره وسأوحه
لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

ترجمہ۔ روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب
دے سکیں) کیونکہ حضورؐ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی
اپنے جد نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی (۵۸۵ھ) نے روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد

جواب دیئے ہیں۔

الخامس انه يستغرق في امور الملاء الاعلى فاذا سلم اليه رجع اليه فلهمه
ليجيب من سلم عليه ۛ

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملا را علی کے جلووں میں مستغرق رہے ہیں پس
جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لوٹتا
ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔
پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں۔
ان امور الاخرة لا تدرك بالعقل واحوال البرئوخ اشبه باحوال الاخرة
والله اعلم ۛ

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جاسکتے اور عالم برزخ کے حالات
آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخاوی (۵۹۰۲ھ) علامہ تقی الدین السبکی سے رو رو ح کا
معنی نقل کرتے ہیں۔

يحتمل ان يكون رد امعنيا وان تكون روحه الشريفة مشتغلة
بشهود الحضرة الالهية والملاء الاعلى عن هذا العالم فاذا سلم عليه اقبلت
روحه الشريفة على هذا العالم ليدرك سلام من سلم عليه ويرد عليه ۛ
ترجمہ: یہاں رو رو ح سے مراد رو ح کا حسا ٹوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے
وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الہی اور
ملا را علی کے شہود میں مشغول رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے
تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرتے والے کے سلام
کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے

علامہ جلال الدین سیوطی (۷۹۱ھ) جملہ رد اللہ علی سادھی کو جملہ عالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں
عربی قاعدہ ہے کہ جملہ عالیہ حب ماضی کے طور میں ہوتا اس میں قد مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم
میں ہے :-

اوجاؤکم حصرت صدورہم ان یقاتلواکم او یقاتلوا قومہم۔

(پ، النساء، ع ۱۲ آیت ۹۰)

ترجمہ۔ یادہ آئے تمہارے پاس درحالیہ تک آپ کے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی
سے یا یہ کہ اپنی قوم سے لڑیں۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے ساد فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح
واضح ہوگی۔

ما من احد یسلم علی الا وقد رد اللہ علی روحی قبل ذلک و ارد علیہ۔

ترجمہ۔ کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری
طرف کو ٹا دیں اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

آب آئیے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد النعناعی (۱۰۶۹ھ) کا جواب
بھی ملاحظہ کیجئے :-

لان الکن لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظة۔

ترجمہ۔ کیونکہ جہاں کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لمحہ عرض سلام
نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی سر کر سلام اسی روضہ

قدسیہ کہ ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں
حاضر رہتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت كالمروج المكفوف لا يهزها
لواحه متجدده وداعيه سانحة ولكن النفوس التي هي دونها تلتصق
بالهمة فتجلب منها لوسا وهيشة مناسبة للارواح وهي المكنى عنه
بقوله عليه السلام ما من احد يسلم علي الا رد الله علي روحي حتى ارده علي
السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في مجاورتي المدينة سنة الف
ومائة واربع واربعون ۛ

ترجمہ اور کاملین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رُکی ہوئی
موج کی صورت میں پہنچاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ
حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح
کی) ہمت سے ان سے جا بچتی ہیں اور ان سے نور اور سعیت جو اپنی ارواح کے
مناسب ہو جلیب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور کے اس ارشاد میں کہ
جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر ٹوٹاتا ہے
(متوجہ کر دیتا ہے) حتیٰ کہ میں اس پر سلام ٹوٹا دیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے
اور میں نے ۱۱۴۲ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا۔ میں نے اس سلام
و جواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کر حیدر اظہر پر اس طرح تجلی رہتا ہے کہ آپ
نارین کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پُر الوار پر مجاورت
اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلوں سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) تفرّد اختیار نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں :-
جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح

پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت
و محبت تمامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش و ادھر دھیان کرنا، عطا فرما
دیتا ہے۔

اب چودہویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سنیں اور یقین کریں الاسم اللہ علی روحی
کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا حضرت مولانا
غلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں:-

قال القاضي لعل معناه الى روحه المقدسة في شان ما في حضرة الالهية
فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالى روحه المطهرة من تلك
الحالة الى رد من سلم عليه.

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ
کے حضور حاضر ہو اور جب کبھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ
آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ
پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم کی پہلی جلد میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ یہ چودہ سو
سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیان امت میں
ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الارد اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں
آپ فرماتے ہیں حضور پر عرض صلوة و سلام جب اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ
اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جب اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا

ہر آپ حدیث ان صلواتکم معروضہ پر لکھتے ہیں۔

اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک
(دونوں) پر پیش ہوتا ہے۔

اس بات سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس دنیا میں بھی صلوة و سلام پیش ہوتا تھا اور
آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھادیئے جاتے تھے اور یہ کہ آپ کبھی عذابِ قبر کی آوازیں بھی سن لیتے
اور کبھی بغیر کھانے پئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا۔ ہمیشہ بیدار رہتا تھا۔
یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ

آپ کی دیکھنے کی قوت اوروں جیسی نہ تھی۔ آپ کی سننے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح
نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا۔ آپ کا قلب مبارک نرالی شان کا حامل
تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

حسبوا ان جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد کل احد فکفی فی الجواب
ما قالہ علی وجہ الصواب۔

ترجمہ۔ انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح
ہوگا۔ حضور نے جو جواب دیا۔ وہ صحیح صورت بتلانے کے لیے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے صحابہ کرامؓ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پیش ہوتا ہے۔ اسود بن ینید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
(۳۲ھ) فرمایا کرتے تھے۔

اذا صلیتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحسنوا الصلوة علیہ فانکم
لا تدرون لعل ذلک یرض علیہ۔

ترجمہ۔ جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیرایہ میں پڑھو

ہو یا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کارکنان الہی لگے ہوئے ہیں سیاحین فی الارض
 (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور پر پہنچاتے
 ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے
 وہ سیاحین فی الارض محسوس ہوتے ہیں اور وہ زمین و آسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے۔ لیکن اگر
 درود روضہ انور پر پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی۔ حضور جب
 اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضور کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین
 فی الارض تھے۔ آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضور کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہو گا جو ساری دنیا میں
 دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضور کو پہنچائے گا۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تو ترجمانی کا دعویٰ
 کیا جا سکتا ہے۔ کوئی مسلمان نہیں جو حضور پر خلوص دل سے صلوٰۃ و سلام کہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا :-

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اکثر والصلوة علی یوم الجمعة فانه مشہود تشہدہ الملائكة وان احدا
 لن یصلی علی الاعرضت علی صلوتہ حتی ینزع منها

ترجمہ جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرے۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے
 اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ
 پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ

پر عافری دیتے ہیں کہ امت کا صلوة و سلام آپ کو پہنچادیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درود و سلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضورؐ کے روضہ پاک کے باہر ہے جو خود آکر سلام عرض کریں۔ اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ (تلا علی قاری ۵۱۴۳) لکھتے ہیں:-

درود و سلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:-
 نیز ابن عمرؓ آدھ ومن صل علی عند قبری زدت علیہ ومن صل علی
 فی مکان آخر بلغونیہ۔

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے گا میں اس پر اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ (مجھ) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة و سلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

والاحادیث فیہا مشروعیۃ الاکثار من الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم یوم الجمعة وانما تعرض علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانہ حی فی قبرہ

وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان

الحياة فيهم متعلقه بالمجد فكيف بالانبياء والمرسلين

ترجمہ اور احادیث میں جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے درود پڑھنے کی مشورہ ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نبی اکرم پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے۔ ان کی حیات صرف روح کی نہیں جس کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال

درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور پر پیش ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام مدینہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے ان کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو ان کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ مکہ میں زندہ ہیں، شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب :-

① جب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا

اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

② اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں

اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے اور نچے درجے کے مقربین برزخ اور جنت میں بھی اعمال طاعت

میں لگے رہتے ہیں۔ گویا ان پر فرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمان کی طرف سے درود برابر آراہ
تھا۔ تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالم برزخ میں حضور پر درود و سلام بھیج رہے ہوں
اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیث میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات
رد نہیں کی جاسکتیں۔

③ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالی پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف
حجہ کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

④ آپ پر اعمال امت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پر حالات امت پیش ہوتے
ہوں۔ یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ امت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ فرادہ ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے۔ ان امور میں غور کرنے سے آپ کے
شہادت کا انشاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود و سلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی۔ یہ حدیث ان صلواتکم معروضہ
علی کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضور کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر خود براہ راست درود و
سلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں۔ اس پر ایک مستقل باب آگے آ رہا ہے۔

المبحث السادس — التحقیق المفید فی الذب عن ایشخ الشہید

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام
کے (وفات شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ
اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام فرمادینے، ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت تھی،
تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہوگی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہید کی جو عبارت جو پیش کی جاتی
ہے، وہ یہ ہے :-

یعنی میں بھی ایک دن سر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ "ملنا" محل اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے
حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "ملنا" کے یہ معنی ملتے ہیں۔

پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا۔ **تذکر اللغات جلد ۴ ص ۶۳۲**
مقرر ضمیمہ خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے
سکیں جتنی یہ ہے کہ حضرت شیخ شہید کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضور کی
طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس
سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ **دعاؤ اللہ**
اردو زبان کا جامع ترین لغت، "جامع اللغات" جلد ۲ ص ۵۶۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن
ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد ۴ ص ۴۴ میں لکھا ہے۔

مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا۔

مٹی میں ملنا۔ دفن ہونا۔

مٹی میں مل جانا۔ دفن ہو جانا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن
مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے عند عند سے ان معنوں پر محمول کرنا، جو مصنف کے ماشیہ
خیال میں بھی نہ گذرے ہوں۔ کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ **والی اللہ اشتکی!**

پیش نظر ہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس
ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے" لیکن اگر اول الذکر کو اس
ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو
تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ انداز
یہی ہو گا کہ "سے" کے بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرم کے جمہد اطہر پر روضہ
منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لیے حضور کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں
ادا کیا گیا۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

ویسے نور اللغات جلد ۳ ص ۲۴ پر لکھا ہے کہ "میں" کبھی "سے" کے معنی میں بھی استعمال

ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

معتدین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں

اور اس مضمون کو حدیث حفظاً اجساد انبیاء سے خواہ مخواہ نکالتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ شہید اور ان

کے صلحہ اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرمؐ ایک دن ضرور پر وہ قبر میں تشریف

لے جائیں گے اور اس کے لیے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہو گا جس کے بغیر کوئی اس عالم

سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذتِ اسٹنائی

انبیاء کے لیے بھی ضرور ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ غلط ہو جائے جیسا

سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے

متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں

اور جب انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں :-

محدثین حقیقہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس کی تشریح کے

مضمون میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت زیر بحث لکھی تھی، اسقدرت کی طرف سے ایک ایسے

ہی مضمون کو ادا کیا ہے :-

اسجد واللحمی الذی لا یموت لمن ملکہ لا یزول فانک انما تسجد لی

الان مہابة واجلا لا فاذا صرت رہین رمیں امتنعت عندہ

ترجمہ سجدے تم اس ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور

جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تو اس وقت تو میری ہیبت اور میری

تعمیر کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا
جاؤں گا تو اس وقت تو سجدے سے رک جائے گا۔

علامہ طیبی شافعیہ میں اور ملا علی قاری حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں
نے ارشاد نبوت کے اس مضمون کو اس حضرت کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا
اسماعیل شہید نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صرت دھین
ومس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں۔ مگر نا شہید کے مقابلے میں دو بار زیادہ سخت ہیں۔
بعض مبتدعین مٹی کی پوری بحث ہی کو بدفطن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور
الورصلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا
ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور الورد کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور الورد
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انا وابوبکر وعمر خلقنا من تراب واحدہ فیہا دفن قتادئی افریقیہ ۸۵

ترجمہ۔ میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ جبہ اطہر خاکی ہی تھا اور ذات اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفات

میں منبع نور و عرفان اور مرکز ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہید کا حفظ جبہ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہید کا عقیدہ تھا کہ آپ کا جبہ اطہر روضہ میں تختی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں۔ آپ

مشنوی سلک نور میں لکھتے ہیں :-

ان آنکھوں سے ہر چہ وہ جسم پاک

دلے نور ان کا ہے قائم مقام

جو زیر پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

الفصل الثانی

وفیہ ستۃ من المباحث

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
 ما من احد یسلّم علی الاسراء اللہ علی روحی حتی ارح علیہ السلام
 ترجمہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دے
 گاہ یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں (وعلیک السلام کہوں)

المبحث الاول فی معنی الحدیث

- اس حدیث پر یہ چند سوال اُٹھتے ہیں ان پر غور فرمایا جائے :-
- ① سلام کرنے والا سلام کہنے کے لیے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضہ اطہر پر یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا دور سے بھی آپ کو سلام کیا جاسکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی بھیجا جاسکتا ہے؟
 - ② سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کر رہا ہے یا جبکہ اطہر پر؟ اللہ مجھ پر روح لوٹاتا ہے۔ یہاں مجھ سے مراد جبکہ اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پر روح اقدس لوٹتی ہے؟
 - ③ اگر جبکہ پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پر درود و سلام پیش ہوتا ہے یا وہ جبکہ اطہر زندہ ہے اور اس پر روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

④ جب ہر وقت روضہ منورہ پر زائرین کا ایک تاننا بند معاہدے تو روح اقدس کا اثر فضا یا اس کی توجہ بدن اطہر پر دائمًا ہے یا انقطاعاً۔ اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

اجوابات

سلام گڑھم یہاں سے بھی گذارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی رُوئے زمین پر گھومتے ہیں جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا۔ انہوں نے حاضری پر وہ سلام حضور کے گذارش کر دیا۔ مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسد اطہر پر ہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روضہ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پر ہی متوجہ ہوتی ہے جو روضہ پاک میں مدفون ہے۔ سو زائرین سلام کے لیے یہی حاضری دیں۔ روح کا قریبہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ حنبلی (۵۲۰ھ) نے اس روایت میں عند قبری کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علیین کی کوئی اور جگہ۔

ما من احد یسلم علی عند قبری ... الحدیث

حضور کی قبر یہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہوتی بھی قبر مبارک یہی ہے اور اسی دُنوی جسد اقدس میں برزخی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو تو نظر نہ آئے لیکن آپ اس میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہوں۔ بلکہ دوسرے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ آفتاب کی کہ وڑوں کہ نہیں زمین پر جلوہ ریزہ ہوں اسے تو آسانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لیے کہ یہ عام ہے۔ لیکن روح اقدس کی کہ وڑوں روحانی کونوں کا تسلیم

لہ المغنی جلد ۲ ص ۵۵۸ روایت عن احمد اسے ہم تائیداً نقل کر رہے ہیں۔ لہ قال ابن عبد الہادی موصی اللہ علیہ

وسلم یسمع السلام من القبر وتبلغہ الملائکة الصلوٰة والسلام من البعد. (الصارم المنکوی ص ۲۸۲)

کہ لیا ہمارے دوستوں کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ جلد سے برزخی ہیں اور ان کی سنکھوں سے او جمل ہیں۔ اور معتزلہ ان چیزوں کو ماتنہ کے لیے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور درود کا بعد میں — اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام دائرین جہد اطہر پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابو بکر المرزئی (۵۸۱۲) لکھتے ہیں:

اعلم ان كتب السنة متضمنة للاحادیث الدالة على ان روح النبی

صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانہ یسمع ویند علیہ السلام۔

ترجمہ۔ جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں:

الاراد اللہ علی روحی ای ماد علی نطقی لانہ حی دائمًا وسامیًا لا تقارنہ

ترجمہ۔ بگئیہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے (یہ تشریح اس کے ضروری ہے، کہ آپ زندہ ہیں اور آپ کی روح متوہدہ آپ سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں۔

بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء

ملت و بیچ کس را خلافت نیست درال۔۔۔۔۔ ای حدیث صحیح است ما من مسلم

یسلم علی الامراء اللہ علی روحی۔

ترجمہ۔ جان لو کہ حیات انبیاء اللہ کے نبیوں کی حیات اللہ کے صورت اور تسلیمات ان پر

ہوں تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں۔ یہ حدیث

صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوہدہ نہ کرے۔

ہمارے یہ کرم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں شیخ نصیح میں
مشاہل تھے ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو مشاہل نہ تھے۔ ان سے کون متشدد زیادہ ہوگا۔ آپ
بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے۔

واقفون الائمة علی انہ یسلم علیہ عند زیارتہ وعلی صاحبیہ لما فی السنن
عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من مسلم یسلم علی
الاسم اللہ علی روحی۔^۱

ترجمہ اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت
ابوبکر و عمر پر سلام عرض کیا جائے سنن میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ اسے حضور سے نقل
کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب حج پر صلوة و سہم صحیحے مگر کہ اللہ تعالیٰ حج پر پیکار و سعادت لٹائے ہیں۔
امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثانی — اس حدیث کی سند تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابوداؤد کی روایت سے ہے۔ اس کے راوی یہ ہیں۔

- ۱۔ ابوداؤد صاحب سنن۔ ۲۔ ابو عاتم محمد بن حنف۔ ۳۔ عبدالرحمن بن یزید المقرئ۔
- ۴۔ حیوۃ بن شریح۔ ۵۔ ابو صخر حمید بن زیاد۔ ۶۔ یزید بن عبداللہ بن قسیط۔ ۷۔ حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ عنہ صحابی رسول۔

ابو عاتم محمد بن حنف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ عبدالرحمن بن یزید المقرئ کو بھی امام
نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ حیوۃ بن شریح کو امام سجلی بن معین ثقہ کہتے ہیں۔ علماء مصر کے استاد تھے۔
ابو صخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متشدد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ یزید بن عبداللہ بن قسیط کو امام نسائی

۱۔ فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۶۱ ۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۸۴ ۳۔ ایضاً جلد ۶ ص ۸۴

۴۔ ایضاً جلد ۳ ص ۱۷۵ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۸۴ ۶۔ تہذیب جلد ۳ ص ۲۴۲

ثقة اور محمد بن معین لیس بہ بائیں کہتے ہیں۔ ان روایت میں کوئی کتاب نہیں جو واظنین ان روایت
حدیث کو کتاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کذاب ہیں۔

تصحیح محدثین

① حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ) امام نووی (۶۷۲ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔

امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں۔ بالاسناد الصحیح ص ۱۰۶ اور ریاض الصالحین ص ۴۹۲
میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ امام احمد (۲۴۱ھ)

ابو داؤد (۲۴۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔

② حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقات (اس کے سب راوی ثقہ ہیں)۔

③ علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں۔ اسنادہ حسن۔

④ علامہ سہروردی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ روی ابو داؤد بسند صحیح۔

⑤ علامہ زرقانی (۱۱۱۲ھ) لکھتے ہیں۔ بالاسناد صحیح۔

⑥ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں۔۔۔ اس حدیث صحیح است۔

⑦ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۴۴ھ) لکھتے ہیں۔۔۔

قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواۃ ثقات۔

⑧ امام العصر علامہ نور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں۔ رواۃ ثقات۔

⑨ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں۔۔۔

۱۔ تہذیب جلد ۱ ص ۳۴۲ قال ابن عبد البر ثقہ من الثقات ۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۳ ۳۔ فتح الباری جلد ۳

۴۔ السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۴۹ ۵۔ وفاء الوفا ص ۳۰۳ جلد دوم ۶۔ زرقانی شرح مواہب جلد ۸ ص ۳۰۸ ۷۔

مناہج النبوة جلد ۲ ص ۲۴۴ ۸۔ دلیل الطالب ص ۸۴۳ ۹۔ عقیدۃ الاسلام ص ۵۲

عن ابی ہریرہ رفعہ ما من احد یسلو علی الارذ اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
 ورواہ ثقات انه یستفرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذا سلمہ الیہ حجج
 الیہ فہما لیحبیب من سلم علیہ^۱

① محدث العصر علامہ ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :-

رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعۃ قال السبکی وهو اعتقاد صحیح^۲

ایک اعتراض، وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن عبد اللہؓ کے درمیان انقطاع ہے امام مالک
 نے زید بن عبد اللہؓ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ زید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ
 کا زمانہ نہیں پایا؟

الجواب و ہو صدق و الصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک زید بن عبد اللہؓ بن قسیط کو لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ ابو حاتم کی
 رائے صحیح نہیں۔ امام ابن عبد البر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-
 ویزید قد اکتج بہ مالک فی مواضع من الموطا و هو ثقہ من الثقات^۳

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں۔ روی عن ابن عمر و الخ ہریرہ۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ زید بن عبد اللہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا۔ زید بن عبد اللہؓ کی
 عمر حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) کی وفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے
 زیادہ سختی کو فیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی کو سماع سے نہیں روکتے تھے ہم یہ کیسے
 تسلیم کر لیں کہ زید بن عبد اللہؓ اس عمر تک حضرت ابو ہریرہؓ جیسی شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

مدیث مذکور آپ کی روضہ مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ایہام پیدا
 ہوتا تھا وہ امت کے دائمی صلوة و سلام اور وہاں ہر وقت کی حاضری خاص و عام کے باعث

کسی درجہ میں درخور اعتناء نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما اب آ ان روایات سے کھلا تقادم کہہ رہے ہیں جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ و سلام کے پیش ہونے کا بیان ہے۔ سو مناسب ہو گا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کر لیا جائے۔ معلوم رہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

المبحث الثالث - کشف الحجاب عن وجه الاضطراب

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس میں درود پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔

ان احد الن يصلی علی الاعرضت علی صلوٰۃ حتی یفرغ منها۔
ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کا بیان ہے۔ اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی تخصیص نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔ حضرت اوس بن اوس کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے۔ حسن حصین کے الفاظ: "لین یصلی علی احد یوم الجمعة الاعرضت علی" میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تخصیص نہیں۔ جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا۔

فانه مشہود تہمدہ الملئکة۔

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

لہ ان العمل الصالح زید فضلاً بواسطة فضل الوقت وعلى هذا الاحاجۃ الى تقييد المرض بیوم الجمعة قال المسندھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے ہی فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا :-

ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام.

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحتِ ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہاں اس سیاحت کے لیے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں، اگر اوقاتِ فضیلت میں اعمالِ فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقاتِ فضیلت میں عرضِ صلوٰۃ و سلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر ہے کہ ان روایات میں عرضِ صلوٰۃ و سلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرضِ صلوٰۃ و سلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے درود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں

۱۔ نسائی، جلد ۱۴۳، دارمی ص ۳۶۲۔ علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۴) اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ خطیب اور عملی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب جلد ۳ ص ۴۲۳) حافظ ابن العثیم لکھتے ہیں :-

وزاد ان عن الثقات راوی عن اکاب الصحابۃ کعمر وغیرہ وراوی لہ مسلم

فی صحیحہ قال یحییٰ بن معین ثقہ وقال حمید بن ہلال وقد سئل عنہ ہو ثقہ لا تسأل عن

مثل هؤلاء۔ (کتاب الروع ص ۵۹)

کہہ سکتے ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لیے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرس صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ سہل روایت منقول ہے۔

ان صلوٰۃ اتفق تعرض علی فی کل یوم جمعة۔

ترجمہ۔ بے شک میری امت کا درود و تحیر پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں۔ تو قایت ماننے

الباب یہ ہو گا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے توسط سے روضہ اطہر پر پیش ہوتے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لہجے جن میں یوم جمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابو داؤد میں ہے۔

ما من احد یسلم علی الاخرج الله علی روحی فارح علیہ السلام۔

۱۔ منشی الاخبار جلد ۳ ص ۲۱۰ مصرغہ رواہ ثقات (فتح الباری ۱۲ ص ۱۶۹) رواہ ثقات (فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۳)

اسنادہ ہکذا حدثنا محمد بن عوف اخبرنا المقرئ اخبرنا حنيفة عن ابي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبد الله بن قسيط من او اخر كتاب للناسك وتقدير الكلام ما من احد يسلم على الاخرج عليه السلام لاني حتى اقدر عليه (كذا في الشرح جلد ۲ ص ۱۶۹) قال المحدث السخاوي يؤخذ من هذه الاحاديث انه صلى الله عليه وسلم حتى على الدوام وذلك انه محال عادة ان يخلوا الوجود كلها من واحد يسلم عليه في ليل ونهار ونحن نؤمن ونصدق باننا صلى الله عليه وسلم حتى ينشق في قبره وان جسد الشريف لا تاكله الارض والاجماع على هذا. (القول البديع ص ۱۳۵) رح الله عليه روحه لاجل سلام من يسلم عليه واستمرت في جسده صلى الله عليه وسلم لانها تعاد ثم تتزع ثم تعاد (القول البديع ص ۱۳۴) قال المحدث نور شاه كشميري الطاهر منه انهم يوجد هناك نقل من موطن الى موطن وانما هو نقل من حالة الى حالة وتبدلها ولعل المراد بحديث الانبياء احياء في قبورهم يصلون انهم ابتر على هذه

ترجمہ۔ جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔ پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ جمعہ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت سے کل یوم کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے۔ جن میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی صِدْرَتِ مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرض صلوٰۃ و سلام متبادر ہوتا ہے اور تو سب ملانکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر جمعہ بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متقدم قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعویٰ کر دیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعیٰ فعلیہ ان یأقی بالتقل۔

لیجئے مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ارشادِ نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔
 من صلی علی عبد قبری سمعته ومن صلی علی نائی بلقعدہ۔

الحالة ولم تلب عنہ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶) اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کرے اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے... ہوش فرمادیتا ہے جو نسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا۔ اس کی طرف کا شعبہ لڑنے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے۔ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا، پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ جلد ۱ ص ۲۴۵) والمفتی ان اللہ سبحانه یندرجہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ (شرح الشفا للملا علی القاری جلد ۲ ص ۱۴۲ مصر) والتفصیل فی نسیم الریاض للحنفاجی جلد ۲ ص ۴۹۹) لہ رواہ ابوالشیخ بسند جید کما فی الفتح جلد ۱ ص ۱۳۳

ترجمہ جو میرے روزنامہ پر آکر مجھ پر درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو

دور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

بات صاف ہو گئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو ان پر منطبق کر لو۔ روزنامہ منورہ کے پاس حاضر ہو کر درود پڑھنا ہر وقت پہنچتا ہے اور دور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ جب اس تقسیم پر غور کیا تو امام احمد کی ایک روایت مامن احد یسلم علیہ کے مضمون کی اور وضاحت ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا :-

ما من احد یسلم علی قبری الا سرد اللہ علی روحی۔

یعنی رفع تعارض اور تطبیق میں القولین کے لیے "عرض سلام بوقت تسلیم" کا مطلب ہم نے بتایا تھا کہ یہ قربِ روضہ کے لیے ہے۔ وہی مضمون "علی قبری" کی عبارت میں خود الفاظ نبوت ہو کر سامنے آ گیا ہے۔

وڪر من عابئ قولا صحیحا

وافته من الفہم السقیم

سیدنا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

درود و سلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔

نیز از ابن عمرؓ آمدہ من صلی علی عند قبری زدت علیہ ومن صلی علی فی مکان اخر بلغونیا۔

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لا تدرؤن لعل ذلك یعرض علیہ کے الفاظ، سو اس لفظ لعل میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صورت کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس کی قبولیت

اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے یعنی درود شریف اچھی طرح پوری تو تہہ ہی سے پڑھا جائے تبھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچتا ہے

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور توسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بعد کے لیے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لیے ہے جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب دوسو سے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے۔ خواہ روغنہ کے پاس حاضر ہو۔ خواہ دور سے پڑھ رہا ہو۔ وہ کون سا بد بخت ہوگا، جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضورؐ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روغنہ پر حاضر ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرضِ صلوة و سلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایات کی بعض مرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یوم جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا قرب و بعد کا صلوة و سلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغ صلوة و سلام کو یوم جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوة و سلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علیٰ الابلغنی صلوتہ کے الفاظ ہیں منافذ ابن قیم کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیف کاتب سے بلغنی صلوتہ کے بجائے بلغنی صلوتہ لکھا گیا ہے۔ ناظرین طبرانی کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمائیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابو الدرداءؓ کے ماہین السطوح ہے۔

لہ ان التدرج فی قبولیۃ الصلوة فان عنہ لایکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالریاء

المبحث الرابع

في تصحيح المتقدمين

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی تصحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام نووی کی تصحیح سے کی۔ اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدمین سے کیوں اصولاً یہ مطالبہ صحیح نہیں۔ قرون وسطیٰ کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔ حضرت امام احمد بن منیل (۲۴۱ھ) امام بخاری اور امام مسلم کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضور کے روئے پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:-

والامام احمد اعلم الناس في زمانه لما سئل عن ذلك لم يكن عنده بما يعتمد عليه في ذلك من الحديث الا حديث ما من رجل يسلم علي الا رد الله على روحى حتى ارد السلام له

ترجمہ۔ امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جاسکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

پھر امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) خود بھی تو متقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے، اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوتی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے حنث ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

مالعید ذکر فیہ شیاء فهو صالح۔

امام ابو داؤد نے لکھا ہے :-

میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔

حدیث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

ابو داؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر ایک جماعت کی جماعت نے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔

مولانا عبد الجبار غزنوی

ابو داؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں ما من احدی علی الارواح الا ان الله علی روحی فاروع علیہ السلام۔

سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز

سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح میں رکھتا ہے یہاں تک کہ میں اس سلام کا جواب دیتا ہوں۔

۱۔ تدریب الراوی ص ۵۵ ۲۔ مرقات جلد ۱ ص ۱۰۳ ۳۔ اعلام السنن جلد ۱ ص ۲۲۲

۴۔ اثبات الالبام والبیعة ص ۱۲ ۵۔ الحج والعمرة والزیارة ص ۱۵۱

المبحث الخامس

فی معنی رد الروح

فصل اول میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح دنیا میں صلوة و سلام "روح انور اور جسد اطہر" کے مجموعہ پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود و سلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائزہ الحیات ہے گورہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو۔ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو علمی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آسکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روحہ انور پر حاضر ہو۔ وہاں آپ ہر ایک کا درود و سلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناه انہ یرد روحہ
ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجه من ذلک الی هذا الجانب فهو حی فی
کلتا الحالتین۔

ترجمہ۔ ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح ٹٹائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث مہار پوری لکھتے ہیں :-

فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله روحه المطهرة من تلك الحالة
التي رد من سلم عليه. ۱۰

ترجمہ جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی
روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لٹاٹاتا ہے کہ آپ سلام کہنے والے
پر جواب کو ٹاسکیں۔

فهي دائماً تعرض عليه بواسطة الملائكة الاعداد ووضته فيسمعها
بحضرتہ. ۱۱

ترجمہ، وہ دوشرفیت آپ پر فرشتوں کے واسطے سے پیش ہوتا رہتا ہے دائماً
مگر آپ کے روضہ نور کے پاس۔ وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یعنی اور متفق علیہ ہے
اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ بعض روایات کی
بتا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صوف بذریعہ
ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی
— لہذا قریب سے صلوة و سلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ
نار کی آواز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچتا بڑے
شرف اور مجد کی بات ہے۔ ۱۲

حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی د (۱۳) لکھتے ہیں :-

بے شک حقیقتہً "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس جہان میں حاضر اور زندہ

نہیں مگر حکما ہیں دیکھو نہ یہاں سے وہاں ہمارا اسلام سنتے ہیں (ابوداؤد
اور بیہقی روایت کرتے ہیں)۔

ما من احد یسلم علی الارض الا رد الله علی روحی فارد علیہ السلام

جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح

مجھ پر لٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطا

غیر محل نہ ٹھہرا۔ دوسری روایت میں ہے۔

ان لله ملئکة سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام رواہ

النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصحیحہ

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب دو دروازے

اور دو دروازے کا فرق بتلایا گیا ہے قریب سے پڑھا جانے والا اور دو پاک آپ خود سنتے ہیں

اور دوسرے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں اس کی دو سندوں میں

سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ

بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت

سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور یہ بھی

اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا اور دو شریف آپ خود سنتے ہیں اس حدیث

میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں۔ اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ و سلام سنے

جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ و سلام پر حضور کی روح مقدسہ کا متوجہ

ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود و سلام کا واسطہ ملا کہ

پہنچنا مذکور ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی

ذکر نہیں۔ ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس مزاحمت سے موجود ہے
 جیسا کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے۔ مولانا عبد الجبار غزنوی نے بھی اسے نقل
 کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس — فی سیاحة الملائكة

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
 ان لله ملائكة سیاحین فی الارض یبلغون فی امتی السلام بلہ
 ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری
 امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفحہ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضور پر درود
 پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روضہ انور پر عاضری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرت
 کے حضور پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جا
 رہا ہے سب اسی زمین پر ہیں۔ بقی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپ کی حقیقی قبر زمین
 پر مدینہ منورہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین
 میں الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دُور سے مسلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے
 پہنچاتے ہیں تقریباً سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب
 کوئی مسلمان مجھ پر (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ
 کر دیتا ہے جس سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے پڑھے گئے درود و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے کتاب جناب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ مسئلہ ان دو احادیث سے عبارتہً انص سے ثابت ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے ص ۱۵ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے :-

اور حضورؐ کی زندگی قبر میں بذمہ زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف کی آیات اس پر نصوص میں۔ کیونکہ حضورؐ شہداء سے بلاشک و ریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

پھر آگے ص ۱۳ پر آل شیخ علامہ نجد شیخ محمد بن عبداللطیف کا عقیدہ بھی بایں طور

مرقوم ہے :-

اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد کبھی اس

طرح کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے۔ سو بات اسی طرح ہے

جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث

وفيه ستة من المباحث

حدثنا هدا بن خالد وشيبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفي رواية هدا بن مردت على موسى ليلة اسرى بي عند الكثيف الاحمر وهو قائم يصلي في قبره له ترجمه حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ شیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نمازیں پڑھنا بصرحت مذکور ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے:-

ولقد اتينا موسى الكتب فلاتكن في مريه من لقائه.

(پا ۱ سجدہ، آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی، یہ کوئی خواب یا کسی مشالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی

تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی: ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی۔ بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا جسم عنقریب تھا۔ انہی کو آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں۔ اور اگر آئندہ یہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی۔ اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔

المبحث الاول

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر منورہ میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضورؐ کی اقتدار میں نماز پڑھنا، اور پھر آسمانوں پر حضورؐ کو ملنا اور پھر آپ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لیے آپ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہو گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں۔ بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور طارِ اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی۔ کیا وہ ہر جگہ موجود ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لانے جا رہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لیے وحدتِ زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

وصلواتہم فی اوقات مختلفہ و فی اماکن مختلفہ لا یردہ العقل

وقد ثبت بہ النقل فدلّ ذلك علی حیاتیہم۔

ترجمہ۔ اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں۔ اور نقل صحیح اسے ثابت کر

رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر طہارہ اعلیٰ میں طہا، ان سب کے اوقات مختلف ہیں پس تعارض لازم نہیں آتا۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔

حدیث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:-

فی قصة المعراج انه لقیمہ فی جماعة الانبیاء فی السموات وکلمہم وکلموہ وکل ذلك صحیح لا یخالف بعضہ بعض فتدیری موسیٰ علیہ السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسىٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسرے نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فیراہم فیہ ثم یصرح بہم الی السموات کما عرج نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فیراہم فیہ کما اخبرہ وصلواتہم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہما خبر الصادق و فی کل ذلك دلالة علی حیاتہم۔

ترجمہ۔ واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرمؐ انبیاء کے کرام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں۔ یہ سب معنائیں صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ کو سفر اسراء پیش آیا پس آپ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا جیسا کہ حضور اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپ نے وہاں بھی انبیاء کے کرام کو دیکھا پس انبیاء کے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس پر عقلاً

کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور لفظ اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیائے کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثانی

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعہ حال لاعوم لہا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو اباعرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیات انبیاء کے کلیہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۲۵۲ھ) اور علامہ شیخ احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

فان قتل هذا خاص بموسى قلنا قد وجدنا له شاهدا من حديث
ابي هريرة اخبرنا مسلم ايضا من طريق عبد الله بن الفضل عن ابي سلمة
عن ابي هريرة رفعه لقد رايتني في الحجر وقوريش تسألني عن
مسواي..... الحديث.

ترجمہ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میں مقام حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفرِ اسرار کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات، صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ

خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سینہ زوری ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرتؐ نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں سجاوٹ سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونسؑ علیہ السلام کو ہادی ازرق اور شقیہ ہرشی میں لٹیک پڑتے ہوئے خاص بہتیت و لباس میں دیکھا۔ آپ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے ہادی عثمان میں حضرت نوحؑ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سُرخ اونٹوں پر سوار تھے۔ جن کی مہار میں کھجور کی تھپال کی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود علیہ السلام، اور حضرت صالحؑ علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔ یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں۔ پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسرار سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف مرسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم واحکوم فی کل باب۔

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تقسیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جو اب اعراض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیاء کرام کے اجسادِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے

۱۔ مسلم جلد ۱ ص ۸۶، بخاری کتاب المناسک جلد ۱ ص ۱۱۹

۲۔ رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابة۔ (البدایة والنهاية جلد ۱ ص ۱۱۹)

۳۔ اخرجہ احمد قال ابن کثیر ہذا السناد حسن (البدایة جلد ۱ ص ۱۳۸)

طور پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقل تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اذا القبور بعثت کے خلاف ہے (یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی)۔ اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آسکتا جو باعرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب و سنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے۔ اگر یہ کہو کہ کتاب و سنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاح احوال اس زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی۔ ہم کہیں گے کہ اذا القبور بعثت وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے، جو حساب و کتاب اور حشر کے لیے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لیے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبور منورہ نہیں کھلی تھیں، رات کا وقت تھا، کون وہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسامِ عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرضہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے۔ جو باعرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر واپس آسکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا، بستر بھی گرم رہتا ہے، تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لیے چلے جانے میں اور اس طرح چلے جانے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ ان میں کون سا استحالة لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسامِ عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے مستحق کے لیے جو اسباب کار فرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں، ان

نفسِ قدسیہ کی مذکورہ ماضی کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امرِ محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تراجم تضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بائیں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادیِ ازرق، شقیہ ہر شیا اور وادیِ عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملار اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدانِ مثالیں سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالمِ مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالمِ مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امور مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکرہ میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں، تو بھی یہ مقصود کلامِ قطعا متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلافیٰ معروفِ عبادت ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدانِ مثال تھے اور نہ اجسامِ عنصریہ، بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ہی متمثل ہو رہی تھیں، تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسامِ عنصریہ قبورِ شریفیہ میں زندہ نہ ہوں گے، اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواحِ مقدمہ رفیقِ اعلیٰ یا خلیفۃ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسامِ قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائزِ اسحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسامِ عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواحِ متمثل بصورتِ جسمیہ ہو رہی ہوں، وہاں سے اجسامِ قبریہ پر کیوں پرتہ نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصالِ روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

لہ قال الشیخ الاکبر فی النصوص الروح بتشکل باشکال مختلفۃ۔ (العرف الشذی ص ۱)

لہ کما ذہب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح ص ۵۵ و زاد المعاد جلد ۲ ص ۴۹

اس بحث میں ہمارا مقصد ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں۔ ان کے الزامی جوابات اور ایسا استدعا میں دلائل امکانات ہیں۔ نہ ہر صورت ممکنہ کے وقوع کا دعویٰ ہے اور نہ اس کی ضرورت کہنا یہ ہے کہ اصل مدعا کسی بھی صورت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے، لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے۔

واعبد ربك حتى ياتيك اليقين. (پاک: الحجرات ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کئے لیے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دارالعمل نہیں پس یہ حدیث، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منورہ میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد ”وجوب عمل“ کا انقطاع ہے ”نفس عمل کا نہیں۔ قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی ”انہتائے مدت“ موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا نہ حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اٹس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں (اپنی اپنی

ملہ یہ رفقا دلتان کے ایک درس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب

(اندرون بوہڑ گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

قبر میں، نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تلوذ اُپر پڑھتے ہیں، درجہ بائیں۔

قال القرطبي حبت اليهم العباداة فلم يرتعدون بما يجدونه من

دواعي انفسهم لا بما يلزمون به ^{له}

خاتم المحدثين حضرت مولانا السيد نور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔

ان كثيرا من الاعمال قد ثبت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمي

وقراءة القرآن عند الترمذي ^{به}

ترجمہ بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سنن دارمی کی روایت

سے قبر میں اذان و اقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت

قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صلوات خمسہ (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نعتی نہیں، اسی

طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا و اعبادتک حتی یاتیک الیقین

کے خلاف نہیں۔ مقررین ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ وجوب ہونہ ہو، وہ

عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز جنت میں بھی دہار و ذکر

کی خبر دیتا ہے۔

دعواہم فیہا سبحانک اللہم و تحیتہم فیہا سلام، و آخر دعواہم ان

الحمد لله رب العالمین۔ (پاک : یونس)

ترجمہ۔ ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ اتیری ذات پاک ہے اور ان شخص ایک

دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب

جہانوں کے پروردگار کے لیے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو مع العباداة ہے یعنی ساری عبادت کا منفر ہے، وہ مرنے کے بعد

شائبہ ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دارالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر و حمد کی خبر نہیں دیتا۔
قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ فالجہد ملت پر کس قدر ظلم ہے۔

فریب کش مکش عقل ویدنی دارد کہ میر قافلہ و ذوق راہزنی دارد
قال اللہ تعالیٰ :-

وقال الحمد لله الذی صدقنا وعده واور ثنا الارض

..... وقیل الحمد لله رب العلمین. (پہا، زمر)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا۔ ہمیں
اس زمین کا..... اور ہر طرف سے الحمد لله رب العلمین کی آوازیں آئیں گی۔

ولله الحمد فی الآخرة وهو الحکیم الخبیر. (پہا، سبأ)

ترجمہ۔ اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم وخبیر

وقال الحمد لله الذی هدانا لهذا. (پہا، اعراف)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، سب تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے
ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

یلهمون التسبیح والتحمید.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

یسبحون الله بكرة وعشیا. متفق علیہ.

ترجمہ۔ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ مِنْ تَسْبِيحٍ وَتَحْمِيدٍ وَاسْتِغْفَارٍ كَمَا حَكَمَ مَعًا. اس عالم میں

دو جوباس پر عمل ہوتا رہا۔ بعد ازاں تِلْذَرًا تَسْبِيحٌ وَتَحْمِيدٌ اور دعاءِ استغفار کا سلسلہ جاری ہے تَسْبِيحٌ وَتَحْمِيدٌ کا بیان ہو چکا۔ اب استغفار بھی لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ و ما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔ رواہ البزار باسناد جید۔^۱

و کذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعود۔^۲

بزار برہمال صحیح از عبد اللہ بن مسعود می آرد۔^۳

ترجمہ: میری یہ زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور بعد الوفاات بھی میری حالت تمہارے لیے خیر ہے۔ تمہارے اعمال بچھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لیے سامانِ تحمید ہو گا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے، اس پر میں دعائے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:-

مجموع روایات سے علاوہ فضیلتِ حیات و اکرامِ ملائکہ کے برزخ میں آپ کے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مشاغل ثابت ہیں:- ۱۔ اعمالِ امت کا ملاحظہ فرمانا۔ ۲۔ نماز پڑھنا۔ ۳۔ غذا مناسب، اس عالم کے نوش فرمانا۔ ۴۔ سلام کا سنتنا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ ۵۔ سلام کا جواب دینا۔ یہ تو دائمًا ثابت ہیں، اور اچھا نا بعض خواص امت سے یقولہ میں آپ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالتِ رُویا اور کشف میں تو ایسے واقعاتِ حصر و احصار سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تراجم کا دوسوہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خود ہمارے روح مبارک کو بہت

وسعت ہوتی ہے۔ مگر اس وسعت سے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا
مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیاناً کو ثابت، بالدرام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب
سمجھ لیا جائے۔

خلاصہً مبحث یہی ہے کہ یہ حدیث صلوة مور سے فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن
پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نماز میں پڑھنا اور پھر آنحضرتؐ کا
ان کی امامت کرنا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔
واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت مور سے اعلیٰ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث
حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے براہ راست نہیں سنی۔ اس لیے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن
بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال..... الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں پس جب تک اس
صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی، اس وقت تک اسے حجت
نہیں سمجھا جاسکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں۔ پس جو سند اس عالی سند سے نکلے گی، ناقابل اعتماد ہوگی۔
ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کئے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے
ہیں، جس میں حضرت انسؓ براہ راست حضور اکرمؐ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمن النسائی هذا اولی بالصواب عندنا۔

ثالثاً اگر ان دونوں تحقیقوں کو نظر انداز کر دیں، تو غایت مافی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث

مرسلات صحابہ میں شمار ہوا اور ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہ بالاعتقاد مرسلات اللہ کے حکم میں ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں، جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں۔ الغنیہ عراقی میں ہے:-

اما الذی ارسله الصحابی فحکمه الوصل علی الصواب

الغنیہ سیرطی میں ہے:-

ومرسل الصحاب وصل فی الاصح

تحریر میں ہے:-

فلا یضرب اذا لایرسل الا عن صحابی

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:-

اما مراسیل الصحابة فحکما حکم البرصول علی المشهور الذی ذہب

الیہ الجمهور

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ:-

صحابہ کرام کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابی نے خود حضور سے نہ سنی ہوں، بلکہ کسی اور صحابی سے سنا ہو کہ حضور نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دور کے صحابی کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہ راست حضور سے ہی روایت کر رہے ہوں، تو ان کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادعی ازرق، اور لیثہ الامراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں مثالی ہی ہوں، تو

بھی مقصود کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجابہ ہرئہ واقعی

حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں۔

صُور نے جب فرما دیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقین کامل ہے کہ آپ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعہ وہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لیے بھی کبھی یہ پردے اُٹھاتے گئے، اس نے ان نفوسِ قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیاتِ قبریہ یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاصِ مرتبہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی ارواحِ قلوب بالبدن المدفون کے باوجود، یہاں متمثل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہ ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ ہر شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعسر نہ ہوں۔ صرف عن الظاہ کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے جس پائے کا آپ کا یہ دعویٰ شریف ہے کہ میں نے ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعویٰ کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسامِ مدفون سے متعلق سماع و عدم سماع یا شعور و عدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعویٰ سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلبی موضوع، حقائق کو برعکس بیان

کرنے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع اور شعور یا عدم شعور کے مباحث تو حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے۔ اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں:-

واستشكل رؤية الانبياء في السموات مع ان اجسادهم مستقرة في قبورهم بالارض واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او حضرت اجسادهم للاقات النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة تشریفاً وتكريماً ويؤيده حديث عبدالرحمن بن هاشم عن انس فبينه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء.

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد کہ یہ تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں۔ پھر حضور کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کر دی گئی تھیں۔ یا ان کے اجساد کہ یہ ہی (ان کی قبور سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف و تکویم کے لیے حاضر کر دیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انس سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا اندازہ بیان بتلوار ط ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔ خاتمہ الحفظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ موقف منقول ہے۔ حیات و حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہوا اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام و نشان بھی نہیں ملتا، ان کے امر واقع ہونے کا دعویٰ کر دیا جائے۔

خرد کا نام جسوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کے

بعض دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے :-

حضرت نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضور نے انہیں واقعی

نہ دیکھا تھا، بلکہ یا :-

① ان انبیاء کی ارواحِ قدسیہ صورتِ جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا

② ان انبیائے کرام کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالمِ مثال میں قائم تھے اور یا

③ انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور انبیائے کرام کی یہ

حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں۔ امر واقع خواہ کوئی صورت ہو، اس عقیدے

کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ عنصریہ اپنی قبورِ شریفہ میں بالکل بے حس و

بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفوسِ قدسیہ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسمِ عنصری سے چلتے

پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمدِ فوقِ الاسباب بغیر اشتقاقِ قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی

ہو کہ زمان و مکان کی وسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبور سے جدا کی

بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ :-

رب العزت کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف

جہات سے اس عالمِ بزرخ میں جمع کر دینا کیا امر ناممکن ہے؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزئیہ

کتاب و سنت کی کسی تصریح سے مستصادم ہوتا ہے؟ یا یہاں کوئی پہلو ایسا بھی اختیار کیا گیا، جس کی

تفسیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو؟

جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے۔ بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آنحضرتؐ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورت ممکنہ کافی ہوتی ہے صورت واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسام مرئیہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں، بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روضات میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تضادم نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔ ہاں اگر یہ تشکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان ارواحِ طیبتہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواحِ قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پڑ تو یہاں بھی صورت جسمیہ میں متمثل ہو رہا ہو۔ یا وہ ارواحِ اصلیہ ان مقامات پر متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسامِ قبریہ پر بھی پڑ تو رہا ہو جس سے وہ صفت حیات سے مصف ہوں۔ اگر روحِ پاک رفیقِ اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے۔ اجسام پر پڑ تو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم کی رائے ہے، تو ارواحِ متمثلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسامِ قبریہ پر تاثر کریں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوالِ برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی تھیں۔ آخر وہ

بھی تو رفیقِ اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں۔ جو جواب ان کا ان احوال میں ارواحِ قدسیہ کے عین سے جدا ہونے کا ہوگا، وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے۔ جو ارواحِ قدسیہ کو قبر کے اجسامِ عنصریہ سے متعلق مان کہ پھر ان مشاہدات میں تشبہ ارواح کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ صورت واقعہ کیا تھی اور کیا نہیں اور نہ اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے، یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ اپنی اپنی قبور میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں، بلکہ وہ فائز الحیات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے روضہ شریفیہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی خبر دنیا ان اختلافات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیث صلوة موسیٰ پر حاشیہ سنن نسائی میں ”زیر الرئی“ سے منقول ہے۔

قال الشيخ بدرالدين هذا صريح في اثبات الحيوة لموسى عليه السلام في قبره فانه وصفه بالصلوة وانه قائم ومثل ذلك لا يوصف به الروح وانما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فانه لو كان من اوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه بالقبر وقال الشيخ تقي الدين سبكي في هذا الحديث ”الصلوة تستدعي جسداً حياً“ ولا يلزم من كونها حيوة حقيقية ان تكون الابدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الاجسام التي نشاهدنا بل يكون لها حكم اخر به

ترجمہ۔ شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے۔ کیونکہ حضور اکرم نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے صریح روح موصوف نہیں ہوتی۔ نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا

کام ہے، صرف روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلقہ ہونے میں بھی ”حیات فی القبر“ پر دلیل ہے یعنی یہ عمل جبہ عنصری کا ہے، کیونکہ قبر میں تو جبہ عنصری ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اور جبہ مثالی پیش نظر ہوتا، تو پھر اس عمل صلوٰۃ کے مخصوص بالقبر ہونے کی حاجت نہ تھی، پس اگر یہ عمل صلوٰۃ (یا تجسد بعمل الصلوٰۃ) روح کی صفت ہوتی، تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین اسبکیؒ بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ ”نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے“ پیش نظر رہے کہ حیات حقیقی کے ثبوت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ جیسا کہ ہم صفات اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں، بلکہ اس جہان کے احکام اس سے مختلف ہیں (یعنی حیات جسمانی کے ساتھ وہاں رزق مادی نہیں، بلکہ معنی ہے۔ حیات دنیاوی صرف تعلق بالبدن الدنیوی کی بنا پر ہے۔ تعلق بالرزق کی بنا پر وہ حیات روحانی ہے اور تعلق بالنظر برزخی ہے)۔“

عالم برزخ کی حقیقتیں اس جہان والوں سے مخفی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی پرانہیں منکشف فرمانا چاہتے ہیں تو پہلے اس میں برزخی مشاہدات کی صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ پھر جب ان مخفی حقائق سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ نفوس قدسیہ دیکھ لیتے ہیں کہ کس کس کی حیات برزخی مضحمل ہے اور کس کی روح و جسم فائز حیات ہیں۔ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم کی ٹھیکیں دیکھ پانا نقل صحیحہ کے پیش نظر ہرگز محال نہیں کشف القبور سے تو بارہا غیر انبیاء بھی منتصف ہوتے رہے ہیں اور ہوتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بارہا مختلف قبروں کو دیکھا اور ان کے احوال مختلف لوگوں کے سامنے بیان فرمائے یہ اطلاع وحی کے بجائے کشف پر مبنی ہوتی تھی۔

چہ گویم شرح اس حالت کہ درگفتن نمی آید

ایسے انکشافات صریح لیلۃ المعراج ہی سے خاص نہ تھے۔ آپ نے بارہا اس عالم میں ہوتے ہوئے اس عالم برزخ میں انبیائے گذشتہ کو دیکھا۔ ان کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال —

جیسے وادی سے گزرتے یا گھاٹی سے اترتے تہیک تہیک کہنا، نمازیں پڑھنا اور تہیجہ و سلام کہنا، یہ سب امور معراج کے علاوہ اور بہت سے انکشافات کا پتہ دے رہے ہیں۔ اور اس دنیا سے ایک تعلق اور رابطہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے پورے حدود خال کیا ہیں، اس پر ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ ٹپکتا ہے، اور یہی بے زخمت ہے۔ ہاں کبھی کبھار جو دیکھا یا سنا جاتا ہے یہ محض اس عالم کی کچھ ٹھیکیاں ہیں یا بعض نقوسِ قدسیہ کے مشاہدات اور انکشافات!

انبیائے کرام کے ایسے مشاہدات میں بعض ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن سے تمثیل ارواح یا ابدان مثالیہ کی بہت گنجائش ملتی ہے جیسے کافی اظہر وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو ان انکشافات سے اٹھا کر ان حقائق پر منطبق کرنا جہاں حقیقت مراد لینے سے زعمیل سلیم سے تصادم ہوتا ہے اور کسی نقل صحیح کی غیبت لازم آتی ہے، کس قدر زیادتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلیٰ انتم و احکم فی کل باب۔

صویر اسرافیل بھی ان کو جگا سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تھی جی کا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی رُوح کی منزل ہے آغوشِ لحد

الفصل الرابع

وفيه ستة من المباحث

عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء
في قبورهم يصلون به

ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے
کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حیات انبیاء کی قبور شریفہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے قطعاً کوئی گنجائش
نہیں رہتی کہ انبیائے کرام صرف رفیقِ اعلیٰ اور علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیات شریفہ
کو اجسامِ قبریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وقد مر تفصیلاً من حاشیة سنن النسائی۔

آنحضرت کا یہ ارشاد محدثین کرام نے مختلف طرق سے نقل فرمایا ہے۔ ان میں سچے راوی متعدد
ہیں اور مختلف ہیں لیکن ان سب کا اشتراک اوپر کے اتنے سلسلہ استاد پر جا قائم ہوتا ہے۔

المستلم بن سعید عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس بن مالك
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

پس تمام محققین کا نقطہ نظر انہی راویوں کی توثیق ہے، یعنی یہ روایات حدیث قابل اعتماد ہیں
تو حدیث ثابت ہے۔ ان کے بعد کے سچے راویوں میں اگر کوئی اختلاف ہو بھی، تو مقصود توثیق قطعاً متاثر
نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ طرق مختلف اور متعدد ہیں۔

۱۔ مسند ابی یعلیٰ (جامع صغیر ص ۱۳۳ مصر) حیات الانبیاء للامام البیهقی ص ۳ مصر ابن تیار (جمع الفوائد جلد ۲ ص ۲۶)

میٹھ (ابن عدی شفاء السقام ص ۳۲) مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ ص ۳۶۹ جمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱

حافظ ابو یعلیٰؒ کا سلسلہ اسناد یہ ہے :-

حدثنا ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا یحییٰ بن ابی بکر حدثنا المستم بن سعید
عن الحجاج عن ثابت عن انس قال قال رسول الله ﷺ الحدیث

یہ سلسلہ اسناد امام بیہقی کو اس طریق سے پہنچتا ہے :-

اخبرنا الثقة من اهل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا
ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا ابو الجهم الازرق .

حافظ ابو یعلیٰ کے سلسلہ اسناد میں سب راوی معروف، قابل اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ

بیہقی کی سند ابو یعلیٰ تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی تک

یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج تھی اور حافظ ابو یعلیٰ کا اسے سند

صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لیے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ

”اخبرنا الثقة من اهل العلم“ اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں، کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی

امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقیؒ اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔

راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لیے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور

اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے، بلکہ امام حدیث حافظ بیہقی اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان

کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے بھی دیجئے۔ حافظ ابو یعلیٰؒ کے سلسلہ اسناد کو لیجئے، سچے روایت میں اگر

کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے روایت کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں

لہٰذا پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقی کا مسلک دارقطنی اور ابن حبان والا نہیں کہ فقط راویوں کی روایت اس

کے لیے کافی ہو، بلکہ امام بیہقی اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں۔ پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں کہتی، بالخصوص

جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فغنی موقف کی کوئی ناسیدہ مقصود نہ ہو۔

المبحث الاول في معنى الحديث

اس حدیث میں انبیاء کے لیے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لیے قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ہمارے فلاں دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سند ابن عدی یا ابن بزار کی ہے، اس پر جرح کہہ کے اس حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی۔ کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہو۔ اور تمام علماء حق سے فکر لے رہے ہو۔

یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبوہم نہیں اور حدیث میں فی قبوہم کے الفاظ ہیں تو اس کی فکر وہ کہے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو مجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا۔ پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہونا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں یدقون کی تصریح ہے اور حدیث میں یصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیف حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی یصلون کی نسبت یدقون کا پیرایہ دنیوی زندگی کے اور زیادہ قریب ہے معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں درپے ہیں۔

اس حدیث میں حیاتِ انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے۔ سو نماز حمد چاہتی ہے معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی ترین ان کا نماز پڑھنا ہے معلوم ہوا وہ باس معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں اور یہ اقتاد ان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبیاء احياء (نبی زندہ ہیں) میں الانبیاء (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح

اور حبد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس النسانی ہے۔ حضرت علامہ نور شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

یرید بقولہ الانبیاء و احياءً مجموع الأشخاص لا الواح فقط^۱

ترجمہ۔ الانبیاء کے لفظ سے حبد اور روح کا مجموعہ اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔

اور دوسرے جزاء احياء کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اراد بالمحيوة فعل الاعمال واكثر من في القبور في العطفة بخلاف المقربين^۲

ترجمہ۔ حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدوں حبد تقوم نہیں

پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں۔ ان

کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ

زندگی پر دے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو

دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہان کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ بائیں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق

اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی بزرگی ہے۔ پر دے میں ہے۔ اور جس

طرح ہم یومنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں۔ ان احوال قبر

پر بھی ہم یومنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

ان كثيرا من الاعمال قد ثبت في القبور كالاذان والاقامة عند

الدارمی و قرأة القرآن عند الترمذی^۳

ترجمہ۔ قبروں میں (احادیث کی رو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور

اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبر میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت

ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہے۔ انبیاء عالم بزرخ میں حج تک کرتے ہیں اور

دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں
استراحت فرما رہے ہیں۔

عاقلاً ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :-

ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فكذلك الانبياء
فلا يبعد ان يصلوا ويحسبوا ويتقربوا الى الله بما استطاعوا ما دامت
الدنيا وهي دار تكليف باقية ۱۰

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو
انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں۔ یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں
اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قریب میں اور ٹہرتے
رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ
پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں
دیکھ نہ پائیں۔

اما موسیٰ کافی انظر اليه اذا المنحد في الوادي يلتقي ۱۱

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں آتے دیکھ رہا
ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لیکن پکار رہے ہیں)۔

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں ازکاہ
وادعیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں :-

هو في البرزخ ودعائه لربه في هذه الحالة غير ممنوع ۱۲

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم برزخ میں ہیں اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وہ اس حیاتِ طبعی پر ایک امرِ زائد ہے اس کے لیے اس حقیقت کو پیش نظر رکھئے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیاتِ طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیاتِ طبعی تو ہے، لیکن حقیقت یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن عزیزان لوگوں کو، جن کی حیاتِ طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامنِ حیات مقصدِ حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مُردہ تھے اور دل کے کانوں سے وہ بہرے تھے، صریح الفاظ میں مُردے قرار دیتا ہے۔

انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصعد الدعاء۔ (پٹ نمل، پٹ: روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مُردوں کو نہیں سُننا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی

پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں ”مُردے“ فرمایا، بلکہ ان کے لیے مُردوں کے لوازمات بھی ذکر

کر دیئے۔

وما انت بمسمع من فی القبور۔ (پ ۲۲، فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ۔ اور آپ ان کو سنا نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مُردہ۔ — بطور حیات تھی، لیکن حقیقتاً موت: ظاہراً سنتے تھے مگر حقیقتاً نہیں۔

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل جو زندہ رہ کے مقام حیات پانہ کے

قرآن عزیز نے احکام طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے، اس کی نظر میں اندھا پن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

لا تعسی الابصار ولكن تعسی القلوب التي فی الصدور۔ (پ ۱، حج آیت ۴۶)

ترجمہ۔ یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا :-

من کان فی هذه اعشى فهو فی الآخرة اعشى۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ۔ جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح و جسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیات طبعی ہے۔ جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصد حیات اور راز تخلیق کائنات ہیں اسے حقیقی حیات نہیں کہا جاسکتا۔ اربابِ خبرت اس طبعی زندگی کی اول الذکر کیفیت کو موت ہی قرار دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیش نظر رہنے چاہئیں۔

①۔ روح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامہ الناس اور اربابِ خبرت دونوں موت قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

② — روح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامنِ حیات مقصدِ حیات سے خالی ہوا اسے عوامِ حیات اور اربابِ خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

③ — روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصدِ حیات سے خالی نہ ہو، اربابِ خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون (انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں) تو آپ کا منشا صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیاتِ انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبور شریفہ یا ریاضِ متوحدہ میں ایسی زندگی حاصل ہے جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیاتِ طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اسی قسم کی حیاتِ طبعی نہیں بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے جس میں محض روح و بدن ہی کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی اربابِ دانش حقیقتِ حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ «الانبیاء احياء فی قبورهم» تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روحہ شریفہ میں انبیاء صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی فقط اس تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضور نے لفظ یصلون ارشاد فرمایا کہ احياء کی کیفیت حیات پر بھی متغیبہ کر دیا یعنی انبیاء جسدِ عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمالِ طیبات میں مشغول ہیں۔ نہ دنیا میں ان کے اشغال طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبور شریفہ میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیائے کرام کی اس حیاتِ قبریہ کے دو جزو ہیں :-

① وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و روح کے مجموعہ کی ہے۔

② یہ حیات صرف حیاتِ طبعی کی مدد تک نہیں، بلکہ ان اشخاصِ کرام کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی موجود ہے۔

رئیس الحدیثین حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جہوں کو خوب بیان فرمایا ہے جزء اقل کے متعلق لکھتے ہیں:-

یرید بقوله «الانبياء احياء» مجموع الاشخاص لا الارواح فقط۔
ترجمہ: آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ «انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں» یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔
اور دوسرے جہوں کے متعلق لکھتے ہیں:-

اراد بالحیوة فعل الاعمال واكثر من في القبور في العطللة بخلاف المقربين ومعاني الحيات في النهاية وان الميت لا فعل له في خلق افعال العباد والاحاديث ارادت افعال الحيوة واعمالها لبقاء الروح وهو قوله فنبى الله محى بين رزق و احياء في قبورهم يصلون نشر في ذكر الحيوة افعالها لاصلها او اواضع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض۔
خلاصہ: آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور کھسار لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمالِ حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی۔ حضور کا یہ ارشاد فنبی اللہ محی رزق۔ رائد کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے، اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ یہ سب اصل حیات کے بیان میں

نہیں، بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمالِ حیات کے ثابت ہونے کے لیے ارشاد فرمائے گئے تھے یا انہوں کہہ لیجئے کہ اس زندگی سے مراد حیاتِ جسمی کا بیان ہے۔ کیونکہ انبیاء کے اجسادِ کریمہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمالِ انہی اجسادِ کریمہ کے ساتھ وجود میں آرہے ہیں۔

شاہ صاحب نے اس دوسرے جزو کو مددِ دروسِ بخاری، میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں، اس لیے عبارت سے ابتدائی سطح میں مخالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو محققینِ سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لیے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم و فہم پر حیرت ہوتی ہے، جو اس جزوِ اول کے عدم ذکر کو ذکرِ عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم و مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا و من تعریف المبطلین۔

① مولانا السید نور شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

المراد بحديث الانبياء احياء في قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم

ترجمہ۔ اس حدیثِ حیاتِ انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام بدن میں روح لوٹ آنے کی، اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

② قاضی شوکانی شرح حصین میں فرماتے ہیں:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء فی قبورهم

ترجمہ۔ حضور اکرم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ کے جسدِ اطہر

سے کبھی مجدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البيان المسد من حضرت المجدد

③ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے۔

برزخ صغرے چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است، گنجائش ترقی دلد و احوال
 ایں وطن نظر باشخاص متفاوتت فاحش دارد۔ الانبیاء یعلمون فی القبر شنیدہ
 باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ و علی آہم الصلوٰۃ والسلام شب معراج چون قبر حضرت
 کلیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نمازی گزارد۔

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے
 حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ صغرے میں بھی ترقی مقامات
 کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جو باعرض ہے کہ اس سے مراد ”قرب الہی“
 میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقاء کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے
 حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اصول و ضوابط پیش نظر رہیں۔

حضرت کے نزدیک ”عالم خلق“ ”عالم امر“ سے افضل ہے اور وہ ”قرب عالم خلق“ کو ”قرب
 اصلی“ اور ”قرب عالم امر“ کو ”قرب ظلی“ قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا ”قرب ظلی“ سے ہی

”قربِ اصلی“ میں استعمال ہو اور یا ”قربِ اصلی“ ہی میں قوت و زیادت ہوتی چلی آئے۔
 اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات
 ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش
 نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں مستحق پذیر ہو گا۔ اس قرب سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت
 میں حاصل ہو گا۔ پس نماز کے ساتھ ”قربِ الہی“ میں بڑھتے چلے جانا ”قربِ اصلی“ پر فائز المرام ہونا
 ہے اسی لیے فرمایا۔

الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تِلْذُذًا عمل میں لارہے ہیں، قربِ
 الہی میں سامان ارتقا ہیں، جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؑ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے
 کہ قرب کے باب میں عالمِ خلق عالمِ امر سے افضل ہے، تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام
 کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قربِ الہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل
 ضرور عالمِ خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت مجدد قربِ عالمِ خلق ہی کو قربِ اصلی قرار دیتے ہیں
 اور ظاہر ہے کہ ان کے عملِ صلوٰۃ کا عالمِ خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے
 اجسادِ کریمیہ کے ساتھ فائز الحیات ہوں اور یہ ادا تے نماز انہی اجسامِ عنصریہ سے عمل میں آ رہا ہو۔ اگر
 یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالمِ امر سے متعلق ہو گا اور واضح ہے کہ حضرت مجددؑ کے
 کلام میں اسے قربِ اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؑ کے نزدیک اس حیاتِ انبیاء کا مفہوم و مطلب

یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجسادِ عنصریہ سے فائز الحیات ہیں۔

④ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:۔ الصلوٰۃ تستدعی جسدًا حیًا۔ (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ۔ نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہو سکتا ہے۔

⑤ حضرت علامہ شعرائیؒ فرماتے ہیں۔

قد صحت الاحادیث انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره يصلي باذان واقامه
ترجمہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں
اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

⑥ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں۔

ان حياته صلى الله عليه وسلم في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا و
الانبياء احياء في قبورهم

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی
پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں
میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے سلفی القبر (قبر کا سوال و جواب) ایک ہی
دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے نماز نہ بدوں جب عمل میں آسکتی ہے نہ بدوں جگہ۔ دنیا والوں
کے لیے اس کی جگہ مسجد ہے اور بنیخ کے لیے قبر۔ وہ وہیں پڑے کی زندگی میں محو نیاز ہیں۔ انبیاء علیہم
السلام کی ارواح قدسیہ ہیں طارہ علی ہیں ہوں یا اور کہیں نماز کے لیے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے
حدیث الانبیاء احياء میں کوئی حیات مراد ہے یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور
پر احوال سے مراد روح اور جسم کی زندگی ہے اور اس کے لیے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبور شریفہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا علامہ بد الدین لکھتے ہیں۔

هذا صريح في اثبات الحيوة لموسى عليه السلام في قبره فانه وصفه بالصلوة وانه قائم

ومثل هذا لا يوصف به الروح وانما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالتبر

دليل على هذا فانه لو كان من اوصاف الروح لم يوجب لتخصيصه بالقبر

ابوعلیٰ کے سب راوی ثقہ ہیں اور سب میں اقبال موجود ہے۔ محدث کبیر حافظہ بشمی فرماتے ہیں۔

رجال ابی یعلی ثقات۔

سوا سب ہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا

دار مدار ہے۔

المبحث الثانی — فی احوال الرواة لابن یعلیٰ

① — ابوالکھیم الازرق

بن علی الخنقی ابو الجهم صدوق یغرب من الحادیة عشرة۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے

صدوق اور سچے راوی حدیث ہیں۔

② — یحییٰ بن ابی بکر

واسمه نسراکمائی کوفی الاصل نزل بغداد :

ثقة من التاسعة مات سنة ۲۹۸ ھ۔

ثقہ راوی حدیث ہیں۔ رجال صحیح میں سے ہیں۔

③ — مسلم بن سعید

امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صدوق۔

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

④ — حجاج بن الاسود الاسود

یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بستانی، جابر بن یزید، ابی نصرہ اور کئی دوسرے

بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جویر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبانہ

اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں امام احمد لیکر بن یعلیٰ نے ثقہ کہا ہے

لم یجمع الزمائد له تقریب ۱۵۲ ھ تقریب ۲۰۵ ھ فتح الباری ۱۳ ص ۱۴۸ ھ تقریب ۲۸۵ ھ

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب روایات اعلیٰ درجے کے قابل اعتماد اور ثقہ روایات حدیث ہیں اور حدیث بالکل حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبتدئ السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکتہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خیر منکر کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کون سی نشانِ دیانت اور حق طلبی ہے؟ ہاں عوام کی آنکھوں میں خاک چھونکتے کے لیے دکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے یہ ایک بہانہ ضرور ہے آئیے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن اسود

ذہبی (۵۷۴۸) کہتے ہیں "ماروی عنہ فیما علم سوی مستلم بن سعید" کہ مستلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے۔ سوا سے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جاسکتا۔

یہی توثیق تو یاد رہے کہ امام سبکی بن معین اور امام احمد دونوں اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن اسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن زید، ابی نصرہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن عازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ، عیسیٰ بن یونس، مسلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح

المحدث وذكره ابن حبان في الثقات ۱

ترجمہ امام احمد نے فرمایا، حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے امام یحییٰ بن معین لکھتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اُسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارة عن وجه النكارة

حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا متر تکب ہے یعنی ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے پس ”منکر الروایة“ ہے ذہبی لکھتا ہے۔

فلان بن عبد منکر عنه عن انس في ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون
رواه البيهقي ۲

ترجمہ حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو ”منکر“ ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا جو حیات انبیاء کا مضمون اس سے ٹکرا رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی نہ بن سکے لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی کہیں کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ ومن ادعی فعلیه البیان۔

غایت تاثر سے ذہبی اس طرف متقبل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیش نظر حضرت موسیٰؑ کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

اس لیے کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد بھی عن ثابت البنانی عن انس بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال — پر منہتی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوة موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے :-

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس عن النبی۔

اور صلوة جمیع الانبیاء فی القبور والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے :-

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انس عن النبی۔

حافظ ذہبی کے اقراض سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکالتے کامرکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

مالا نکو یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکارت کا سوال پیدا نہیں ہوتا، نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے نکرا رہا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمہ الحافظ عافض ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں حافظ ذہبی کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد امام سنی بن معین جیسے ائمہ جرح و تعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نفس فرما رہے ہوں، اس کی روایت کیسے نشاۃ صحت بن سکتی ہے۔ فقہگر وایا اولی الابصار

مغرض حجاج اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نفس فرمائی ہے۔ حافظ ذہبی کا منشا نے اقراض میں یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، مالا نکو ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبی کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مسلم بن سعید کے اکوفی اور روایت کرنا نہیں ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو غیر منکر کہا ہے جسے پیر طاعت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ ذہبی کی پوری تردید کر دی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل بن معین اور ابن جہان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہا نہ اسکی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی السویدی البغدادی (۱۲۲۴ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۴۰ھ) کے ساتھ ہیں انہوں نے التقدیر الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے۔ اس میں ہے :-

اخرج ابو یعلیٰ والبیہقی وصحاحہ عن انس بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الاشیاء احياء في قبورهم يصلون۔

علامہ آلوسی کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۲۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الآیات

البينات فی عدم سماع الاموات علی مذهب الحنفیة السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاة انبیاء

کے بارے میں لکھتے ہیں۔۔۔ فام ثابت بالاحادیث الصحیحة۔

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احياء فی قبورهم يصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی نے الاحادیث الصحیحة میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانی نے

الآیات البينات کی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں :-

حقیقته فی الاحادیث الصحیحة (۲۲۱) وینت فیہ صححة الحدیث و وہم من طعن فی

احد روابطه فراجعہ فانہ بحث مفید عزیز قلما تراہ فی کتاب

ترجمہ میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو واضح کیا ہے اور جس نے

اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید

حدیث صلوٰۃ مومنین فی القبر کو محدثین نے اس حدیث "الانبياء احياء فی قبورهم يصلون" کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے۔ پس دونوں کو ایک حدیث کیلئے سمجھا جا سکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانی "نقل فرماتے ہیں:-

وشاهد هذا الحديث ما ثبت في صحيح مسلم من رواية حماد بن سلمة
ترجمہ صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس حدیث (الانبياء
احياء فی قبورهم يصلون) کی شاہد ہے۔
هذا ما ظهر لي والله اعلم وعلمه اتم واحكم.

المبحث الثالث

حضرت ثابت بن ثانی سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف مجاز اسود روایت کر رہے ہیں
راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے تاہم
تائید مزید ملاحظہ کیجئے:-

حضرت ثابت بن ثانی یہ روایت کرتے تھے:-

اللهم ان كنت اعطيت احدا من خلقك ان يصلى لك في قبره
فاعطني ذلك

ترجمہ۔ اے اللہ! اگر تو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا
ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔
دوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

سمعت ثابتاً يقول لحميد الطويل هل بلغك يا ابا عبيد ان احدا يصلى في قبره
الا انبياء قال "لا" قال ثابت "اللهم ان اذنت لاسعد ان يصلى في قبره

فاذن الثابت ان یصلی فی قبرہ ۱۰

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنانیؓ کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا۔ تبھی تو وہ اپنے لیے بھی اس کی دعائیں کہہ رہے تھے۔ پھر ان کا ابو عبیدہؓ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس دعوے پر ابو عبیدہؓ کا حکم ذکر نہ اس حقیقت حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کو بھی یہ مضمون حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسودؓ حضرت ثابتؓ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابو عبیدہؓ عن ثابتؓ عن انسؓ کی تصریح نہیں، تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کر رہا ہے اور حضرت ثابتؓ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جبر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؓ کو خود قبر میں اتارا تھا۔ حمید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں برابر کر دیں تو ایک اینٹ گر پڑی۔ ثابتؓ کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی بربزخ کا پردہ اٹھا دیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

فلما سوبنا علیہ اللین سقطت لبنة فاذا رایتہ یصلی فی قبرہ فقلت للذی
معی الا تری قال اسکت فلما سوبنا علیہ وفرغنا اتینا ابنتہ فقلنا لہاما
کان عمل ابیک ثابتؓ قال فی دعائہ اللہم ان کنت اعطیت احدا
من خلقک الصلوٰۃ فی القبر فاعطینہا ۱۱

وقال ابن سعد فی الطبقات وابن ابی شیبہ فی المصنف والامام احمد فی الزہد اخبرنا
عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت البنانی هكذا والله اعلم بالصواب۔

۱۰ حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۲۱۹ مہرۃ والتفصیل فی تنزیہ الملک فی ردیۃ النبی والملک ص ۲۱۹ حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۲۱۹

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثین اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر غرض فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

- | | |
|--|--|
| ① ابن بزار (۵۲۹۸) | ② حافظ ابوعلی الموصلی (۵۲۰۷) |
| ③ ابن عدی (۵۲۶۵) | ④ حافظ ابو نعیم (۵۲۳۰) |
| ⑤ حافظ بیہقی (۵۲۵۸) | ⑥ حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۵۷۱) |
| ⑦ حافظ توربشتی (۵۶۶۲) | ⑧ حافظ ابن تیمیہ (۵۷۲۸) |
| ⑨ حافظ ابن قیم (۵۷۵۱) | ⑩ حافظ تاج الدین سبکی (۵۷۷۴) |
| ⑪ حافظ ابن کثیر (۵۷۷۴) | ⑫ حافظ صیغی (۵۸۰۷) |
| ⑬ حافظ ابن حجر عسقلانی (۵۸۵۲) | ⑭ حافظ بدرالدین البیہقی (۵۸۵۵) |
| ⑮ علامہ سخاوی (۵۹۰۲) | ⑯ حافظ سیوطی (۵۹۱۱) |
| ⑰ علامہ سمہودی (۵۹۱۱) | ⑱ علامہ شعرائی (۵۹۷۳) |
| ⑲ حافظ منذری (۱۰۰۳ھ) | ⑳ علامہ قاری (۱۰۱۴ھ) |
| ㉑ امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۲۴ھ) | ㉒ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ) |
| ㉓ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) | ㉔ علامہ احمد بن محمد الخفاف المصری (۱۰۶۹ھ) |
| ㉕ علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) | ㉖ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) |
| ㉗ قاضی ثناء اللہ سراپاتی پتی (۱۲۲۵ھ) | ㉘ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) |
| ㉙ علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) | ㉚ قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) |
| ㉛ علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) | ㉜ نواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ (۱۲۷۹ھ) |
| ㉝ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) | ㉞ مولانا تذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) |

- ②۵ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۵) ②۶ مولانا خلیل احمد محدث سہیل پوری (۱۳۲۶ھ)
 ②۷ حضرت امیر شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) ②۸ حکیم الامت حضرت مولانا عثمانی (۱۳۶۳ھ)
 ②۹ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) ③۰ محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (۵)

حدیث پر تو اتر کا دعویٰ

حياة النبي في قبره وسائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام
 عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت به الأخبار
 ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم

تو الجات از بعض عبارات

① حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلیٰ الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی سندوں سے لاتے ہیں
 ان میں حافظ ابو یعلیٰ کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی میں یہ روایت اسی
 طرح چلی۔ پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلیٰ کی سند بھی روایت کیا
 ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

احبنا الثقة من اهل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا

ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا ابو الجهم الازرق الحدیث

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور
 عقائد کی بحث میں اسے استدلالاً لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور
 درجہ رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو منسیر

لہ فتاویٰ حافظ جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص ۴۱۲ طبع مصر و نسخہ فی مرقاة الصور و نظم المتن اثر من الحدیث المتواتر ص ۳

آسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے۔

واخرجه البزار ولكن وقع عنده الحجاج الصواف وهو وهو الصواب
الحجاج الاسود كما وقع التصريح في رواية البيهقي وصححه البيهقي
ترجمہ۔ اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف
کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی
کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے
صحیح بھی کہا ہے۔

② حافظ شہاب الدین فضل اللہ تور شہتی (۵۶۶۲ھ)

مدینے درست است کہ ان الله حرم على الارض اجساد الانبياء الى ان
قال هم احياء في قبورهم يصلون واول ہم پیغمبر مابہ خیزد
ترجمہ۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام
کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی) اور یہ بھی آپ نے فرمایا
ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں،
اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اٹھیں گے۔

③ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۵۶۲۸ھ)

علامہ بدرالدین علی ابن تیمیہ نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اشعار کیا ہے۔ اس

میں ہے۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون

وقد کے الفاظ کپوڈر کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبور میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے۔ کئی دوسری طاعات میں بھی کبھی اشتغال رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہو حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں مسلم ہے اور صحیح ہے۔

④ علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۷۴ھ)

عن النبیؐ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم الانبیاء اسیاء فی قبورهم یصلون فاذا اثبت ان نبینا صلی الله علیہ وسلم حتی فالحی لا یدمن ان یكون اما علما او جاهلا ویجوز ان یكون النبیؐ جاهلا۔

ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہوگا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول الله صلی الله علیہ وسلم حتی یعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بیننا۔

ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ ہم (اہل سنت) کے عتیدہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بدن مبارک میں حس موجود ہے۔ علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو رامت کا (صلوۃ و سلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں:-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم فإين الموت له
ترجمہ: اور ہم (الطہنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں (اس وقت اُن پر) موت کہاں؟

⑤ علامہ نور الدین سیستانیؒ (۵۸۰۷)

رجال ابی یعلی ثقات۔

ترجمہ: ابو یعلیٰ کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور سچے) ہیں۔

⑥ خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۵۸۵۲)

اخرجه من طريق يحيى بن ابى بكير وهو من رجال الصحيح عن المستم
بن سعيد وقد ثقّه احمد وابن حبان عن المهاج الاسود وهو ابن ابى
زياد البصرى وقد وثقه احمد وابن معين عن ثابت عن انس واخرجه
واخرجه ايضا ابو يعلى في مسنده من هذا الوجه واخرجه البزار لكن
وقع عنده عن المهاج الصواف وهو وهم والصواب المهاج الاسود كما وقع
التصريح في رواية البيهقي وصححه البيهقي.

ترجمہ: یہ حدیث یحییٰ بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں
میں سے ہے۔ اس نے مسلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور
ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور
انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلیٰ نے بھی اپنی مستند میں

اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج مترادف آگیا ہے۔ صحیح حجاج اسود ہی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے تخریج کی ہے اور امام بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی "امام بیہقی" کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔

وفي البيهقي عن النسائي وصححه ووافقه الحافظ في المجلد السادس ان

الانبياء احياء في قبورهم يصلون به

الانبياء احياء في قبورهم به

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بیہقی کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحب بھی امام بیہقی کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ نقل کر

⑤ حافظ بدر الدین العینی (۵۸۵۵)

الانبياء— فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم احياء وامام

سائر الخلق فانهم يموتون في القبور ثم يحيون

يوم القيمة. ۱۰

⑥ حافظ شمس الدین السخاوی (۵۹۰۲)

نحن نؤمن ونصدق باننا صلى الله عليه وسلم حتى يرزق في قبره وان جسده

الشريف لا تاكله الارض به

۱۰ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۴۴ مصرک فتح الباری جلد ۲ ص ۲۲ ۱۰ عینی جلد ۲ ص ۲۰

۱۰ القول البلیغ ص ۱۲۵ طبع ہند

ترجمہ ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسب) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

⑨ حافظ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ)

حياة النبي في قبره وسائر الانبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الادلة في ذلك وقواترت به الاخبار به

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علما قطعی درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تو اتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم.

ترجمہ جو روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

⑩ علامہ سہودیؒ (۹۱۱ھ)

لا شك في حياته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته وكذا سائر الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم حياة اكل من حياة الشهداء التي اخبر الله بهما في كتابه العزيز

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفاات میں کسی شک کو راہ نہیں

دی جاسکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات
شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ
کامل ہے۔

⑪ علامہ عبدالوہاب الشحرانیؒ (۱۰۷۳ھ)

قد صحت الاحادیث انه صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ یصلی
بازان و اقامۃ ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیثیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں
زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

⑫ علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

الانبياء احياء في قبورهم۔ هذا حديث صحيح ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح درجے کی حدیث ہے۔

⑬ مجدومآتہ دہم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباریؒ (۱۰۱۴ھ)

صحت خبر الانبياء احياء في قبورهم یصلون ۛ

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلی علیہم ۛ

ترجمہ۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس

شخص کا صلوة و سلام نہیں جو آپ پر درود و سلام پڑھے۔

ای یوصلون من امتی السلام اذا سلوا علی قلیلا و کثیرا و هذا
مخصوص بمن بعد عن حضرة مرقدہ المنور و مضجعه المظہر و فیہ
اشارة الی حیاته الدائمة و فرجہ بلوغ سلام امتہ الكاملة و ایماء
الی قبول السلام حیث قبلتہ الملئکة۔

ترجمہ۔ فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لیے
ہے جو درود ہو آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرمگاہ پاک ہے اس میں آپ کی حیات دائمی
اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے
اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو
آگے پہنچانے کے لیے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے
لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

وما افادہ من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بہا یعبدون ویصلون فی
قبورہم مع استغنائہم عن الطعام و الشراب کالملئکة امر لا امریہ فیہ۔
ترجمہ۔ یہ بات کہ انبیاء کرام کے لیے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے
وہ اپنی قبروں میں شغلِ عبادت اور معرفتِ نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح
یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی نچتہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔
وقد ورد بہ الاحادیث والانباء وانہما حیاہ فی قبورہم فانہما افضل
من الشهداء و احیاء عند ربہم۔

ترجمہ۔ اور اس موضوع پر بہت سی احادیث و اخبار وارد ہیں اور بے شک

وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے
ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

انہ علیہ السلام فی قبرہ حتی وقال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق
صوت النبیؐ

ترجمہ بے شک حضور علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
کہ تم اپنی کوازیں حضورؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔
وفیہ دلیل علی ان الانبیاء احياء حقیقۃؐ

ترجمہ۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔
المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کسائر الانبیاء
فی قبورہم وہم احياء عند ربہم وان لا رواجہم تعلقاً بالعالم
العلوی والسفلیؐ

ترجمہ۔ وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس
طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء
کرام) اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم
علوی اور اس جہان ارضی دونوں سے ہے۔

①۴ مجد دامتہ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا شیخ سرمنہدیؒ (۱۵۳۲ھ)

برزخ صغرے چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال
ایں وطن نظر باشخاص متفادۃ تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی
القبور۔ شنیدہ باشندؐ

ترجمہ۔ یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ آپ نے یہ حدیث تو سنی ہوگی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

①۵ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزیؒ (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

لانه حتى دائماً و روحه لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم بل
ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ
کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

①۶ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

ابو يعلى بن عمار ثقات از روایت انس بن مالک آدرده قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم الانبياء احياء في قبورهم يصلون
ترجمہ۔ ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں
نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

①۷ علامہ احمد بن محمد انخفاجیؒ (۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

وقد ثبت بالأحاديث الصحيحة ان النبي صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء احياء
حياة حقيقية كالشهداء

ترجمہ۔ اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لیے حاصل ہے، زندہ ہیں۔

⑱ علامہ محمد بن عبدالوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

وحیاء النبی فی قبرہ ہو و سائر الانبیاء معلومہ عندنا علیما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک و تواتر الاخبار بہ۔

ترجمہ۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں)، ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تواتر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

⑲ علامہ یوسف الشافعی الاربدیلیؒ (۱۱۲۲ھ)

و یخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایہما النبی ورحمۃ اللہ و بن کاتھ لان الانبیاء احياء فی قبورہم ینصون و یحییون کما ورد۔

ترجمہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایہما النبی سے خطاب کیا جاسکے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

⑳ مجدد ملتہ دوازدم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۲ھ)

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں جب آپ مدینہ منورہ میں
روضہ النور پر حاضر فرماتے تھے۔

لما دخلت المدينة المنورة ووزيت الروضة المقدسة... رأيت روحه صلى الله عليه
وعلو ظاهرة بارزته لاني عالم الارواح فقط... ثم توجهت الى القبر الشامخ المقدسة مرة
بعد اخرى... وانه الذي اشار اليه بقوله ان الانبياء لا يموتون وانهم يعملون ويحجون في قبورهم
وانهم احياء الى غير ذلك ولما سلم عليه قط الا وقد انبسط الحيا وانشرح به
اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے۔

وهي المكفي عنه بقوله صلى الله عليه وسلم ما من احد يسلم على الارزاد الله
على روعي حتى اردد عليه السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصى في
مجاورتي المدينة سنة الف ومائة واربع واربعون.

ترجمہ: اور یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف کہ جب
کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے (اسے
مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاؤں اور میں نے
۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا ہوا تھا
تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضہ النور پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار
نہیں کر سکتا۔

(۲۱) محدث کبیر قاضی ثناء اللہ فانی فنی (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المنطہری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي
غلبت بالغة.

۲۲) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ارواح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دواہر زائد دیتے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا حاصل بھی ہی دواہر میں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دواہر امر یہ ہے کہ جو سوط بدن شہداء کو روزی دی جاتی ہے..... انبیاء علیہم السلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں..... چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔

۲۳) علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث.^۱
 ان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم.^۲
 ترجمہ: حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۴) قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدير و شارح منتقى الاخبار

انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبياء
 احياء في قبورهم.^۳

ترجمہ: بیشک حضورؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپکی روح اقدس آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طریق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۱۔ فتاویٰ حسنیٰ جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ ۲۔ رسائل ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ مصر

۳۔ رد المحتار الشامی جلد ۳ صفحہ ۳۶۶ باب المنعم ۴۔ تحفہ الذاکرین شرح المحسن الحصین صفحہ ۲۸

ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان
الحياة فيهم متعلقة بالمجد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في
الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم

رواه المنذرى وصححه البيهقي.

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب
کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق
رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہو
گی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں
میں زندہ ہوتے ہیں۔

انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء
في قبورهم وقد صححه البيهقي والفق في ذلك جزءاً

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بعد الوفاات زندہ ہیں جیسا کہ حدیث
میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

انه صلى الله عليه وسلم حتى في قبره بعد موته كما في حديث الانبياء احياء
في قبورهم ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في
قبورهم والنبى صلى الله عليه وسلم واله وسلم منهم واذا ثبت انه حتى في
قبره كان المبعث اليه بعد الموت كما لمبعث اليه قبله

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد پھر زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبياء
احیاء فی قبورہم سے ثابت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور
انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو شہیدوں

میں سے ہیں۔

اور حبیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر
مہلک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس معاصرین دینا تھا۔

④ علامہ محمد اسود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

والمراد بتلك الحیوة نوع من الحیوة غیر مقبول لناھی فوق حیاة الشهداء بکثیر و حیوة نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم اکمل و اتم من حیاة سائرهم علیہم السلام الی ان قال ملک الحیوة فی القبر وان كانت یترتب
علیہا بعض ما یترتب علی الحیوة فی الدنیا المعروفة لنا من الصلوة و الاذان و الاقامة و رد السلام
المسبح و نحو ذلك الا انها لا یترتب علیها کل ما یمکن ان یترتب علی تلك الحیوة المعروفة
والحیوة فی القبر تستلزم الخروج و انا اقول بمعانی حق الانبیاء علیہم السلام

حاصل اس کہ آنحضرتؐ کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی
امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا لیکن اس دنیا کی حیات
معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

④ نواب قطب الدین خاںؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ و صاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ مشفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف

نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔

(نوٹ) دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشتبہ اور مشبہ بہ میں تعارض ضروری ہے باعتبار عالم
وہ حیاة برزخی ہے اور انبیاء سے اسی طرح جسمانی محسوس کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی
رکتے تھے اور وہی جسم فانی حیا ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا۔ گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

۲۷) نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں اس کی سند حید ہے۔
 من صلی علی عند قبری سمعہ ومن صلی علی نایا بلقہ رواہ ابو الشیح
 قریب سے درود و سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں جیسا کہ
 صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔

۲۸) میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ)

اور حضرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر وود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

۲۹) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (صاحب عون المغنود شرح سنن ابی داؤد)

اجساد الانبیاء ای من تا کلہا فی قبورہم احياء۔

ترجمہ۔ انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر حرم ہے کان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۳۰) مولانا خلیل احمد محدث بہار پوری (۱۳۲۷ھ)

المراد بالسلام عند القبر وقت حضوره للزيارة..... ان روح المقدسة في
 شان ما في الحضرة الالهية فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالى روحه
 المطهرة من تلك الحالة الى ردم من سلم عليه۔

آنحضرت حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبوی کی حد
 میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

۳۱) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۳ھ)

فی الیہقی عن انسؓ وصححه ووافقه الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء
احیاء فی قبورهم یصلون ۛ

ترجمہ بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ
ابن حجر مستطانی نے فتح الباری کی چھٹی جلد میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر پورا کیا ہے حدیث یہ ہے
کہ انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

۳۲) حکیم الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم
السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں ۛ

۳۳) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

امابعد وفاته فروجہ المقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الرقی الاعلی
مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ولا یومم من ہذا انکار حیاتیۃ فی قبرہ الشریف
فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً بہ
وبدنہ فی ضرمجہ غیر مفتود واذ اسلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد
علیہ السلام كما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کشف ادراکہ وغلظت
طباعہ عن ہذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو عملہا وتعلقہا وتأثیرہا
فی الارض وحیاء النبات والحیوان بہا ۛ

المبحث الخامس — الکلام علی عالم المثال

قبر عالم برزخ کی ایک قرار گاہ ہے اگلی قرار گاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں
 ۱۔ جنت ۲۔ جہنم۔ مقام اعراف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔
 یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرار گاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے دائمی قرار گاہ
 عالم آخرت ہے۔

۱۔ عالم ارواح ۲۔ عالم دنیا ۳۔ عالم برزخ اور ۴۔ عالم آخرت۔ یہ چاروں عالم بالترتیب
 چلے ہیں۔ پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرار گاہیں اور چوتھا جہاں مستقل
 طور پر ہماری قرار گاہ ہے۔ یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں۔ یوں سمجھئے چاروں جہاں عالم
 شہادت کے مختلف پیرائے ہیں۔ علمائے ان کے متوازی ایک اور جہاں کا پتہ دیا ہے۔ یہ جہاں عالم
 مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں۔ یہاں حقائق کی ان کے اپنے
 مناسب حال تصویریں اترتی ہیں۔ عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔

خود آنحضرت کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی رايت الجنة والناار مثلتین
 حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے
 کوئی اور آدم گندے ہیں اور اس پر انہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانیؒ مجدد الف تانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں۔ عالم شہادت
 میں صرف وہی ایک آدم گندے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر خلقت پائی۔ ان کے آنے سے
 پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ الشرب العزت کی ایجاد سے عالم مثال
 میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا۔

حضرت امام ربانیؒ شیخ سرسندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے

ہیں کہ جس طرح اودام مختلفہ عالمِ مثال میں موجود رہے، اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالمِ مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالمِ مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ حید عنصری سے نعیم قبر اور عذاب قبر اسی عالمِ مثال میں ہوتے ہیں۔

جو اباعرص ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالمِ مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالمِ مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صورت و ہیئت نہیں۔ جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالمِ مثال کوئی رہتے کا محل نہیں، اسے عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حد ذاتہ کسی صورت و شکل کو متضمن نہیں۔

عالمِ مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقتِ آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالمِ مثال میں اقامت گزیر نہ تھی۔ قرونِ متطاوۃ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہر حال عالمِ ارواح میں تھی نہ کہ عالمِ مثال میں۔ اس لیے کہ عالمِ مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے، جس میں حقائق و معانی اُترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح اودام مختلفہ عالمِ مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالمِ مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔
اعلانا اللہ منہا۔

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

نوشہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالمِ مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالمِ مثال خواهد رفت، پس عذاب قبر در عالمِ مثال خواهد بود

بدانند کہ این قسم خیالات از صدق قلیل انصیب است بعالم مثال کار ندارد
 نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق ہمیش ازیں نیست کہ در بعضی اوقات بتوفیق اللہ سبحانہ
 بعضی از احوال خود را در مرآة عالم مطالعہ می نماید عالم مثال از برائے
 دیدن است نہ برائے بودن، جائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد، عالم
 مثال پیش از مرآة این دو عالم نیست عذاب قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت
 عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت بل

ترجمہ آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالم مثال میں
 رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جاتی ہے پس عذاب
 قبر اس عالم مثال میں ہوتا ہے جو ابا آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی
 لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں
 قلیل انصیب ہیں۔ روح کا عالم مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ
 ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب
 العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے
 ہوں لیکن عالم مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں روہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ
 ہے، جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، رہنے کی جگہ یا عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔
 عالم مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذاب قبر اس
 مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب
 اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل

ہے :-

- ① معاملاتِ قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت و انعکاس نہیں۔
 ② وجودِ عالمِ مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شے کی حقیقت نہیں۔
 ③ روح کا تعلق عالمِ مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہونا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

④ مغارقتِ بدن کے بعد روح اور اطوارِ روح کو عالمِ مثال میں ٹھہرانا روح کی نئی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملاتِ قبر کو عالمِ مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا، کس قدر شانِ علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس — فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بناویں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معالہ کرنا چاہیں، تو اُسے تنگی کی آغوش انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے، وہ رحیم مطلق جیب چاہے اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ ظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ رُکُشْن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبرِ عالمِ برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت و وسعت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ سو فیائے کرام کے ان اشادات سے کہ "قبر حقیقت میں اس ظاہری زمین نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے" — اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل جدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت و فصاحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی مدد اس پر دے میں ہیں، جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیتہً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجاز ہی مجاز کہے چلے جانا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پہلے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے پھینٹوں سے نہ سجتا تھا اور دوسرا خچلی کھانے کا عادی تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقت قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیتہً علیحدہ نہیں

لہ ان القبر اول منازل الاخرة (مسند رک جلد ۱ ص ۳۳) و احوال البرنماخ اشبه باحوال الاخرة (فتح الباری ص ۲۶۹)

لہ عن ابن فورک انه صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر رسول الی الابد حقیقۃ لا مجازاً قال ابن عقیل من

الحنابلة هو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره یصلی (الموضحة البہیة فیما بین الاشاعرۃ والماثرید یہ ص ۱۸ مطبوعہ

حیدرآباد دکن)۔ لہ راجع لہ البخاری جلد ۱ ص ۱۸۴

بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت و فسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں تھوڑا دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے

اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

دَلْوُ خَفِ عَلَيَّ قَبْرُهَا ۞

ترجمہ: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا:

اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرُ مَمْلُوْةٌ ظِلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يَنْوُرُ هٰلِكِيْمٌ
بِصَلٰتِي ۞

ترجمہ: بے شک یہ قبور اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اٹی پڑی ہیں اور اللہ

تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبور ہیں جو ہذہ کا مشارک

ہیں۔ ہاں اس کے باقی بے زنجی پہلو اور وسعت و فسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس بے زنجی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس

کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سُرُخِ ثِيْلِيَّةِ کے پاس آپ نے دیکھی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم بے زنجی کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط

ہے۔ مقامِ افسوس ہے اور محلِ حیرت و حیرت ہے۔

آنحضرتؐ نے اس حدیث حیاتِ انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا "الانبياء احياء" (انبیاء

زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ "فی قبورهم" (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرمادی،

تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام کی بے زنجی حیات صرف روحانی ہوتی ہے "فی قبورهم"

کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محل حیات وہی ہے، جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسامِ عنصریہ ہی بعد الوفاات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس ان کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیاتِ انبیاء کی وضاحت فی قبورِ ہمو کے الفاظ سے کی، بلکہ آپ نے یصلون کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں، کی تصریح فرما کر حیاتِ جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجودِ جسمانی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے۔

الصلاة تستدعی جسدًا حیًا۔ (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم، صاحب جوامع الکلم نے کس جامع اور مبلغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔
الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

① احياء میں حیات کا بیان مجملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

② فی قبورهم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔

③ یصلون میں حیات حقیقی کا جس میں اعمالِ طیبہ سے تعطل نہ ہو، بیان ہوا۔

پس لہجوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روضہ شریفہ میں (تأثیر روح یا دخول روح سے) اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ فائز الحیات ہیں اور بدستور اشغالِ طیبہ میں استغراق ہے۔ یہ عمل تلذذ ہے نہ کہ وجوباً۔ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی لکھتے ہیں :-

تلذذاً لان التكليف انقطع بالموت۔

ترجمہ۔ یہ عبادت تلذذ ہے کیونکہ مکلف ہونا اور موت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

مقدمہ میں ہم معنی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہو گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں۔ مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور لبا اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینار اٹھا

حضرت ابوالیوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ امام محمد بن احمد الخسری (۵۲۸۳) بیان کرتے ہیں۔

فدفنوه لیلاً فصعد نور من قبره الی السماء و رای ذلک من کان بالقرب
من ذلک الموضع من المشرکین فجاء رسولهم من العدف قال من کان
هذا المیت فیکرم فقالوا صاحب لبیننا فاسلموا بماراؤا

ترجمہ۔ انہیں ہاتھیوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا۔ آپ کی قبر سے نور کا ایک
شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سہرے کے قریب
تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ سر نیوالا کون تھا
و جسے رات تم نے دفن کیا، انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
صحابی تھے جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی
شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہو گا اور زمین بھی اپنی برکتیں اُگھکتی ہوگی۔
اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منع نور ہوگی۔

الفصل الخامس

وفيه ستة من المباحث

قال ابو الشيخ في كتاب الصلوة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعمري حدثنا الحسين بن الصباح حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد اعلمته — وفي رواية من صلى علي نائياً ابغته.

ترجمہ۔ جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دُور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاول — في معنى الحديث

اس حدیث میں من صلی عام ہے جس نے بھی حضور پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس درود پڑھے، اسے حضور اکرمؐ خود سنیں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرتِ سامعہ کیا اتنی تیز تھی کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب — ہاں جب حضور خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلے سے ان مردوں کی آوازیں نہ سُنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال، کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟

جواب: ہاں، حضور نے فرمایا، ما من احد یسلم علی الارءد اللہ علی روحی حتی یرد علیہ السلام

جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں رد اللہ علی روحی کی حدیث پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث میں حضور کا قریب سے صلوة و سلام سنانا خود ثابت ہے۔

ثانیاً، حضور نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا :-

لئن قام علی قبری فقال یا محمد لا جینتہ

ترجمہ اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر مبارک پر آپ خود سنتے ہیں۔ اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

س من عبد یصلی علی الابغنی صلواتہ رواہ الطبرانی

ترجمہ جو بندہ خدا کے پروردگار پر صلوات پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے۔

یہاں پر صحابہ یا تابعین کا بیان ہے کہ ان کے پاس سے یہ شخص کے متعلق ہے جو قریب سے پڑھے، دُور والے کا پہنچا یا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے۔ بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کا تب سے

۱۔ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۲۹۹، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۵۱۱، رواہ ابویعلیٰ در جالہ رجال صحیح۔ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۸،

الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۳۲، رواہ ابویعلیٰ کما فی الصحاحی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۹، روح المعانی پ ۲ ص ۲۵، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۹

مشترک حاکم جلد ۲ ص ۵۹۵، ۳۔ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱۱، مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ ص

بلغنی صورتہ کے نقلوں میں منقول ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دُور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

① ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام

ترجمہ۔ بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی محمد پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

② يبلغوني صلوة من صلي علي من امتي

ترجمہ۔ وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی محمد پر درود پڑھے

③ ان صلواتكم معدودة على

ترجمہ۔ بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے۔ بعض روایات میں صرف صلوة کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا۔ اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے

ہیں اور سلام بھی۔ دونوں میں افراد ہو تو بھی اختلاف کے ہاں جانتے ہیں اور صلوة و سلام جھجھاڑے جائیں تو بھی جانتے ہیں اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوة و سلام حضور کو دُور سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جاسکتا ہے یا اس اعتبار سے کہ فرشتے اسے اسی طرح روضہ پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہ ہیں پیش کر رہے ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جاسکتا ہے۔ بایں اعتبار کہ آپ خود سنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سنتے ہیں یا نہیں۔

۱۔ رواہ النسائی جلد ۱ ص ۱۵۲، مسند امام احمد جلد ۲ ص ۴۲، سنن دارمی ص ۳۴۲، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ ص

البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۲، الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، تخریبات حدیث مولانا حسین علی ص ۳۱۱

۲۔ رواہ الدارقطنی (القول البدیع ص ۱۱)

لیکن حضور کا سماع عند العزیم جمع علیہ ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں :-

انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

عبدالصمدی دہم سیدنا ملا علی قاری فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں :-

هذا مخصوص بمن بعد عن حضرة من قد ه المنور ومضجده المظہر و

فيه اشارة الى حياته الدائمة وفرجه ببلوغ سلام رغبته الكاملة وايماء

الى قبول السلام حيث قبلته الملائكة وحملته اليه عليه السلام

ترجمہ فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور کے مرقد منور اور آپ کی اترت گاہ مظہر سے

دور ہو اور اس میں آپ کی حیات دائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کا مدد کا

سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کہنے والے کے سلام کے قبول ہونے کا اشارہ بھی ہے باہر طرد

کہ فرشتوں نے اسے قبول کر لیا ہے اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے ہیں۔

ترجمہ۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ روضہ پر پڑھے گئے درود سلام کہ حضور خود سنتے ہیں حضرت

ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

من صلی علی عند قبری سمعته احد سمعا حقیقیاً بلا واسطہ۔

ترجمہ۔ حدیث ہے جو مجھ پر میری قبر پر آگے درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں، کا مطلب

سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ روضہ پر پڑھے گئے صلوات و سلام کہ حضور خود سنتے ہیں اور دوسرے

پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطے سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزاً جزاً اپیش

کرائے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون ایک جا جمع ہیں۔

سو جن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف طعن بنا رکھا ہے کہ اسے ابو عبدالرحمن محمد بن

مردان السدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ

سماع عند العجز کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

نیز ابن عمرؓ کہہ من صلی علی عند قبری زدت علیہ ومن صلی علی فی مکان
آخر بلعونیہ

ترجمہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے
میں اس کا جواب اس کے بڑھ کر دیتا ہوں اور جو کوئی کسی دہری جگہ پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں۔

حضرت مولانا مٹھانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں۔

جو روایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے

پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا

ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔

سویہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم تین صحابہ

سے مروی ہے۔

ہمارے مخالفین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہراتے ہیں۔ یہ بھی نہ مانتے

کی ایک ادا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متصلاً سننا ضروری نہیں یہ تحقق سمع

آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی

وقت سنادے یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آگیا۔

حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تاویل کو براہِ دے اور حال یہ ہے کہ وہی رات کے اوقات
 میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ ہزاروں زائرین روضہ اطہر پر صلوٰۃ و سلام عرض نہ کر رہے ہوں۔ اگر قبر مبارک
 کی حاضری اور وہاں درود و سلام دانا نہ پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور محقق۔
 سو اس موجودہ صورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہو گا دائمہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود و سلام
 ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ ہے مطلقہ عامہ نہیں
 دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا جو یہاں سمعہ ہے۔ موضوع کے لیے جو من صلی علی
 عند قبہ ہی ہے دائمہ ہو۔

ہم نے فریہ مطلقہ نہیں کہا۔ جیسے کل انسان حیوان بالضرورۃ دائمہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل
 نبی صادق بالدوام۔ سو جس طرح صدق ثبوت سے شرعاً متمنع السلب ہے۔ کوئی مؤمن روضہ اطہر
 پر درود پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنیں، یہ شرعاً متمنع ہے۔
 قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر تو اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں۔ حدیث کے اپنے
 الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے۔

فالقضية دائمة اذ من المعال العادی ان یخلو الوجود کله عن واحد
 یسلم علیہ فی لیل او نهار فنحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یجمع مادام المصلون یصلون علیہ علی قبرہ الشریف ولا تذهب ساعة
 من الساعات ولا وقت من الاوقات الا ویصلی علیہ فی مسجدہ الشریف
 صلی اللہ علیہ وسلم بالدوام او بالضرورة۔

المبحث الثانی — فی بیان الشاہدین الحدیث

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں۔

اخبرنا عبد الوہاب بن عبد المحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفیان بن سعید و اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و عبد الزاق (کلاهما) عن سفیان۔

سند حضرت سفیان بن سعید الثوریؒ :-

عن عبد اللہ بن السائب عن نراذان عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لله من لکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

ترجمہ یہ شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروفِ سیاحت ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا اور والوں سے ہی متعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام عرض کر دیتے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پر پہنچ کر — قبر کہاں ہے؟ زمین پر — حدیث میں ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے، سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں، قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے، فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضۃ اطہر کے مابین مصروفِ سیاحت رہتے ہیں، وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ آن کی آن

سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ ہیشمی فرماتے ہیں:-

رواہ البزار ورجالہ رجال الصیح

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد جلد ۱ ص ۴۲۱، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۴۲، سنن دارمی ص ۴۲، سنن دارقطنی (القول البدیع ص ۱۱۵) البیہقی ص ۱۱۵، مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴۲۱، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۵۴، علیہ ابی نعیم ص ۱۱۵، الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۲۲، دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

- ① علامہ فریبی صاحب میزان الاعتدال (۵۸۴۸) تخفیف المستدرک میں لکھتے ہیں صحیح ہے
- ② علامہ سمہوری (۵۹۰۱) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسحاق بن عیسیٰ قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے
- ③ علامہ عزیزی (۵۸۰۴) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں حدیث صحیح ہے
- ④ علامہ ہیشمی (۵۸۰۴) لکھتے ہیں رجالہ رجال الصیح
- ⑤ علامہ سخاوی (۵۹۰۲) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والخلی وابن حبان والحاکم قال صحیح الاسناد
- ⑥ علامہ ابن عبد الہادی (۵۶۴۴) مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معنی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

① مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۸، ② مستدرک جلد ۲ ص ۴۲۱، ③ وفار الوفار جلد ۲ ص ۴۲۲، ④ السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۸

⑤ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۴، ⑥ القول البدیع ص ۱۱۵، ⑦ الصائم المنکی ص ۱۱۸

ہر آئینہ خدائے رافرشنگان اندر سیر کنندگان در زمین سے رسانند مرا از امت من
سلام را و بتواتر رسید این معنی بلہ

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے۔ مجھے میری امت
کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظر نعمانی دامت برکاتہم جن کا مضمون اس سلسلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن ولینڈی
میں چھپا ہے اور اس سے محدث علیل حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم
سہارنپور (بہبودی تحصیل و ضلع کمیل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے
کی دعوت دی ہے۔ وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :-

فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے
بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر
صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطہ استناد پر جمع ہو جائیں اور روضہ انور کا یہ سماع تسلیم کر لیں۔

المبحث الثالث۔ ابوبہر البقی فی تحقیق اسانید ابی ایسیخ والبیہقی

حضرت ابوبہر یہ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس دو ٹپھے میں سنتا ہوں جو دور سے پڑھے
و مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالک سے بھی اسے
مروی بتلایا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابوبہر یہ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث
کو حافظ ابوالشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور احد الاعلام ہیں۔ کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں
روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ اصبہانی
اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں۔ اصبہانی کی سند جدید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بیہقی کی سند کا ایک

راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ حیدر سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ دانستہ قول رسول کی تضحیک کی جائے۔ یہ اتنی بڑی جسارت کہ لب پوری قوم اس عذاب کی زد میں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بہت ہی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما سے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور ان کے بائیں ہاتھ میں ابو عبد الرحمن محمد بن مروان پر جرح ہوتی ہے اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابوالشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پینترہ بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے اور یہ حدیث کہتی ہے حضرت سُنتے ہیں، ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اولاً تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہے، اَنْتَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَى "آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے" اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اِسْمَاع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام دعوئے ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اموات غیر اَحیاء سے اور قد خلت من قبلہ التَّسْل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام کا ایسا کہ یہہ منظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماع موثقی کی بحث لانا چاہتے ہیں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب نیت ہی کلی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا پہلا وارہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے، خالی جاتا ہے تو پھر کس حجرات سے قادیانی طرز استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ائمہ اعلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے

تایح نہیں یہ اسکے خلاف اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ولو کان بعضہم لبعضی ظہیراً۔

مغلطے کا ایک اور انداز

سہیحی کی سند کا راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان ہے اور ابوشیخ کی روایت کا ایک راوی عبد الرحمن بن احمد الاعرج (۲۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں۔ عبد الرحمن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز قاعدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبد الرحمن کی تہرج عبد الرحمن بن احمد پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابوشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے ان هذا الا بقران عظیم۔

المبحث الرابع

تحقیق روات سند ابی شیخ

- | | |
|----------------------------|-------------------------------------|
| ① ابوشیخ الاصبہانی | ② ابوصالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج |
| ③ الامام الحافظ حسن الصباح | ④ ابوسعاد یہ محمد بن خازم |
| ⑤ سلیمان بن مہران الاعمش | ⑥ ابوصالح ذکوان (اسمان الزیات) |

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① — ابوشیخ الاصبہانی

علامہ ذہبی ان کو حافظ۔ امام اور سند زمان کہتے ہیں۔ ان کے تعقلے و تدبیر کو تسلیم کرتے

نہ عبد الرحمن بن الاعرج سے قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں دیکھئے تاریخ صہبان جلد ۱۱۱ اور ابوشیخ الاصبہانی بھی دیکھئے جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹، امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دوروی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا دیکھئے سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۳۶۱، توجیب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے حمید تسلیم کیا ہے۔ من روی عنہ ثقاتم فقدر نفعتم جہالتہ وثبتت عدالتہ۔ تو کیا اب

بھی عبد الرحمن کی تعدیل نہ ہوگی۔ اس اصول کے لیے دیکھئے : (فتح المغیث ص ۳۷)

ہیں۔ ابن مردودہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو اعدالاعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔
ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ — فهو الحافظ الكبير... ثقہ۔

② — ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج

والد کا نام ابو یحییٰ ابو نعیم اصفہانی (۳۲۰ھ) کے تاریخ اصفہان جلد ۲ ص ۱۱۳ میں
اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی
ہیں اور اس نے سلمہ بن شیبہ اور الامام الحافظ حسن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں
حافظ ابن حجر عسقلانی سلمہ بن شیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-
احد الثقات حدث عنه الائمة والقدماء۔

سلمہ بن شیبہ سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبد الرحمن بن احمد بھی ہیں۔

البتہ عبد الرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے :-

قال ابو الشیخ لم یکن بالقوی فی الحدیث۔

③ — الحسن بن الصباح

صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ قریبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر عظمت الفاظ سے
ذکر کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ
خدا کا خوف کریں۔

④ — ابو معاویہ محمد بن خازم

کوفہ کے مشہور محدث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ اور مثبت کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے

راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں کسی اور سے روایت کریں تو ہو سکتا ہے اس میں
کچھ اضطراب ہو۔

۱۔ دیکھئے تذکرہ للذہبی جلد ۲ ص ۱۴۶ لسان المیزان جلد ۶ ص ۲۹۵ ۳

۲۔ لسان المیزان جلد ۵ ص ۵۵ تذکرہ جلد ۲ ص ۵۵ ۳۔ دیکھئے تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۱

یحییٰ بن معین کہتے ہیں ہمیشہ سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔

⑤ ————— سلیمان بن مہران الکمش

صاحب سنہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے۔ مگر ان دنوں شیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی۔ تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ ورفض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

⑥ ————— ابو صالح ذکوان

صاحب سنہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں:-

ثقة ثقة من اجل الناس واثقهم

ترجمہ ثقہ ثقہ ہے بڑے اور سچے لوگوں میں سے اور سب سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں سے ہے اور اس زمانے میں تو راویوں کی پڑتال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لانے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث تسمیٰ بالقبور ہے یا نہیں۔ یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے۔ اب دیکھئے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد لیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:-

① ————— شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

② ————— حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

③ ————— خاتمة الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

④ ————— سخاوی (۹۰۲ھ)

۱۰ حاشیہ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۳۸ ۱۱ تذکرہ جلد ۸ ص ۸۳

- ⑤ — علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ)
- ⑥ — علامہ عبدالرؤف المنادیؒ (۱۰۰۴ھ)
- ⑦ — تلامذہ قاریؒ (۱۰۱۴ھ)
- ⑧ — قاضی ثنار الشربانی پتہ (۱۲۲۵ھ)
- ⑨ — علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۲۲ھ)
- ⑩ — نواب صدیق حسن خاں (۱۲۰۷ھ)
- ⑪ — حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)
- ⑫ — علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۶ھ)

حوالجات از بعض عبارات

① حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

صلوا علیٰ حیثما کنتم فان صلواتکم تبلغنی قال فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم

انہ یسمع الصلوٰۃ من قریب و یبلغ ذلک من بعید۔

ترجمہ حضورؐ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کر وہاں بھی تم ہو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھے

پہنچتا ہے جنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا یہ ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود

کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچا یا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابو داؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور دوسری وہی امام بیہقی

والی — امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم

ہے مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

وقدروی ابن ابی شیبہ والدارقطنی عنہ من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی نائیا ابلغتہ و فی اسنادہ لین لکن لہ شواہد ثابتہ فان
ابلاغ الصلوٰۃ والسلام علیہ من البعد قدر و اہل السنن من غیر وجہ۔

ترجمہ۔ اور ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر
آکر دوڑ پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دوڑے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا
جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں
آپ کو دور سے صلوٰۃ و سلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے

② حافظ ابن القیم کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے یہ ابوالشیخ کی سند کے بارے میں نہیں۔ ابن ابی شیبہ
اور دارقطنی کی سند کے بارے میں ہے اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو پہنچائی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول
ابن تیمیہ اس کے شواہد موجود ہیں۔ اس لیے یہ روایت بھی قبول کر لی جائے گی اور یہ محدثین کا اصول ہے
کہ روایت اپنے شواہد سے قوی ہو جاتی ہے۔

ابن شواہد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل السنن (سنائی وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کو دور سے پڑھا گیا صلوٰۃ و سلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطی
بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں۔

قلت هذا الحديث اخوجه الطبرانی و ابونعيم في الحلية وله شواهد يفتي بها
الى درجة الحسن۔

یہ سب تائید اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے۔ یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف
ان شواہد سے کلیتاً اٹھ جاتا ہے۔

عائظہ ابن قیم (۴۵۱ء) نے جلاء الافہام میں ابو الشیح کی پوری سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث نقل کی ہے من صلی علی عند قبری ممقنہ ومن صلی علی من بعد اعلتہ لہ
سند یہ ہے۔

قال ابو الشیح فی کتاب الصلوۃ حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا حسین بن الصباح
حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاحمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور کتاب الروح میں لکھا ہے۔

وقد صح عنہ ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ الملائکہ یبلغون عن امتہ السلام۔
ترجمہ۔ اور حضور سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی قبر پر فرشتے مقرر
کر رکھے ہیں جو حضور کو آپ کی امت کا صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں (رضوۃ اقدس پر) حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھی پہنچاتے ہیں کہ حضور یہاں خود سنتے ہیں
ورنہ فرشتوں یہاں آنے کا کیا مطلب۔ اور جو درود و سلام دور پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔

یہ عائظہ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث سن اور اس کے معنی کی پوری تصدیق کی ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔
فالروح هذا ولها انصار بالبدن في القبر و اشراف عليه وتعلق به بحيث
یصلی فی قبرہ و یرد سلام من سلف علیہ لہ

ترجمہ۔ جو روح اقدس اپنے مقبرے میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن کے ایک اشرف اشرف
اور ایک تعلق ہے بایں طور کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے
کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور اپنے رضوۃ اقدس پر عرض کئے گئے صلوٰۃ
و سلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی
اختلاف نہیں ہے۔

③ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شہادت

اخرج ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي فائياً بلغته ۱۰

ترجمہ۔ ابو الشيخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر دُود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دُور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے جو صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی ہے اس کے بعد آپ اس کے شواہد کو ذکر کرتے ہیں ① پہلا ابوداؤد کی روایت سے ② دوسرا ابوالشیخ کی روایت سے ③ تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوتکم معروضہ علی سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے نہ حافظ اسی روایت کو لائق قبول بنا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھادی ہے ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ ضمنی بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے :-

ومن شواهد الحديث ما اخرجہ ابوداؤد من حديث ابی هريرة رفعه وقال فيه صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتہ سندہ صحیح واخرجہ ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى فائياً بلغته وعند ابی داؤد والنسائی وصححه ابن خزيمة وغيره عن ابي ان قال فان صلوتکم معروضه علی فقالوا كيف تعرض وقد ارمته ۱۰

④ عاقظ شمس الدین سخاوی کی شہادت

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اعلته رواہ
ابوالشیخ وسندہ جید۔^۱

ترجمہ حضورؐ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آکر ٹھہرے اور وہ پڑھے میں خود سنتا ہوں اور وہ
سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید
ہے عمدہ ہے۔

⑤ علامہ ابن حجر مکی کی شہادت

اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقاً ویند علیہ من غیر واسطۃ
وان صلی وسلم من بعید لیسعہ الا لو واسطۃ، يدل علیہ احادیث کثیرہ۔^۲
ترجمہ جب کسی درود و سلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور
سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر وہ سلام دور سے پڑھا تو آپ اسے
نہیں سنتے مگر فرشتوں کے واسطے سے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔
اور ابوہریرہؓ میں لکھتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ الصلوۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعہا
اذا کان عند قبر الشریف بلا واسطۃ۔^۳

ترجمہ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے
جب وہ دور سے آتے اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب
پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

وَقَدْ وَاتَّخَذَ الْحَرَامُ حَرْمًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ فَقَالَ اللَّهُ حَرَمٌ عَلَى الْأَرْضِ كُلِّهَا جَنَّةً لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ
 وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللَّهَ حَرَمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ
 الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّهُمْ فِي حَيْوَتِهِمْ كَمَا فِي حَيْوَتِهِمْ كَمَا فِي حَيْوَتِهِمْ كَمَا فِي حَيْوَتِهِمْ كَمَا فِي حَيْوَتِهِمْ

ترجمہ۔ اور طبرانی کی ایک سری روایت میں ہے کہ نبی کریم پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی
 آواز مجھے پہنچتی ہے۔ ہم نے کہا اور آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا حضور نے فرمایا وفات کے
 بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں
 کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سنا ایسا ہے کہ اس کیفیت حسنیٰ ہے جیسا کہ
 ان کے دوسرے حواس (قائم ہوتے ہیں)۔

اجساد انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ انہی قبور میں۔ حضور نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے
 والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے تو صحابہ کا ذہن فوراً آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے
 سنیں گے۔ آپ نے اپنے جسد اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی۔ ابن حجرؒ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ
 انبیاء کے دوسرے ظاہری حواس کی طرح ان کی قربت سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔
 حضور جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سنیں اور دور کی
 بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قربت سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر
 مبارک میں بھی آپ قریب سے سنیں گے اور دور والے کا درود و سلام آپ کو پہنچا یا جائے گا۔
 سو حدیث الابغنی صحتہ ماقط ابن حجرؒ کے ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی
 ان احادیث صحیحہ سے بھی تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا توسط ملا کہ پہنچا صریح لفظوں
 میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجر نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آکر درود پڑھے
 ۔ یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔
 تو الفاظ بلغنی صلوٰتہ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کئے ہیں معلوم ہوتا ہے بلغنی صلوٰتہ

یہ تصحیف ہوئی ہے۔ سو اگر تے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اس نصبت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شاہدین ذکر کی جاسکتی ہے

④ حافظ ابن کثیر (۵۷۷۴)

باجہدیکہ آپ اس کی بیہقی والی سند پر ترجیح کرتے ہیں۔ اس کے راوی محمد بن مردان السدی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں یہی تعلقاً بالقبول ہے۔

⑤ علامہ شہاب الدین انخباہی (۵۸۹۹)

وبما تقر في هذه الأحاديث علم ان يصل الله عليه وسلم يبلغه الصلوة والسلام اذا صدر من بعيد ولينمها اذا كان عنده قبره الشريف بلا واسطة. ^ك
لانہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ یسمع دعاء زائریہ۔ ^ک

ترجمہ۔ اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ آگے بڑھا اور اس طرف سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے۔ یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

⑥ حضرت علامہ عبد الرؤف المناوی (۱۰۰۳ھ)

من صلو علی عند قبری سمعته ومن صلو علی فائياً ای بعیدا (ابلقته) ای
اخبارت به من احد من الملائكة وذلك لان لروحه تعلقاً بمقرب منه
الشريف وحرام علی الارض ان تلک اجداد الانبياء۔ ^ک

ترجمہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے فرشتوں میں سے کوئی مجھے اس کی اس کی اطلاع دے دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقبرہ بدن (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

④ ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (۱۰۱۴ھ)

① درواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب توابع الاعمال بسند جید۔

ترجمہ اس حدیث کو ابوالشیخ اور ابن حبان نے توابع الاعمال میں سند حمید سے روایت کیا ہے۔

② من صلی علی عند قبری سمعته ای سماعاً حقیقیاً بلا واسطہ۔

ترجمہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور سنتا ہوں بلا واسطہ۔

③ انه قد ثبت من صلی علیہ نائياً بلفہ ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعہ۔

ترجمہ یہ ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے درود پڑھے وہ آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

④ ان الزام اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً ورد علیہ من

غیر واسطہ... لما جاء عند بسند جید من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی

علی من بعد اعلمتہ۔ ترجمہ: زائر جب آپ کی قبر کے پاس آکر آپ پر درود سلام پڑھے تو

آپ اسے حقیقہ سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ... کیونکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے سبب جہاد کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے

وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

⑩ علامہ سید احمد طحاویؒ (۱۲۳۳ھ)

فانه يسمعها اي اذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم وتبلغ اليه اي
يبلغها الملك اليه اذا كان المصلى بعيداً

⑪ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المنظہری

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي
غائباً بلغته

⑫ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ (۱۱۰۰ھ)

انه يسمع من يسلم عليه

ترجمہ: آپ اس درود کو جو آپ پر (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔
مولانا اسماعیل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان الفاظ میں پڑھیے:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔
آل شیخ کے مقتدر عالم علامہ شیخ محمد بن عبد اللطیف رقمطراز ہیں:-
ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن بزخی زندگی کے ساتھ
اور شہد کی زندگی سے کہیں بہتر آپ کی زندگی ہے اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

⑬ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)

جو خود روضہ پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ و سلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ و سلام

آپ خود سنتے ہیں

روضۃ اطہر پر حاضر ہو کر صلوة و سلام پڑھا جائے تو نبی کریم خود سن کر جواب دیتے ہیں
یہ سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے

⑭ نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید — اس حدیث کی سند جید ہے

⑮ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

اخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید من صلی علی عند قبری سمعہ
ومن صلی علی فانیاً بلفظہ

⑯ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۲۶ھ)

مسجد نبوی کی حدیں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیں

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضور کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تعلق بالقبول کا
درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تعلق بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہو جاتی ہے اس حدیث
پر ابو الشیخ کی سند جید نہ بھی موجود ہوتی تو بھی یہی ہوتی کہ روایت تعلق بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے
محدث سہارنپوری نے بذیل الجہود جلد ۲ ص ۱۱۷ اور صفحہ ۱۳ پر اور المہند علی المقدم میں اپنے عقیدہ کو بڑی
وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم قراءوں نے المہند کے خلاف القول المسند فی رد المہند لکھ کر

قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔

①۷ حکیم الامتہ مجدد الامتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

خود حضرت کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور دور پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دہلی کے بروایت عبدالشہین مسعودی آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کر نیوالے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔

①۸ مولانا عبدالغفور غزنوی امرتسریؒ (۱۰ مترجم مشکوٰۃ)

اشرف صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ الحدیث کا یہی اعتقاد ہے۔

①۹ مولانا محمد عطار اللہ حنیف صاحب التعلیقات التسلفیہ

انما احياء في قبورهم يصلون وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائياً بلغته به

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر آگے پھر پورے درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

واضح ہوا کہ عند القبر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ و سلام صحیح ہے اور اس بلوغ اور سلام کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

المبحث الخامس

علامہ ابن عبد الہادی کا اُسے قبول کرنا

علامہ ابن عبد الہادی کی نظر ابوالشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مردان صدی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر ہمیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے عرض کئے گئے صلوة و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر ابوالشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت ان کے دوسرے شراہد کی روشنی میں تعلق بالقبول کا درجہ پانچویں تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء کیا احناف اور کیا شوافع کیا موالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور ایسی کسی اختلاف نہیں۔ علامہ طحاوی لکھتے ہیں:-

يبلغها الملك اذا كان المصلي بعيداً ۱۰

ترجمہ فرشتہ اس صورت میں درود سلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو۔
علامہ ابن عبد الہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں:-

وهو صلى الله عليه وسلم يسمع السلام من العتب وتبلغه الملكة الصلوة والسلام من البعد ۱۱

ترجمہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوة و سلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبد الہادی سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کو امت کی

چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہلسنت کہلاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد البہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

فلما ذلک الحدیث وان کان معناه صحیحاً فاسنادہ لا یتحج بہ وانما یشبہ
معناه بلعادیث اخر فانہ لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان
السدی صغیر عن الاعمش کما ظنہ البیهقی وما ظنہ فی هذا هو متفق علیہ۔

ترجمہ - اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں
جس سے احتجاج کیا جاسکے یہ معنی کہ حضورؐ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں۔ دوسری
اعادیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش
کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو
خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے ،
انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اس آئذہ سے
اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو یہ سچ کہئے اس میں ابو معاویہ جو صحابہ کرام کے مرکزی راوی
ہیں اور وہ کوفہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا
شخص اس شخص پر حجت نہیں جسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں واقع محمد بن مروان منفرد ہے۔ اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا
مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے اس کے اپنے طریق اور علم کے
مطابق درست ہے۔

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی؟ بیہقی کی سند میں عمار بن عمرو اسخنی محمد بن مروان ہے اور وہ اعمش سے اس حدیث کا راوی ہے۔ یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے۔ گو یہ ضعف دوسرے شواہد سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے، عمار بن عمرو اسخنی عن ابی معاویہ عن الأعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الأعمش والی سند موضوع ہے وہ موضوع نہیں ضعیف ہے۔ اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے :-

ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدعي فيما اري ونيه

نظر وقد مضى ما يوكده ۱۰

ترجمہ یہ ابو عبد الرحمن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور اس کے لائق حجت سمجھنے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتی ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے۔ بایں ہمہ وہ اسے کلیتہً ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے متوکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منبج کر لیتے ہیں۔ پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبد الہادی کو بھی انکار نہیں۔ تو اب کسی عالم کو اس انکار کی کیسے جرات ہو سکتی ہے۔ سو یاد رکھیے امام بیہقی کی روایت فنی نقطہ نظر سے متروک نہیں متوکد ہے۔ عباتے حق کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ وقد مضى ما يوكده کو کبھی نہ بھولیں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ پھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ "حیات الانبیاء" میں لکھی ہے

اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کرامیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث نہ لانا جلتا ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے حجت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسناد خود اس پر جرح کی اور معنی خود اسے قبول کیا ہے۔ اور کون ہے جو اس کا انکار کرے؟

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے۔ فروعی اختلاف خطا اور صواب کے درمیان دائر ہوتا ہے۔ مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں۔ اصول اسلام میں سب صحابہؓ، سب ائمہ اور سب علماء ایک ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ و الجماعہ ہیں۔

ابو الشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں۔ محدثین سے اسے بالاتفاق جید مانا ہے۔ مگر افسوس کہ اس پر ہمارے کرم فرمایا یہ بحث الے اڑے جید ہی تو کہا ہے صحیح نہیں کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جید اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۷۴۲ھ) اصول حدیث کے مستم امام ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں آپ کا شاہکار ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جید ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بلقینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

لے محدث ابن عبد البر (۴۲۳ھ) ایسے موقع پر حدیث پر صحت کا حکم لگاتے ہیں۔ قاضی شوکانی ان سے ایک بحث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقى العلماء له بالقبول فوده من حيث

الاسناد وقبله من حيث المعنى. (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۰۰)

من ذلك يعلم ان الجودة يعبر بها عن الصحة.

ترجمہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو تہید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف اماریت پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں آپ نے اپنی سنن کے ابواب الطیب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے :-
هذا حدیث جید غریب.

دعویٰ غرابت اور اس کی وضاحت

عافظ ابن قیمؒ نے البراشیح کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔ اس حدیث کی اکثر روایات میں اُبلغتہ یا بلغتہ کے الفاظ ہیں۔ متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے۔ لیکن البراشیح کی روایت میں اعلتہ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغتہ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلتہ میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات میں ابلغتہ کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلتہ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباہی نہیں۔ مشکوٰۃ تو سہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے ہی اٹھا کر دیکھ لیں :-

ان الغرابۃ لاتنافی الصحۃ۔ حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔

کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے۔

فرغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیدہ وقال اللہ اکبر خربت خیب... قال ابو عبد اللہ دع فرغ

یدیدہ فانى اخوان لا تكون محفوظا وان كان فيه فرغ یدیدہ فانہ غریب جدا بلہ

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان صدیق صغیر جو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے۔ اس پر مشتمل سند کو

کمزور تو کہا جاسکتا ہے مرفوع نہیں اور ابوالشیخ کی سند تو بالاتفاق تہید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۹۶۷ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے :-

اس حدیث کی جو سند صدیق صغیر پر مشتمل ہے۔ اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور

کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے۔ ... بلا علی قاری

انہی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال مبرک نقلًا عن الشيخ ورواہ ابو الشیخ

..... باسناد جید۔

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا

مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی غلیب اور داغظ کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام

کی بھی توجہ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ

رحمۃ ربہ الباری فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں۔

وفیہ اشعار بان من خالف السنۃ وان کلن فی الظاہر من تینا خطیباً مکوماً

عند الناس فہو فی الحقیقۃ نجس اخص من الکلب۔

ترجمہ۔ اور اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے

گو ظاہر اوہ بڑا بنا ٹھنڈا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا

مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ نجس ہے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۱۴ ۲۔ ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۱۲۸ ۳۔ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۴۸

(ماخوذ از حیات الانبیاء ص ۱۴۲)

یہ ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی ہوتی تو اصولاً سہیقتی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی۔ اس لیے کہ اونچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کر لیں وہ دوسروں کے لیے محبت ہو جاتی ہے اور فقہاء کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

① حافظ ابو بکر الجصاص (اللاذی ر ۴۰۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں:-

ان الفقہاء قد تلتقت هذا الحدیث بالقبول و عملوا بہ فثبت حجتہ

بقبولہم لہ ذلک قولہ علیہ السلام لا وصیہ لوارث یلہ

② حافظ ابن عبدالبر المالکی (۴۶۲ھ) بھی اس اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتد

مٹھراتے ہیں۔ قاضی شوکانی (۴۰۰ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:-

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلك بصحة لتلقى العلماء له بالقبول یلہ

ترجمہ۔ اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ

علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

③ علامہ ابن عبدالہادی (۴۴۴ھ) حدیث من صلی علی عند قبری کو ضعیف

کہتے ہیں (گر ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں) لیکن وہ اس کے معنی سے بوجہ تعلق بالقبول

پدی طرح متفق ہیں۔ حدیث کی سند کا مکمل فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط

ہونا اور بات ہے۔ اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تعلق بالقبول سے کبھی

کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی۔ تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں

ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید

سند کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے جید سند ہونے کا علمائے کبار کی ایک جماعت

نے اقرار کیا ہے۔

المبحث السادس

ارشاد العوام لعرض الصلوة والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوة و سلام علی خیر الانام عرض کرنے کے لیے حاضر ہو اور مومن یہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضور کی سماعت کے شرف سے مشرف ہو جائے تو وہ اسے حضور کی خدمت میں حاضر سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے یہ صحیح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات آئی۔ آپ پر انک میت و انہم میتون کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفات زندہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضور اس قبر میں میت ہیں تو امام مالک کے نزدیک ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ صورت حال یہ نہیں۔ حضور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوة و سلام عرض کرنے والے کا صلوة و سلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فروع و احکام کے اختلافات تو ہیں۔ اصول و عقائد میں چاروں امام اہل السنۃ و الجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم مقلدین پر محبت ہے علامہ سمہودی حضرت امام مالک کا فتوے نقل کرتے ہیں :-

نقل عن الامام مالک انه كان يكره ان يقول رجل نزلت قبر النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن رشد من اتبعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو صلى الله عليه وسلم احياء الله تعالى بعد موته حياة تامه له

ترجمہ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے بنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا نطق عام طور پر موتی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نوازا رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا نطق کیوں؟) فقہاء احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارة النبی یا زیارة الرسول کا عنوان اختیار فرماتے ہیں یہ عاصری قبر پر عاصری نہیں، آپ کی خدمت میں عاصری ہے اور نہیں تو نور الایضاح جو عام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے :-

يَبغى لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم ان يكثر من الصلاة عليه
فانه يسعها له

ترجمہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے اسے چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضورؐ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضہ اطہر پر عاصری آپ کی خدمت میں عاصری ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں بایں تصور جانا کہ حضورؐ میرے لیے اللہ رب العزت سے منفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے۔ حضورؐ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں عاصری کا ایک موضوع یہ بھی تھا :-

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاعوا فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول

لو جددوا الله تو ابارحيماه (پہا النار ع ۹ آیت ۶۲)

ترجمہ اور جیسا کہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ رسول کے بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرے اور اللہ بہت مہربان پائیں گے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

کی ہمسایگی میں ہے۔ یہ اسی صورت میں مقصور ہے کہ وہ حضورؐ کو روضہ انور میں حیات سمجھے۔

محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ ثابت ہوا کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضورؐ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بحر العلوم عبد العلیؒ یہ دعا بدیں الفاظ

لکھتے ہیں :-

وارسرقنی من زیارة رسولک صلی اللہ علیہ وسلمؐ

ترجمہ اور مجھے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی زیارت نصیب فرما۔

سوجب یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوة و سلام عرض کرنے

کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفر لہم الرسول استغفار کی گزارش بھی بلا تردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

فتہما نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۵۸۶۱) نے قبر اطہر پر حاضری کے لیے آداب بتائے ہیں۔

کہ یہ قبر پر حاضری نہ ہے۔ اس میں حضورؐ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی

زیارت کے الفاظ موجب کراہت نہ رہیں گے۔ کیونکہ حکم کی علت جاتی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ

قبر کی طرف ہے اور تو کہہ السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبن کاتہ۔ اور یہ اس تصور کے

ساتھ کہ حضورؐ قبر شریف میں اپنی دائیں کروٹ پلٹے ہوئے ہیں۔ اور آپ پر کثرت سے درود

شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں :-

و یجتہد فی خروج الدمع فانہ من امارات القبول و ینفی ان یتصدق بشیء

علی حیران النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یصرف متباک یا متعزرا علی الفراق
المحضرة النبویة والقرب منها ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة یقول
یا رسول اللہ اسألك الشفاعة یا رسول اللہ اسألك الشفاعة واطوسل بک الی اللہ
ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک ویزکر کل ما کان من قبیل استعطاف

ترجمہ۔ اور وہ آنسو لانے میں جہد کرے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیے کہ
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر کچھ حد تک کسے۔ پھر وہ رتقا ہوا وہاں رکھت
ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پر گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو پھر وہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں شفاعت کی درخواست کرے۔ اے اللہ کے رسول! میں
آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور لانا ہوں
کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر مسلمان رہتے ضرورں اور میری بات یاد کرے
جس سے نرمی اور نیاز مندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمام نے اس سے پہلے سیدنا عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی یہ حدیث نقل کی ہے۔
روی ابو حنیفہ فی مسنده عن ابن عمر قال من السنة ان تأتي قبر النبی صلی اللہ
علیہ وسلم من قبل القبلة وتجعل ظہرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجہک
ثم تقول السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آ
رہی ہے کہ تم حضور کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ۔ ہتھاری پشت قبلہ کی طرف رکھ
اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

سوا امام ابن ہمام کا مذکورہ فتوے بلا اصل نہیں ہے۔ اسے ایک جلیل القدر صحابی کی سند

حاصل ہے۔

قبر مبارک پر عاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھے کہ یہ غائبانہ پکار ہے
اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عاضری ہے۔ یہ اس
لیے ہے کہ روضۂ انور پر عرض کی گئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی
کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے۔

عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔
اللہم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین۔

ہذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم۔

اجواب صحیح

(مولانا) عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی

لاشی (مولانا) غلام اشرفاں

۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ

مہر دارالافتار

حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

آپ ہی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات
پیرایہ شریعت کے خلاف نہ ہو لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے۔
حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں۔

① السلام علیک یا رسول اللہ ② السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔

③ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ ④ السلام علیک یا حبیب اللہ۔

⑤ السلام علیک یا سید ولد آدم ⑥ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر امتی اپنے عقیدہ تو حید و رسالت کا اقرار اور حضور کے احسانات کا بایں طور اعتراف کرے
اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے :-

یا رسول اللہ انی اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له — وانک عبده
رسوله — واشهد انک یا رسول الله قد بلغت الرسالة وادیت الامانة
ونصحت الامة وکشفتم الضمة فجزاک الله عناخیرا جازاک الله منا
افضل ما جازى نبیا عن امتہ۔

اللهم اعط سيدنا عبدك ورسولك محمدا الوسيلة والفضيلة والدرجة
العالية الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذي وعده وانزله المتل
المقرب عندك انك سبحانك ذو الفضل العظيم۔

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور پھلکتے آنسوؤں سے شفاعت کی درخواست
کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضور یہ امتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور
ما فر ہو۔ آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبرئے کے مقام پر آپ کے سوا کوئی
نہ آسکے گا۔

امتی پھر ان دو ستر کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض
کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی جگہ میں اس کا نام مع ولدیت کے ذکر کرے۔

السلام عليك يا رسول الله من ————— بن —————

گنبدِ خضریٰ کے سب مکیتوں پر سلام ہو؟

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ
پر بھی سلام عرض کرے۔ یہ حضرات گواہی دہانہ میں سے نہیں کہ ان کا قبر پر سننا قطعی ہو۔ لیکن بایں سبب

کہ حضور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خیر ایک مٹی سے ہوا۔ کما رواہ الخطیب۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبدِ خضریٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں۔ ابن ہمام لکھتے ہیں:-

یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے اور ان کا سلام بھی عرض کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

ويبلغه سلام من اوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان ابن فلان
يستشفع بك الى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين

ترجمہ۔ اور زائرِ حضور کو اس کا سلام پہنچاتے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے حضور فلان بیٹا فلان کا سلام عرض کرنا ہے اور آپ کے شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔
اتباع۔ تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اوروں کے بعد اوقات اپنی قبروں پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کاطین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں اور جو دوست اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قائل اسلام میں قطعی اور یقینی درجہ رکھتا ہے۔ اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ سب کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:-

قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلان تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے۔
اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے متقرین اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جو انہیں ہے کہ فقہاء نے بعد سلام وقت زیارتِ قبر کے شفاعتِ مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔

ہمارے دور کے کرامی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مرتدین نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ و سلام نئے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں، نامناسب نہ ہو گا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اٹھاتے جائیں۔

ان تدعوہم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم و یوم القیمة
 یکفرون بشرکم و لا ینبتلکم مثل خبیر ۵ (پ ۲۲، فاطر ع ۲ آیت ۱۴)
 ترجمہ۔ اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں
 تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے
 سے اور کوئی نہ بتلانے تجھے جیسے ذات خبیر تجھے بتلا رہی ہے۔

ومن اضل ممن یدعو امن دون اللہ من لا یتجیب لہ الی یوم القیمة
 وہم عن دعاءہم غافلون ۵ (پ ۲۶، الاحقاف آیت ۴)

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ
 سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

① — ان دونوں آیتوں میں کہیں پاس سے سننے کی نفی نہیں — دونوں جگہ پکار
 سننے کی نفی ہے، پکار کے کہتے ہیں دُور سے بلانے کو — دُور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ و سلام
 عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سنتے — سو ان آیتوں سے حضور کی قبر
 مبارک پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہ سننے جلنے کے معرض میں لانا اور ان کے اسے سننے کی
 نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے۔ یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں
 اس کا کچھ وزن نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو تہہ بوم تہہ بوم کر پڑھنا اور اُسے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا امر دیگر ہے۔ ولایت باؤل قارورہ کورت
 فی الاسلام فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

② — پھر ان تدعوہم سے براہ راست انبیاء و شہداء مراد لیتا اور یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے نہیں کیا ہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آتی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء اور شہداء کو ٹھہرانا سلف صالحین کا کیا ہی طریق تھا۔ اس پر بھی کچھ غور فرمائیں۔

کیا تفسیر مدارک جلد ۴ ص ۱۴۱ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۱۵۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لانہما جمادات لا ارواح لہما۔ کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟ قاضی شوکانی کو لیجئے لکنہما جمادات تفسیر فتح القدیر جلد ۴ ص ۴۴۲ کیا آپ کے سامنے نہیں۔ مفسر حقانی نے لکھا ہے۔

اگر تم اُن کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔

گرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لا یسمعوا دعاءکم کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور اپنے روضہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو نہیں سنتے۔

③ — پھر غافلون کا یہ معنی کہنا کہ "انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا، کیا صحیح ترجمہ ہے یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

لقد كنت في غفلة من هذا فكشفنا عنك غطلك فبصرك اليوم حديدہ

(پ ۲۶، ق ۱۷)

ترجمہ۔ تو بے خبر رہا اس دن سے سوہم نے اٹھا دیا تیرا پردہ۔ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

تیری آنکھوں کے سامنے مشہورات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ تو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے۔ سو یہاں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو۔ یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔ اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ موردِ موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے و ما یشرعون ایتان یبعثون۔

وہم عن دعائهم غافلون سے کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ انہیں کوئی اس طرح دھیان نہیں اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالتہ ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شانِ علم ہے۔ کفار سنتے تو تھے دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا۔ لقد كنت في غفلة من هذا۔ افسوس کرامی حضرات وہم عن دعائهم غافلون کا ترجمہ کرتے۔ اس آیت لقد كنت في غفلة من هذا کو کبیر مجبول جلتے ہیں۔

یاد رکھیے آیات کے عہدات سے دعویٰ البطلان احادیث یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا نہیں رہا۔ سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج ان کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضورؐ روضہ پر عرض کئے گئے صلوة و سلام کو خود سنتے ہیں اور دُور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کرامی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کر سکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر عرض صلوة و سلام کرنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوة و سلام عرض کرتے ہیں۔ ہماری آواز آپ کی سماعت

سے مشرف ہو اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟
 مولانا حسین علی مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ عظیم
 حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے
 لکھتے ہیں :-

میں اور مولانا غلام اللہ خاں عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے
 بعد برزخی حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں
 کہ روضہ پاک کے قریب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب
 دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن
 میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات
 میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر
 جگہ سے.....

مولانا عبدالرحمن جامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر عاضری دیتے تو درود و سلام
 کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے :

خواجه بسفرے روم چہ فرمائی

”آقا میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے۔“ جواب ملا۔

بسلا مت روے و باز آئی

”سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں“

ایک سال صرف یہ جواب ملا ”بسلا مت روی“ پھر آنے کی بات نہ آئی اور واقعات نے

بتایا کہ یہ آخری عاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود و سلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عندا شت بھی۔

اور یہ سب سننا اور سنوانا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۷۶ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر می دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضہ اطہر پر حضور اکرم کو یارسول اللہ کہہ کر خطاب کیا۔

یارسول اللہ استسق لامتك فانهم هلكوا^۱

ترجمہ۔ یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں ۱۸۰ھ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا۔

انت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ انہم مسقون^۲

ترجمہ۔ آپ عمر کے پاس جائیں اور اسے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ و سلام ہی نہیں کہتے تھے۔ کوئی اور عند اشنت (بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی) پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے۔ حضرت امام بیہقی (۵۴۵ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاذ یہ محمد بن غازم سے لی ہے اور یہ وہی سند ہے جو

حدیث من صلی علی عند قبری سمعته کی بطریق ابی اسحاق ہم پیش کر آئے ہیں۔

ابو سعاد یوسف بن محمد بن الحازم (۵۱۹۸) اعمش (۵۱۲۸) ابوصالح ذکوان السمان
 اُس حدیث کو ابوصالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس حدیث کو حضرت
 مالک الدار سے نقل کرتا ہے۔ حضرت مالک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی
 شبہ نہیں کہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا دود پایا ہے۔ سو
 یہ سند متصل ہے اور اس کی جملہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (۵۳۱۰) نے تاریخ الملوک والامم جلد ۴ ص ۹۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام
 بیہقی (۵۴۵۸) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزیری (۵۶۳۰) نے اپنی
 تاریخ میں الکامل جلد ۲ ص ۵۵۶ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آئیے اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں
 علامہ سبکی نے شفاء السقام ص ۱۳ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (۵۷۷۲) نے امام
 بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ہذا سند صحیح ہے۔
 ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر عسقلانی (۵۸۵۲) پوری تصدیق کرتے ہیں۔
 رواہ ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من روایۃ الخصال صالح السمانؒ

پھر علامہ سمہودی (۵۹۱۱) نے وفاء الوفا میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جلد ۲ ص ۱۴۸

روضہ النور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ حبيب خنور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر عافری دیتے تو یوں سلام عرض کرتے۔
 السلام علیک یا رسول اللہ۔

اور شیخین زبیر بن عوفؓ پر بھی یوں سلام پڑھتے۔

السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا ایتاہ

الباب الثاني وفيه خمسة فصول

الفصل الاول

مسلك خلفائے راشدینؓ

شان و رُودِ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت پیغمبر خاتم کی امدادیت شریفہ روضہ منورہ کی حیاتِ جہانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں۔ اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفاتِ البتہ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی زبانِ فیض تہ جہان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیاتِ البتہ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرتِ نبوت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شان و رُود دیکھئے :-

نزولِ وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوئی تھیں کہ اس دُنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلبِ منور پوری طرح عالمِ بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمامِ وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیتِ ملکی سے کیفیتِ بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلبِ مبارک پر نزول فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرتؐ پر جب اذاقتِ موت کا وعدہ الہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہؓ نے اس و رُودِ وفات کو

مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کار نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بتائیں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ۔

① — کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

② — ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پر وُردِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

③ — انہیں وُردِ موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت وُردِ موت اور آثارِ موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

④ — اس انکارِ موت کا منشاء وہی کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع، سلیم الحس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صفت میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکارِ موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اگر غلبہٴ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہ جاتیں۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نہایت شناس سے بالکل مغلوب الحال ہو جانے کی توقع بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا استدلال یہی ہے کہ ابھی کار نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں، خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں احتمال ہرگز نہ تھا۔ ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے۔ خود

لہ مامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یوت حتی یقتل المنافقین (ابن ابی شیبہ کافی القسطلانی)

فلیقطعن ایدی رجال وارجلہم ورجاری جلد ۱ ص ۵۱۷

فرماتے ہیں :-

والله ان كنت اظن انه صلى الله عليه وسلم سيبقى في امته حتى يشهد عليه

باخر اعمالها وان هو الذی سمعنی علی ان قلت ما قلت .

رواه البيهقي وراجع له نفسی . . . وكذلك جعلناكم امة وسطا .

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیکھتے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضور پر ورودِ موت کبھی ہونا ہی

نہ تھا، یعنی وہ حیاتِ بلاوفات کے قائل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکارِ وفات کی جو

وجہ حضرت فاروقِ اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے

ثانیاً حضرت فاروقِ اعظمؓ خود حافظِ قرآن تھے۔ انک میت و انہم میتون افان مات

او قتل وغیرہما من الآيات ان سے معنی نہ تھیں۔ پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ

تھا۔ ان کا علم و فہم بھی کچھ مشتبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذتِ موت کا وعدہ الہیہ پورا

ہوگا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں :-

باید دانست کہ قصہ دلالت می کند بر آن کہ فاروقؓ می دانست کہ موت بر آں

حضرت شدنی است۔ پس مخالف آیت انک میت و انہم میتون اعتقاد نہ

کردہ بود، لیکن گمان می کرد کہ آنچه واقع شدہ است موت نیست، بلکہ تعطیلِ تو اس

ظاہر است۔

ترجمہ معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ ورودِ موت آنحضرت

پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت انک میت الخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ

خیال کر رہے تھے کہ یہ عورتِ پیشِ افتادہ موت نہیں، بلکہ صرف آثارِ حیات

روک لیے گئے ہیں، یعنی تو کچھ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر تیسرا احتمال سامنے رکھتے کہ انہیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرینِ قیاس

نہیں۔ ماحولِ عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں سوالوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا، موت کی کیفیات بھی کچھ ان سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔ پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

تحقیق الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیتہً منتفی نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالمِ بزرگ میں انتقال ہو سکے اور پردہٴ قبر میں تشریف لے جاسکیں، حضرت فاروقِ اعظمؓ کی نگاہیں اس حیاتِ طلب تک پہنچ رہی تھیں، جو زیرِ پردہٴ مستور تھی و آخرتِ شہادت کا مقام کچھ کم منہج عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجودِ حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے سوالوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیشِ افتادہ اور حالتِ واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ بھی باقی ہے، پیشتر ازیں وہ آیتِ شریفہ *انک میت و انتم متیتون* کے پیش نظر آپ پر قرآنِ موت کا تتبع نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیشِ افتادہ اور کیفیتِ واقعہ ہی کو وفاتِ نبویؐ کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپ پر ورودِ وفات کی پیشگوئیوں یا امکان کا بیان تھا، ان کا منشاء اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرحِ صدر ہو گیا کہ ان آیاتِ شریفہ کا منشاء وفاتِ نبویؐ کے متعلق کیا ہے فرماتے ہیں کہ

ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا۔

”گو یا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں“

مقام عقد ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر اپنی معنوں میں ہوتا، جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرت فاروق اعظمؓ عاقل قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے۔

کاتی لعاقراً ہا الایومئذ۔

ترجمہ گو یا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاحب ہے کہ آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا وُرد کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جسد میت سے قرآن موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرآن موت سے تطبیق محال تھی، وہ ان قرآن کو غشی سمجھتے رہے۔ کیونکہ ان کے عاشیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے، جو عام طور پر معروف ہیں اور جس ہستی مقدس کو راز دار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، وُرد وفات سے متصادم نہ جانا تھا۔ اس وجود حیات اور وقوع وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا۔ اعلان فرمایا۔

فان محمداً قدمت

ترجمہ حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ ہی کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرآن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر وُرد وفات کے قائل ہو

گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

معنی قول اُد کانی لہ اسمعہا این است کہ استماع این آیت مائل گہ دانید اور ابہ
تتبع قرآن و پیش ازیں میلان باں نداشت

ترجمہ۔ آپ کے اس ارشاد ”گو یا کہ یہ آیت میں نے پہنچے سنی ہی نہ تھیں“ کا مطلب
یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرآن کی طرف متوجہ کر دیا کہ
یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے، اور پیش تر ازیں آپ
کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکارِ وفات کو عام جذبات
محبت پر محمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش افتادہ میں ان
حضرات کریمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا عنشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرآن سے اسے آیت
انک میت وانہم میتون سے متعلق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ
مختلف تھی۔ ورنہ اول و ثلثہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح آنے لگی جس طرح عام دوسرے انسان پر
آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ
وفات پر بھی آپ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کے عین حیات تھی آپ کی ایک
جدا قسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پر آپ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار
کرنا ہوگا۔ جو حضرت عمرؓ نے بالآخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح ورود وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت
قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا
ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

تنوعِ موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرام نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصاتِ لوفات سیدالکائنات

① — آپ کو آخری غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا۔ گرتہ تک جبہ اطہر سے نہ اتارا گیا۔

② — نمازِ جنازہ بھی عام امواتِ مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نمازِ جنازہ کی بجائے صرف صلواتِ سلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

③ — اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدِ حکمِ شریعت میں ہے، اس کے خلاف فریسا پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا اور کسی ایک صحابی نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

④ — پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیز مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائی آرام گاہ بنا دیا گیا اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔

⑤ — اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی اہلک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا۔ بلکہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

② — اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مہکونہ مجردوں کو تازلیت اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ کے اہلک سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضورؐ کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں۔
 ”ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحبِ علم کو اختلاف ہوگا۔“

تنوع موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعتِ مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟
 جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:-

النوم اخو الموت

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

۱۔ جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد ۱۸ ص ۱۸۳) یراجع حدیث النوم اخو الموت
 ۲۔ لا یموت اهل الجنة من الجامع الصغیر (تحیة الاسلام للشیخ الافرنجی) وكذلك فی
 کتاب الروح ص ۵۳ والتعلیقات علی النیراس ص ۳۲۳

اگر انبیاء اور غیر انبیاء میں "تنوع نیند" ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں "تنوع موت" کیسے ثابت نہ ہوگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
ان علی تنامان ولا ینام قلبی ۱؎

ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا :-

انا معاشر الانبیاء تنام اعمیتنا ولا تنام قلوبنا ۲؎

ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں، ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔

وكذلك الانبياء تنام عیناهم ولا تنام قلوبهم ۳؎

ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں دل نہیں سوتے۔

خاتم احمد ثین مرانا اسید اور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

عدم قنص الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء ۴؎

ترجمہ: سونے سے وضو نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

انبیاء کرام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی ان کے ادراکات جاری رہتے

ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے۔ نیند کی طرح

ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاء کرام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں۔

ردّ یا الانبیاء وحی (تر مذحک) اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا

فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں :-

کنا لا نوقظ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من منامہ اذا قام حتی یتیقظ ۵؎

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔

۱؎ ردّہ اشخان ۲؎ افعب ابن السعد کافی الخصاص ۳؎ بخاری ۴؎ عرف الثذی ۵؎ شیخ مسلم جلد ۱ ص ۲۴۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون ان کے ساتھ تھے جب عین منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی، حضرت یوشع نے فرمایا۔

لا اوقفہ۔^۱ میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں ان پر کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں کیوں ان کے لیے سبب حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی لکھتے ہیں:-

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لیتا چاہیے۔ کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے۔^۲

۱۔ سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا

کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی

ان عقائد کی روشنی میں غور فرمائیے کہ تنوعِ موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک چھوڑ کر احداث فی اللغۃ کے الزام سے رد کرنا کون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوعِ موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوعِ حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوعِ حیات سے تنوعِ موت کیسے لازم نہ آئے گا۔ علامہ راغب فرماتے ہیں:-

الحیاء تستعمل علی اوجہ^۳۔ لفظ حیات، کلام عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

اعتقاد الصديق لحيات الرفيق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفات شریفہ وارد ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ مقامِ منبر میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا :-

مامات رسول اللہ صلی علیہ وسلم۔

ترجمہ: آنحضرتؐ پر جو حالت وارد ہے، وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے :-

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میرے ضمیر کا بھی یہی فیصلہ تھا۔

حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے تو آپ نے حضور انورؐ کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی،

آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کر کے کہا :-

بالی انت وافی طبت حیا ومیتاً والذی نفسی بیدہ لا یدیک اللہ

الموتین ابداً۔

ترجمہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں

کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ

آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔

اما المیتۃ التي کتب اللہ علیک فقد متھا۔

ترجمہ: جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ

بات سُن لی تھی کہ آنحضرتؐ پر جو صورتِ حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

فكشفت عن وجهه ثم احسب عليه فقبلة وبكى ثم قال بابي انت واتي والله
لا يجمع الله عليك موتين اما الموتة التي كتبت عليها فقد متهما
ترجمہ: پس آپ نے حضور کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا،
اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ
پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ
آپ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر ہیں :-

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس خصوصیت
سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا امواتِ محضہ
کے لیے آتا ہے یا اس دعا و تصدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے؟

ثالثاً: یہاں جمع موتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم یہاں صرف تیسرے بحث
کی تفصیل کرتے ہیں۔

منفہوم موتین کی تعیین

لا يجمع الله عليك موتين (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے)، اس کی
شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ پس فکر و نظر سے ان کا جائزہ لیتا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیقی حضرت عمرؓ کی ترویج کے لیے تھا۔ کیونکہ اگر
اس صورت پیش کو موت نہ کہا جائے، تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی نہ آئے گی اور اس
طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوں گی۔ اس کے نئی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ

پر ورودِ وفات ثابت فرمایا۔

جو اباعرض ہے کہ حضرت صدیق اکبر کے اس ارشاد لا یجمع علیک موتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش افتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرتؐ پر پھر کبھی ورودِ وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضورؐ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورودِ موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورودِ موت ہو چکا ہے، تو اس پر یہ لزوم کیسے لایا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں آپ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتین۔ تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے، جو پہلے ورودِ موت کا قائل ہوا اور صورت پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں، تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کارفرما ہو سکتا ہے۔ اس جملہ بلیغیہ

مذہب بخاری کے ماشیہ پر علامہ کرمانی کا یہ قول بے شک لکھا ہے۔ قالہ ابو بکر رداً لما قالہ عمر (جلد ۱ ص ۱۶۶) لیکن جلد ۲ ص ۶۴ کے ماشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ ہی لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ جملہ مہمید میں آگیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیہ مہمید لرح مقالہ عمر۔ (ماشیہ بخاری ص ۱۵۶) محدث مہمید پر کلام کا اصل فیصلہ اسی جگہ ہے۔

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

اراد بالموتین الموت فی الدنيا والموت فی القبر وهما من تتان المعروفان
المشهورتان فلذلك ذکرهما بالتعریف وهما من تتان الواقعتان
لکل احد غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم
احیاء واما سائر الخلق فانہم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القيمة
ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حیوة وموتاً فلا بد من
ذوق الموتین لکل احد غیر الانبیاء علیہم السلام

ترجمہ۔ دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے،
اور یہ دونوں موتیں تعلیمات اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ
ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔
انبیاء کو اپنی قبور میں پھر دوسری موت نہیں آتی، بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں
ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں ورنہ موت ہوتا
ہے، اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے، اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب
یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں
ہیں پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

غائتہ الحفاظ ما نقلہ ابن حجر عسقلانیؒ من کنز حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب

کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حیاتہ فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر
حیاوا لا نبیاء احیاء فی قبورہم ولعل هذا هو المحکمۃ فی تعریف الموتین
حیث قال لا یدنیقک اللہ الموتین ای المعروفین المشہورین الواقعتین

جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اندر بحیاتِ کائناتِ اتمیہ در عالم برزخ و
بایں معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متبتعالا پوشیدہ نیست و
اس قول تند ما احسن اقوال است بل

ترجمہ۔ دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکر و نکیر کے سوالات کے
بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فیصلے کے مطابق ہے، وہ عالم
برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث
وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ معنی نہیں اور ارشادِ صدیقی کا یہ معنی
ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح ہے۔

مراد آنست کہ نبی میرد بموت دیگرہ در قبر بچو دیگرال کہ زندہ گردانیدہ می شود
برائے سوال باز میرانیدہ می شود و ظاہر آنست کہ موت دیگرہ نیست بروئے و بعد
از جریان سنت الہی بر اذات موت و زندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی
و مستمر خواهد بود و ممات بر آن طاری نخواہد شد۔ پس اس سخن اشارہ است
بحیات آن حضرت۔

ترجمہ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح
آپؐ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عالم لوگوں
کو قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ درودِ موت
ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذتِ وفات چکھنے
اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپؐ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپؐ پر پھر کبھی طریاں
موت نہ ہو گا۔ اس ارشادِ عالی میں حضرت ابو بکرؓ کا اشارہ مسئلہ حیاتِ الہی کی طرف ہی تھا

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام ڈراکٹن اور دوسرے اکابر محدثین نے موتِ ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالاً عقلاً اور نقلاً صورتِ حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لایمجمع اللہ علیک موتین کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ موتِ ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، اقبیاء پر ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربانِ اوفاتِ الینیٰ کا اعلان بعد میں فرمایا۔ پہلے حیات بعد الوفات پر اشدہ فرمادیا، تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیاتِ ثانیہ کی نفی لازم نہ کر لی جائے۔ مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہلسنت کی طرف سے منکرینِ حیاتِ قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں :-

والاحسن ان یقال ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم لایعقبہا موت بل یتم
حیا والانبیاء احياء فی قبورہم۔

ترجمہ: بہترین جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ موت چکھنے کے بعد حضور انورؐ کی حیات ایسی ہے کہ پھر اس پر بھی موت نہ آئے گی اور پھر دہمئی طور پر انبیاء کی طرح اپنے روضہ میں فائزِ حیات رہیں گے۔

غور فرمائیے! حضرت ابو بکرؓ کی بصیرت اور فطرت نبوت کی مزاج شناسی کہاں تک پرواز کر رہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپ نے ایک جملے میں بیان فرمادی اور کس شان سے آپ کے یہ حیات بعد الوفات کا اثبات فرمایا۔ جامعیت، شان اور بلاغت بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو گوزے میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلامِ عرب میں شاید ہی کہیں ملے۔

وردِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر قربان جائیے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا، جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات کی حیات کا اثبات نہیں فرمادیا۔

تنبیہ

پیش نظر ہے کہ "لا یذیقک اللہ الموتین ابدًا" کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دوسرے اجلہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی توہمیت قرار نہیں دیا، بلکہ اُسے پورے اہلسنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنۃ ہے:

ومذہب اہل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیوۃ وموتًا فلا بد من ذوق الموتین لکل احد غیر الاتبیاء۔

ترجمہ: پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیاء کے کرام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ "مد حیوۃ فی القبر" کے منکرین اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔

قد تمسک بہ من انکر للحیوۃ فی القبر واجیب عن اہل السنۃ...
ان حیوۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیًا۔

ترجمہ: حیوۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطیہ صدیقیؒ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں، ان کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں، انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اعتقادِ فاروقِ الاعظم لِحیاتِ النبی الخاتم

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا۔ اب حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے۔ پہلے اس اصولی مسئلے کو پیش نظر رکھئے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ
(پ: ۲۶، حجرات)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے اور آپ کے سامنے
بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ
ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضورؐ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو۔ جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے
سے چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ آپ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیے۔ مبادا بے ادبی
ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ. (پ: ۲۶، حجرات)

ترجمہ۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے
دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کر لیا ہے۔

اکابرِ اہلسنت اور جمہورِ منسربین کا اجماع ہے کہ درودِ وفات کے بعد بھی حکمِ قرآنی روضۃ اطہر
کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے۔ مسجدِ نبویؐ کی حدود میں شرعی ضروریات کے
علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔
 حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:-
 آنحضرتؐ حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبویؐ کی حدود
 میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔
 قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-
 بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ زمی عرض کرے اور جس کا
 سلام کہتا ہو، عرض کرے۔ یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک۔

حضرت فاروق عظیم کا اعتقاد

عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فخصبني رجل فنظرت
 الیه فاذا عمر بن الخطابؓ فقال اذهب فاتنی لہذین فوجنتہ بہما فقال من
 انتما ومن این انما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد
 لا وجعتكما ترغمان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
 ترجمہ۔ سائب بن یزید کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے ٹکڑی ماری
 کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا، "جاء اور ان دونوں شخصوں کو
 میرے پاس لے آؤ،" میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے ان سے پوچھا،
 "تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟" انہوں نے کہا، "ہم اہل طائف میں
 سے ہیں۔" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، "اگر تم اہل مدینہ میں سے سوتے تو میں تمہیں
 سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (جس کے سامنے آپ کو
 روضہ منورہ سے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔"

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ
 اظہر ہے۔ جس طرح آپ کی اس دینی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا، اسی طرح آپ
 کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جب
 عنبری سے زندہ ہیں۔ مدد مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ "اصل" ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں
 پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس
 کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل
 کو منشاء نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً، علمائے ثقافت اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان آداب میں ذکر کرتے آئے ہیں
 جو حضور کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن مالک الامام و عن من الأئمة الاعلام۔
 ثالثاً، اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت محض تشریف مسجد
 کے لیے ہوگی، حکم نکیر براہ راست اس اصناف سے متعلق نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظم نکیر
 ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ پس اس میں تاویل مذکور یقیناً، صرف عن الظاہر، ہوگی اور ظاہر ہے
 کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں، صرف عن الظاہر، درست نہیں ہوتا۔

رابعاً، حضرت فاروق اعظم نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی، بلکہ اس اصناف ہی کو
 دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرمادی
 ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربار رسالت نص قرآن اور
 واضح تعامل کے پیش نظر ضروریہ درجہ اختیار کہ چکا تھا کہ اسے معرض دلیل میں لائے بغیر ہی منشاء نکیر
 کے طور پر بیان کیا جاسکے۔

خامساً، محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابل اخلال عن المسجد تو ہو سکتا ہے (فعلہ عبد اللہ
 بن مسعود کما رواہ الدارمی فی سننہ) لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے

کسی نے نہیں کیا، ہاں آداب رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابل سزا رہا ہے اور یہاں ایجاب کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم واحکم فی کل باب۔

اگر حضرت عمر فاروقؓ کے اہل عقاد میں حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود نہ سُن رہے ہوتے تو حضرت فاروقؓ اعظمؓ حضور اکرمؐ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ حدود مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابل سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مددک الاصوات سمجھتے تھے۔ پیش نظر ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابل اعتماد ہے۔

مزید تائید

قد روی عن ابی بکر الصدیقؓ قال لا یبغی رفع الصوت علی بنی حیا ولا میتاً وروی عن عائشةؓ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتدو والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبة بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتسل الیہم لا توذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا وما وعمل علی بن ابی طالبؓ مصریحی دارہ الا بالمناصع لہ توقیاً لذلک ہکذا رواہ الحسنی فی اخبار المدینة وهذا معایدل علی انہم کانوا یرون انہ صحی لہ

ترجمہ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب کبھی ان گھروں میں جو مسجد نبوی سے متصل تھے، کسی منیخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علیؓ

نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بنوائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو اذیت نہ دے) ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلے جو کام آپ کرتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی سب دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

اول کارے کہ عمر ابتداء کہ سلام پیغمبر بود، صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمانؓ کا اعتقاد

ہیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:-
روا ندارم کہ از دارالہجرت خود مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم۔

ترجمہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دارالہجرت کو چھوڑ جاؤں اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضور اکرمؐ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں حبید اطہر محض بے حس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی، تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسولؐ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) ۲۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

ان معاویۃ لما ودعه عثمان جین عزم علی الخروج الی الشام عرض علیہ ان
یرحل معہ الی الشام فانہم قوم کثیرۃ طاعتہم للامراء فقال لا
اختار بجوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواہ

ترجمہ حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع
کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں
وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حضورؐ کے ہوا
دہسائیگی پر اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس مجوزہ دوری کو قبر رسول سے دوری نہیں کہا۔ خود ذات رسالت دوری قرار دیا
ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔
یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے حضورؐ نے فتح مکہ کے
باوجود اپنے دارالہجرت کو نہیں چھوڑا حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے۔ آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے
اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دارالہجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ کی یہ بتائی کہ میں
حضورؐ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسول میں نہ رہتے
اس سے پتہ چلا کہ جوار رسول یہیں ہے ہر جگہ نہیں اور عاشقان رسول وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں
جہاں جمال جہاں آرا رہ وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہو وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت
عثمانؓ نے جوار رسول سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین سپرد کی اب اگلے جہاں میں (عالم برزخ میں) آپ
بدستور جوار رسول میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبد خضرد سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ حکماً آپ
بھی اپنے پیشروں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسول میں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؑ کا اعتقاد

حضرت علیؑ فرماتے ہیں :-

من زار قبر رسول الله كان في جوار رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: جو حضورؐ کے روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو، وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضور انورؐ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے مفارق اور بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خصوصیت کے ساتھ قرب روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسولؐ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا :-

مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضور انورؐ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے

کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ حضورؐ زندہ ہیں بلکہ

علماء کرام نے حضرت علیؑ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے :-

اذ هو حي في قبره يصلیٰ فیہ

حضرت علیؑ کے اس عمل کی بناء یہی تھی کہ حضور اکرمؐ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

وما عمل علی ابن ابی طالب مصرامی دارہ الا بالمناصع توقیاً للذکر

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؑ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنانے

تاکہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضورؐ کو اذیت نہ ہو۔

عہ محل بالمدينة كان متبر من النساء ليدقبل تحت الكنف وهي ناحية بئر ابي ايوب. (زرقانی جلد ۸ ص ۳۴۳)

عہ جذب تلوذ منشا کہ وعظ اميلىع جمارى الاولى ۳۰ ھ ۳۰ زرقانی جلد ۸ ص ۳۴۳ کے شمارہ مستام ص ۳۴۳

علامہ ازیں حافظ عبد اللہ مصباح الظلام میں حضرت علی المرتضیٰؑ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی حضور اقدسؐ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی :-

یا رسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا، ہم نے آپ سے سُن لیا اور جو کچھ آپ نے خُذ سے یاد کیا، ہم نے آپ سے یاد کر لیا، آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے :-

لَوْ أَن تَمَّ إِذ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (پ ۵ : النساء)

ترجمہ۔ اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دُعا کے معافی کرتے، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔
روضہ منورہ سے آواز آئی :-

اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔

حضرت علیؑ کی یہی روایت علامہ ابو حیان اندلسی البحر المحیط جلد ۱ ص ۲۸۳ مصر میں، علامہ سمہودی مظاہر الوفا میں (خلاصۃ الزفراء ص ۵ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ ص ۱۲۵ میں نقل فرماتے ہیں۔ حضرت علیؑ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہ کرنا، ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ :-

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت حضور اکرمؐ کی سہانگی میں ہے۔

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے پس اسناد کا متصل نہ ہونا اور روایت میں کلام ہونا مفسر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف

تنبیہ

اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جاء وک (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرتؐ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور ان کے حضور میں پھر دعائے استغفار کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ جاء وک کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جاسکتا ہے۔

وراجع له شرح المسلك المقسط للملا علی القاری ص ۲۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامة الحفاجی المصری جلد ۳ ص ۲۹۸

والزیر قافی جلد ۸ ص ۲۹۹، ص ۳۰۶ مصر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

نعتہ نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ حجاز کے واسطے کافی ہے۔

مع فتح القدیر جلد ۲ ص ۳۳۴ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتو صل بك الى الله فح ان اموت مسلماً علی ملتک و سنتک و یذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق انتہی قلت و كذلك فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجع له تجده کافیا فی کل باب شافیا من کل اریاب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ لہ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۰۰

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں "جاؤ لو" (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤ لو فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول
 لوحدوا الله تو آبا رحیماء کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود
 باوجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی
 خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا، جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔
 حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:-

مواہب میں بسند امام ابوالمنصور صباح اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی
 نے محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے
 بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ
 نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: ولو انهم اذ ظلموا
 انفسهم جاؤ لو فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوحدوا الله تو آبا
 رحیماء میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب
 کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوں آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے
 ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ ھ میں ہوئی ہے اور غرض نہ مانہ
 خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نیکر منقول نہیں پس محبت ہو گیا۔
 فثبت ان حکم الآية باق بعد وفاته صلی الله علیہ وسلم۔
 ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی
 باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ ماقظان کثیر^{۲۴} اپنی تفسیر (جلد ۳ ص ۱۳۲ مصر) میں شیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ ص ۳۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔
 شیخ عبدالحق محدث دہلوی^{۲۵} فرماتے ہیں :-

جميع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، اس حکایت را آوردہ
 دستمسان نمودہ و بسیارے ازائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت اس کردہ۔
 ترجمہ چاروں مذاہبوں کے علماء نے، جنہوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں، اس
 حکایت کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی
 اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؑ سے منقول ہو، اختصار کے
 باعث محمد بن حرب سے اُرد پر کی سند حذف ہو گئی ہو اور "اعتماد علی محمد بن حرب" کے سبب اس
 کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے
 لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

تیسرا فصل

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

علامہ سبکیؒ نقل فرماتے ہیں :-

روی عن عائشہؓ انہا كانت تسمع صوت الوتد يوقد والمسمار يضرب في بعض
الدور المطنة بمسجد رسول الله ﷺ فتوسل اليهم لا تؤذوا رسول الله صلى
الله عليه وسلم.

وكذلك في شرح العلامة الزرقاني جلد ۸ ص ۳۰۴ مصر.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھر میں سے جو مسجد نبویؐ سے متصل تھے کسی میخ یا
کیل لگانے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضورؐ کو (اس
آواز سے) اذیت نہ دو۔

عن عائشہؓ قال كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله صلى الله عليه
وسلم واني واضع ثوبي واقول انما هو زوجي وابي فلما دفن عمر معهم فوالله
ما دخلت الا وانا مشدودة على ثيابي حياء من عمر بن واہ احمد.

رجال اسناد احمد رجال صحيح. (تقيق الرواة جلد ۳ ص ۳۲۳ مطبع انصاری)
ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تھے، چادر کھلے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند
اور میرے والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم،

میں وہاں پر دے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔

دیکھئے! حضرت عائشہؓ کیوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی، جس

میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن میت مدفون تھا، بلکہ یوں فرما رہی ہیں :-

”جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے“

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذات مدفون محض بے حس و

بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر کہتا ہی ہو، تو

محکم طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی گنجائش نہیں۔ فقط روح اقدس کے لیے تو فقط ”رسول اللہ کے اطلاق

کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق باریب صحیح ہے۔

لیکن فقط بدن، جس میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں۔ اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاق رسول قطعاً

نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ حضور انورؐ کو آپ کے روحہ اقدس میں زندہ یقین

کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماع موتی سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا استثناء ہے۔

بلکہ روایت بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پر دے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر و حیا

اور پر دے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح

قبور شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں، پر دے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصود

وجود باطل ہو کہ نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصود وجود ضائع

نہیں فرماتے۔ ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عادت

الناس سے پر دے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذات مدفون سے پر دے میں لانا نہیں ہوتا۔

اگر ایسا ہو تو فہمنا ہوتا ہے۔ پس اگر ذات مدفون کو پردہ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر

والے اسے عادتہ نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی اور ہونے والے کو پردے میں لانا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

عاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عاشرہ پر یوں لکھا ہے :-

اوضح دلیل علی حیات المیت وعلیٰ انه ینبغی احتتام القبور عند زیارۃ
مہما ممکن لا سیمما الصالحون بان ینکون فی غایۃ الحیاء والتأدب بظاہرہ
باطنہ۔

ترجمہ۔ یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام
جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صاحبین کی قبور کے سامنے بہت ادب
و حیا ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ اور آپ کے تو اس کے
روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان
کے تو اس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ والی مدینہ تھے تو ایک
دفعہ آنحضرتؐ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت
گھبرائے یہاں تک کہ :-

جاء سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب و عرف الناس انہم قدم
جذہ عمر بن الخطاب۔

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا
حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبدِ خضریٰ کے مکتبہ کی دیوار سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز تہ کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اور سچی روحانی اثر ان اڑنے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرقِ عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی حاصل ہونے سے ادھر کی نگاہ اُدھر نہ جاسکے اور دنیا کی آنکھ احوالِ برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخِ علوی دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کرے۔ دسویں صدی کے مجددِ محدث شہیر طاعلی قاریؒ (۱۰۱۲ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں:-

ثم من آداب الزيارة ما قالوا من انه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل راسه لانه انقب لبصر الميت بخلاف الاول لانه يكون مقابل بصره. ^۱
ترجمہ: قبروں کے آدابِ زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے۔ کیونکہ اس طرح کرامت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے حاصل نہ ہو اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرقِ عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھادیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھادیں تو یہ مٹی کی عادت ہے

کہ جب یہ حائل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصل فقہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر مقصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائر کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہوگی اور دائریت کو بالکل شکا دکھائی دیتا ہوگا۔ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لقیح کے باسیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔ یہ بات مانی جاسکتی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبد خضریٰ کے مکینوں کے مابین مٹی کی دیوڑھے حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادری سے بھی گزر جانی چاہیے جس سے حضرت ام المؤمنینؓ نے روضہ اطہر پر عاصری کے وقت پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المؤمنینؓ کا روضہ انور میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضورؐ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضرات شیخین کریمینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

فيه اوضح دليل على حياة الميت وعلى انه ينبغي احترام الميت عند زيارته
مهما امكن لا سيما الصالحون بان يكون في غاية الحياء والتادب بظاهره
وباطنه۔

ترجمہ: اس میں حیات میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارت قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا۔ ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیا و مہربانی سے آئے۔

بتایئے یہ احترام میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جا رہا ہے

یا زندہ۔ اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیات میت کی روشنی دلیل نہیں کہا؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابو معاوية عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمرؓ انہ کان اراد ان ینخرج فدخل المسجد فصلى ثم اتى قبر النبی فقال السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا ابا بكر، السلام عليك يا اباہ ثم ياخذ وجهه وكان اذا قدم من سفر فيعمل ذلك قبل ان يدخل منزله.

اخرجه عبد الرزاق ايضا بسند صحيح. (وفاء الوفاء للسهمي جلد ۲ ص ۲۸۴)
ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر دو منہ انور پر حاضر ہوتے اور السلام عليك يا رسول الله، يا ابا بكر، اور السلام عليك اے ابا جان! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو محترم لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ و سلام عرض کرتے۔

عبدالرحمن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدم سے آرد، اول بقر شریف می رسید می گفت، السلام عليك يا رسول الله!

وراجع له الموطا للامام محمد ص ۳۹۶

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا صیغہ ظاہر ہے :

السلام عليك يا رسول الله۔۔۔ وغیر ذلك۔

البتہ شرح شرعہ الاسلام میں جو ترکی احناف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی فقہی سرمایہ

ہے۔ یوں بھی مرقوم ہے :-

يقول الصلوٰۃ والسلام عليك يا رسول الله.

عن نافع كان ابن عمر يسلم على القبر رأيتہ فی الیوم مائة مرة واكثر
یحیی الی القبر فیقول السلام علیک ۛ

ترجمہ حضرت نافعؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے دیکھا۔ وہ روضہ اطہر پر سلام
عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ، بلکہ اس سے بھی زائد
بار بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہؐ پڑھتے دیکھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغہ سلام کے نکلے ہیں :-

السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ۔ السلام علیک
یا حبیب اللہ ۛ

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضہ اطہر پر حاضر فرمادیں گے۔ حضرت

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

ولیاتین قبری حتی یسلم علی ولا یردن علیہ رواہ الحاکم وصححہ ۛ
ترجمہ حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی
اس کا جواب دوں گا۔

مسند ابی علی جلد ۶ ص ۱۱۱ میں یہ حدیث بدیں الفاظ مروی ہے :-

والذی نفس ابی القاسم یدہ لی نزلن عیسیٰ ابن مریم اماماً مقسطاً

حکماً عدلاً... ثم لمن قام علی قبری فقال یا حمتہ لاجبتہ۔

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی

اعلیٰ علیین والی۔ یہ آپؐ سوچیں یا محمدؐ کے الفاظ روایت بالمعنی ہوں گے کیونکہ حضورؐ اسے روایت

کر رہے ہیں۔

روضہ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضورؐ مدوٰۃ مسجد کے قریب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرز ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضورؐ روضہ مطہرہ پر بھی خود نہیں سنتے، تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظ موہمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ و سلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔
علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :-

قد اختار جماعة من العلماء کیفیات فی الصلوٰۃ. ومقتضی کلام ائمتنا
المنع من ذلك الا فيما ورد عنه صلى الله عليه وسلم على من اختاره الفقيه.

ترجمہ علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہے۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے کہ ماسوائے ماثرہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موہمہ سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ فقہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

پس اگر حضورؐ اپنے روضہ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود نہ سنتے ہوتے تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب و بعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر توارثِ تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس عینہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا توجیہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مؤنثین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین کو اس عینہ خطاب سے مخاطب کیا جا رہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لمپیٹ میں لیے ہوئے ہیں معین فرد واحد کو خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔
فافہم و تفکر۔

حضرت ابویوب انصاریؓ

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان يوماً فوجد رجلاً واضعاً وجهه على
العتبر فاخذ برقبته وقال اندرى ما صنعت قال نعم فاقبل عليه فاذا هو
ابو ايوب الانصاري فقال جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ات
المحرم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تبكوا على الدين اذا
وليد اهلته ولكن ابكوا عليه اذا اوليه غير اهله

اخرجه الحاكم وقال صحيح الاسناد جلد ۴ ص ۵۱۵ واقرب عليه الذهب فقال صحيح

ترجمہ۔ ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روئے انور پر منہ رکھے ہوئے
دیکھا اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا ”جاتا ہے کہ تو کیا کر رہا
ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت
ابو ایوب انصاریؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ”میں رسول اللہ کے پاس آیا ہوں، پتھروں
کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین

لہ رواہ احمد ایضاً بسند حسن قال حدثنا عبد الملك بن عمرو حدثنا كثير بن زيد عن
داؤد بن الحجاج صالح قال..... الخ قال المهيثي رواه احمد والطبراني في الكبير
والاوسط وفيه كثير بن زيد وثقة جماعة وضعفه النسائي (كافي كتاب الضعفاء و
المتروكين للامام النسائي) وغيره ورواه يحيى بن الحسين بن جعفر الحسيني في اخبار المدينة
حدثني عمر بن خالد حدثنا ابونباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله قال السبكي
وابونباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لاضيف فان احمد
رواه عن عبد الملك بن عمرو وهو ثقة عن كثير بن زيد وقد حكم السبكي
بوثيقه (كذافي وفاء الوفاء جلد ۴ ص ۴۲۲)

پر روزِ نماز جب اس کے والی اُس کے اہل ہوں۔ بلکہ اس وقت روزِ نماز کی دین
کی ولایت غیر اہل ہاتھوں میں آجاتے۔

پیش نظر ہے کہ یہ مقام فقط اپنی حضرات کا ہے، جنہیں انکشاف ہو رہا ہو اور وہ قبر سے
نہیں، صاحبِ قبر سے معروفِ نیاز ہوں۔ پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقامِ انکشاف کے بغیر
روضاتِ عالیہ یا قبورِ شریفہ سے لپٹے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں۔ اس حدیث میں کوئی دلیل
اور حجت نہیں۔ ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے، وہ قطعاً
ناجائز ہے۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی حضورؐ کی خدمت میں یہ عارضی بتاتی ہے کہ ان کا ملین کے لیے
کس طرح بزغی پورے اٹھے ہوئے تھے حضرت ابوالیوب انصاریؒ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے
تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے بزغی مقام کا شعلہ نور گئی پر شکوہ پیرائے میں پورے فوجی گھمب کو منور کر گیا
علامہ بخاریؒ (۲۴۸۲) لکھتے ہیں۔

و دفنوه لیلاً فصد من قبره نور الی السماء و رای ذلك من کان بالقریب من ذلك الموضع۔

ترجمہ: مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا مگر آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور
وہ اور پر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابوالیوب انصاریؒ کی حیاتِ بزغی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پر کھل گئی تھی۔

خلاصہ البیان

یہ کہ آنحضرتؐ کے ارشاداتِ عالیہ، خلفائے راشدینؓ کے عقائدِ قدسیہ، ام المؤمنینؓ
کے عملِ فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدر
مشترک یہ ہے کہ حضور انورؐ اپنے روضہ المہر میں فائزِ اہمیت ہیں اور قریبِ عرض کئے گئے صلوة و سلام
کو خود سنتے ہیں، اعمادِ بیستِ خمسہ اور خلفائے رجبہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالکِ اربعہ ملاحظہ کیجئے۔

مذہبِ اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذہبِ اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضورؐ کی حیات بعد الوفا پر چاروں متفق ہیں۔ کیوں کہ اہل السنۃ و الجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں۔ مسئلہ حیات النبیؐ میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرے پر پیٹ فارم ترتیب دے سکتا تھا۔ لیکن مسئلہ حیات النبیؐ کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے بے بیسیوں اختلافات کے باوجود اس میں سب موافق ہیں۔ ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ اور العلوم دیوبند کا یہ ۱۳۰۵ھ کا مفصل فتوے یہاں ہدیہ قارئین ہے۔ غور فرمائیں کہ پنجاب کے مہتممی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت علمی قوت اور استدلالی شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینی میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہمنوا نہ ہو اور یہ بدعتی ٹولہ صرف پنجاب میں خداوند انتشار کے سہارے ایک اختلافی مسلک بنائے بیٹھا ہو۔

الفصل الثانی

مذہب اربعہ در حیات نبویہ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں آپ
روضہ اطہر کے پاس ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المؤمنین ابو جعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام
مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین! تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو،
کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد وہی ہے، جو حالت حیات
میں تھا، سو ابو جعفر دب گیا۔

(و كذلك في وفاة الوفاة جلد ۲ ص ۴۲۳ طبع مصر)

نقل عن الامام مالك انه كان يكره ان يقول رجل خارت قبر النبي قال
ابن رشد من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموقى وهو صلى الله
عليه وسلم احياء الله تعالى بعد موته حياه تامه واستمرت تلك الحيوه
وهي مستمرة في المستقبل وليس هذا خاصة به صلى الله عليه وسلم
بل يشاركه الانبياء فهو حي بالحياه الكامله مع الاستغناء عن العذاء
الحسى الدينوى. (و كذا في وفاة الوفاة جلد ۲ ص ۴۱۳، ص ۴۱۴ مصر)

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبی (جلد ۵ ص ۲۶۵) امام ابو حنیفہ اندلسی (سیر المحیط جلد ۱ ص ۲۸۳)، علامہ ابن السراج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جبرہ و غیر ہم من الکبار نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

شوافع

شوافع میں سے امام بیہقی اور امام سیوطی نے حیاتِ انبیاء کے عزان پر مستقل تصانیف سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ طیبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالی اور علامہ سبکی نے بھی اپنی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلکِ اہلسنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ جمیع اکابر شافعیہ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اپنے روضہ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے اور وہی حسب اطہر فائزہ حیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قزوینی (شافعی المسلک) کا تفرّد اس میں تو ہے کہ وہ انبیاء کے کرام کے استقرارِ قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبور شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور طہارہ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجسادِ کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیاء کے کرام کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیاتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیاتِ جسمانی پر بہ صورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا مدحیات فی البترہ پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرّد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکی الشافعی طبقاتِ شافعیہ میں لکھتے ہیں :-

عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى نحس ويعلم وتعرض عليه اعمال

الامة وبلغ الصلوة والسلام

ترجمہ ہم شافعیہ کے نزدیک حضورؐ زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے
آپ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔
علامہ یوسف اردوبیلی الشافعی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں۔
ويخاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان

الانبياء احياء في قبورهم يصلون ويجنون كما ورد

خاتبہ

خاتبہ میں سے حافظ ابن قیمؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضورؐ اپنے روزِ اظہر کے قریب عرض کئے گئے
صلوٰۃ و سلام کو خود بڑا واسطہ بنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر۔ باحوالہ بقید صفحہ و مطبع آپ کے سامنے آ
چکی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قال ابن عقيل من الخاتبة هو صلى الله عليه وسلم حتى في قبره يصلي
ترجمہ۔ خاتبہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضورؐ انہی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حقیقہ کرامت

① علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصابِ تعلیم میں داخل ہے
ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حتى ينشق مجتمع بجميع

۱۔ طبقات شافعیہ جلد ۲۲ ص ۲۸۲ ۲۔ کتاب الانوار جلد ۲ ص ۴ ص ۴۴۰ الودیۃ البہیۃ ص ۱۳
۳۔ مسالک الزجر میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رتبہ، تحقیقاً اور قبولاً باقی سب مسالک پر فائق و
مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی اور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے
ہو میں کم پائے جلتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

الملاذ والعبادات غیرانہ اعجب عن ابصار القاصون عن شریف المقامات۔
 ترجمہ محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انورؐ زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی
 ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان
 نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

② مراقی الفلاح میں ہے۔

ینبغی لمن قصد زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوة علیہ
 فانہ لیسمعہا و یتلغ الیہ۔

ترجمہ۔ جو شخص حضور اکرمؐ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے
 درود عرض کرے۔ کیونکہ آپ اُسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ
 کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

③ طحاوی میں ہے۔

(فانہ لیسمعہا) ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم (و یتلغ الیہ)
 ای ینلغہا الملک اذا کان المصلی بعیداً۔

ترجمہ۔ آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا
 رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ

علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو
 اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق نہ کرتے چلے جاتے
 ہر کسی مقام پر اُسے نشانہ ضعف کیا جاتا۔ جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے۔ تو اس
 یقین سے چاہہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انورؐ اپنے روضہ اطہر میں جسمانی طور پر

فانزالحیات ہیں اور قریب عرض کئے گئے صلوة وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

④ محقق علی الاطلاق امام ابن البہائم (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں :-

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته

..... وذلك انه عليه السلام فح القبر الشريف المكرم على شفته

اليمين مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذلك في الروضة الشريفة عقب

الصلوة وعند القبر وبجته في خروج الدمع فانه من امارات القبول

وينبغي ان يتصدق بشي على حيوان النبي ثم ينصرف متباكيا متعصرا

على الفراق المحضرة النبوية والقرب منها..... ثم يسئل النبي الشفاعة

فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة يا رسول الله..... الخ

ترجمہ۔ تم حضور الود کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ

عرض کرو..... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کر دے قبلہ

کی طرف رخ کئے ہوتے ہیں، روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس

پھر کثرت سے دعا کرے اور اسنو آجانے کی حد تک زاری کرے کیونکہ یہ قبولیت

کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کسے

پھر رہتا ہو آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس

ہو..... پھر حضور الود سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ

میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

⑤ علامہ ابن عابدین شامی :-

امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی

وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچانا ہے۔ کیونکہ آنحضرت کو یہ حق قیادت اور قیام بامورد العاہدہ کی بناء

پر پہنچتا تھا اور اب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں، بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفیہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد شرعاً نہیں۔ پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقہً نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقہً باقی ہے۔ یعنی حضور اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں :-

افاد فی الدر المنقح انه خلاف الاجماع قلت وما نسب الی الامام الاشعری
امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان
والمصرح فی كتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه
لان الانبياء عليهم الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء فی قبورهم وقد افام
النكير علی افتراء ذلك ابو القاسم القشیری

ترجمہ۔ در منقح میں ہے کہ حضور کی رسالت آپ کی وفات شریفیہ کے بعد اب بھی حقیقہً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہلسنت امام اشعری کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے، وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ آپ کی وفات شریفیہ کے بعد رسالت کا حقیقہً باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفیہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

ان المنع هنا لان مقام الشرط وهو ما عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه
الحديث واما عدم موت الوارث بناء علی ان الانبياء احياء فی قبورهم
كما ورد فی الحديث

① علامہ عینی ۴۰۰

انکسر لا یوقن فی قبورہم بل ہم احياء۔

ترجمہ یقیناً انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔

② امام ملا علی قاری ۴۰۰

ان الانبياء احياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم۔

ترجمہ بے شک انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

المعتقد المعتمد انه صلى الله عليه وسلم حي في قبره كما ان الانبياء في قبورهم

وهم احياء عند ربهم وان لا ادوا سمع تعلقا بالعالم العلوي والسفلي كما

كانوا في الحال الدنوي۔

ترجمہ عقیدہ میں پُر پُر استقامت ہے، وہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں

اور اسی طرح تمام انبیاءؑ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم

علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے اور ایسا ہی تعلق انہیں اس دنیا

میں بھی حاصل تھا۔

اکابر فرقة اہل حدیث

اہلسنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقة اہل حدیث ہیں۔ ان کے اکابر کی تقریبات

بھی دیکھئے۔

① قاضی شوکانی مینی ۴۰۰

روحہ صلى الله عليه وسلم لا تغار قلنا صح ان الانبياء احياء في قبورهم۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰ مرقاۃ جلد ۲ ص ۲۰۰ شرح اشعار للعلی القاری جلد ۱ ص ۴۲۰ مرقاۃ جلد ۱ ص ۱۰۰

ترجمہ حضور انور کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

انہی فی قبرہ وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله

صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته۔^۱

ترجمہ حضور اکرم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔

② شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی :-

والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين

على الاطلاق وانہی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیاة الشہداء

المنصوص علیہا فی التذیل اذا هو فضل منہم بلا دیب وانہ یسمع من سلیم علیہ۔^۲

ترجمہ ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرم کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے

اور یہ کہ آپ اپنی قبر شریفہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی

حیات سے، جو قرآن پاک میں منحوس ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپ ان سے

بلا ریب افضل ہیں اور آپ اپنے روحہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام

کو خود سنتے ہیں۔

③ نواب صدیق حسن خاں :-

حدیث "من صلى على عند قبري سمعته" (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اُسے

عہ آپ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب

نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں صرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس

میں ان تمام الزامات کی تردید ہے جو اس طبقہ سے منسوب کئے جاتے ہیں آپ متلد سے غیر متلد نہ تھے۔

۱۔ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۱۱۔ ۲۔ اتحاف النبلاء ص ۱۵ مطبوعہ کانپور

میں خود سنتا ہوں، کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: اسنادہ جیدہ

حجج الکرامۃ ص ۲۸۵ میں واقعہ ترہ نقل فرمایا ہے کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں حجرہ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا۔ مدفنہ الطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں:-

ابن جوزیؒ بسند متصل تا سعید بن المسیب لایا ہے کہ سعید نے ایسا فرمایا۔

④ حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دُور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

⑤ مولانا وحید الزماں حیدرآبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب

اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔ جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے..... وہ مرنے کے بعد بھی جب حکم الہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت فیوض پہنچتے ہیں..... اگر مردوں میں عموماً احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا کیا لکڑی پتھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے کا دیا۔ اس کا وہی قائل نہ ہوگا جو نادان ہے۔

⑥ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) شارح سنن ابی داؤد

ان الانبیاء فی قبورہم احياء مثلاً انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، اور حدیث مامن احد یسلم علی الارواح اللہ علی روحی کے تحت لکھتے ہیں:-

والقول الصیح ان هذا من زاره ومن بعد عنه تبلغه الملائكة سلامہ

عہ و سنائی تفصیلہ و راجع لہ ص ۲۸۵ من هذا الكتاب لہ الدلیل الطالب ص ۸۲۲ ع حجج الکرامۃ ص ۲۸۵

تہ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۵۵ ضمیمہ کہ تیسرے بار کی کتاب الدعوات جلد ۶ ص ۹۸ ع عون المعبود ص ۵

④ التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے۔

انہما احیاء فی قبورہم یصلون وقد قال النبیؐ من صلی علی عند قبری سمعته

ومن صلی علی نائماً بلغته۔ (التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۳۴)

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضورؐ

نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور

جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ جلد ۱ ص ۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی جلد ۱ ص ۱۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیاتِ قبریہ

کے حیاتِ جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان

ہے) منقول ہے اور مولف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

⑤ مولانا فضل الرحمن بری پوری

کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں قبر شریف میں۔ اور اہل حدیث کا یہی عقیدہ ہے۔

⑥ مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان

عالم برزخ میں خصوصیتِ نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود و سلام زائر

کا سنتے ہیں اور دور سے صلوة و سلام پہنچایا جاتا ہے۔

⑦ مولانا ثناء اللہ امرتسری

آپ میت کی حیات فی القبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں۔

فرشتے میت کو بجاتے ہیں۔ یعادہ روحہ بھی ہے۔

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعت اہل حدیث میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب

سعودی عرب کے منبلی علماء جو گو مقلد ہیں مگر اہل حدیث حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے

گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا موقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے۔

اب علمائے نجد کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علمائے نجد کا عقیدہ

- ① شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں ص ۱۰ پر استخفاف النبلاء المتعین کے حوالے سے پڑھ آتے ہیں۔
- ② علامہ نجدی شیخ محمد بن عبداللطیف من آل الشیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے ص ۱۰ پر ملاحظہ کیجئے ہیں کہ مدآپ اپنی قبر میں زندہ ہیں بزعمی زندگی کے ساتھ۔
- ③ ہم معتقد رکھتے ہیں کہ رُتبه حضور انور کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیاتِ بزخیمہ سے زندہ ہیں جو کہ حیاتِ شہداء سے کمال و افضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔
- ④ پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبدالحمید الخطیب فرماتے ہیں ..

کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا حرام ہے ؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اسلاف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ غلط مطلق کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت اور نغ وہابی کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلہ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔

اس قصیدہ مہمیت کا پہلا شعر یہ ہے ۔

علیک سلام اللہ یا سید الوردی

ومن قدرہ عند الہ عظیم

یہ پورا قصیدہ ”تختہ للحبیب“ علامہ مذکور نے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر خود پڑھا۔

لہ الہدیۃ السنیہ والتحفۃ الوبابیۃ النجدیہ ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر۔ دیا چہ رسالہ اسمی الرسالات ص ۱۰۰

عقائد متکلمین در حیات النبیین

علم کلام کے مشہور امام علامہ تورشہبیؒ فرماتے ہیں :-
 صلوات و برکات چنداں کہ فہم از او پر شود و اندیشہ در دم گردد از سر پر وہ
 کبریا کے اونٹار رواں پاک و کالبہ زندہ ساکن مدینہ
 پھر اہلسنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 و ازاں جملہ اسست کہ بدانند کہ کالبہ وے رازین نخورد و بوسیدہ نشود
 و چوں زمین از وے شکافتہ شود کالبہ وے بجاں خود باشد و حشر وے و جملہ
 انبیاء جنیں باشند و حدیثی درست است کہ ان حرم علی الارض اجساد
 الانبیاء — ہم احياء فی قبور ہم یصلون — و اول ہم پیغمبر مبارک خیزد
 از گور — دانستن این ہمہ کہ یاد کردیم ہمہ است بے

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

① ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العبر حی یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال
 الامۃ و اللہ تعالیٰ خلق ملتکة سیاحین یبلغون الیہ الصلوٰۃ من امتہ بے
 ترجمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں
 برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے
 فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوة
 و سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

② عندہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ بے

اشاعرہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام ابو منصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہلسنت میں تھے۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سنہ کا ذکر رکھتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

(۳) قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حتی بعد وفاته۔

ترجمہ۔ امام ابو منصور بغدادیؒ نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب عقیدتیں متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

خلفائے راشدینؓ مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے۔ لیکن اہل سنت والجماعتہ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

زمرۃ الفصل عقائد علمائے دیوبند اور المہند

مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے هجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو لپٹا لیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف معتزلہ وغیرہ اٹھے تو یہ متکلمین اسلام ہیں جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودھویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آرا ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز بدایوں کے ہوا۔ پھر ربیلی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خان ۱۲۴۲ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے۔ اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل سنت والجماعتہ (علمائے دیوبند) پھر اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ المہند ان کے انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات انبیؑ پوری صراحت سے موجود ہے۔

الفصل الرابع

شواہد الحیات من بیان الوقعات

واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ سناخہ یزید کے عہد حکومت میں پیش آیا۔ منطالیم کہ بلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونخیزی سے رنگی گئی۔ یزید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرام اور اکثر تابعین کرام تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیسے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

وحرہ هذا ارض بظاہر المدينة لها حجارة سود كثيرة۔^۱

ترجمہ۔ حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبوی میں حضرت سعید بن مسیب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن مسیب بڑے علیل القدر تابعی تھے، ان کے عظمت شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا، جن کی آنکھیں آنحضرت کی دولت دیدار سے بارہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام طبری، ابن سعد، ابو نعیم، زبیر بن بکر اور علامہ ابن الجوزی روایت کرتے ہیں کہ

حضرت سعید بن المسیبؓ نے ارشاد فرمایا۔

اذاحانت الصلوة اسمع اذانا يخرج من قبل القبر الشريف لا يأتي
وقت الصلوة الا وسعت الاذان من القبر ثم اقيمت الصلوة فتقدمت
فصليت وما في المسجد احد غیری۔

ترجمہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سُنتا تھا، پھر اقامت
بھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا
اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القمل البدیع میں نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن
خال صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیبؓ لایا ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وقتیہ سماع سعید بن المسیبؓ ایام وقوعہ قرہ اذان از حجرہ شریفہ تاسہ روز
کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند۔

ترجمہ۔ آیام قرہ میں سعید بن المسیبؓ کے حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے
کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری
میں ایک قبر پر خمیہ گاڑ دیا۔ اس سے سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی جی کہ اس
نے تمام سورۃ شتم کی۔ صحابہؓ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، تو

آپ نے فرمایا :-

هي المانعة المتنجية وتنجية من عذاب القبر.

ترجمہ: یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

اسے امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ حکیم الامت حضرت محقق دہلویؒ نے بھی انکشاف ص ۴۴ پر نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم واحکم فی کل تاب۔

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ قرہ کو ”واقعہ حال“ کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول اور ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے آئے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید نور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :-

ان كثيرا من الاعمال ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدار
وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

ترجمہ: بے شک سے بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے کہ داری کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ قرہ) اور ترمذیؒ کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نور الدین شہید محمود بن زنگیؒ (۱۱۵۷ھ)

سلطان نور الدین شہید (شاہ مصر) نے ایک رات سردار انبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ ”بلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو“ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آ رہا ہے۔ سلطان مذکور نے اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف

چلن پڑے اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔^{۱۰}

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیزگار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے،
روضہ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سُرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ حیدر اطہر کو وہاں سے
منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔

جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابرو باراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا
زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں
اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر ملعون فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ
شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری بنا دی تاکہ حیدر اطہر تک پھر کسی رسائی
نہ ہو سکے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

اس قصہ را جمیع مورخان مدینہ منورہ و مثل شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین
فیردز آبادی و غیر ایشان از علمائے اعلام ذکر کرده اند و تصحیح نمودہ۔^{۱۱}

قلت و كذلك في خلاصة الوقاء باخبار دارالمصطفى ص ۱۶۱ و انق الشیخ

السهمودی بالسناد والاعتقاد۔

تتمہٴ الفصل

عجب طبری ریاض النقرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں :-
رواقص حلب کی جماعت دالی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مخالطیا) بہت سی رشوت اور

لاپچ دے کہ اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجۃ شریعہ تک بار یا بی دے (تاکہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسادِ مطہرہ کر کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے، گولنے کے آلات اور شمع لے کر "باب السلام" پر آگئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس سٹون کے قریب ہی تھی جو حضرت عثمانؓ کے ایندہ کردہ حنفی مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔ والی مدینہ، جو بد مذہب اور منافق تھا، انجام کار کا منتظر تھا اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پورے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا، کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے کہا، امیر خود جا کر دیکھ لیں، ان کے دھسنے کے آثار اور ان کے کپڑوں کے نشان

ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

انہ دھسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کی قبر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اٹھا کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جاسکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگر یہ "روضۃ من ریاض الجنۃ" کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجۃ شریعہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ یہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی، تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا، ان ملعونین کے جو حصے دھسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۱۶ مطبوعہ لکھنؤ دیکھئے۔ — وراجع لہ کتاب الاستنصار

للفاضل السہنالی القاضی۔

طبری نسبت اس حکایت بہ ثقات مے کند کہ بہ صدق و دیانت مشہور اند و بعضی مورخان
مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔

ارشادات نبوت، خلفائے راشدین کے نظریات قدسیہ، ام المؤمنینؓ اور صحابہ کرام کے بیانات
عالیہ، مذاہب اربعہ کی تعریحات، مشکلمین کرامؓ کے فیصلے اور شواہد واقعات کے بعد دیگرے آپ نے
ملاحظہ فرمائیے۔ تاریخ اسلامی کے ان مختلف ادوار میں حیات اہلبیاء کا سلسلہ اس کثرت سے بیان
ہوتا رہا کہ ان تمام نقل کا استقصاء اور دلائل کا احصاء قریب قریب ناممکن ہے۔ ہاں یہ حقیقت
لفظ سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ سلسلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک
مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اہلسنت کے کسی نفعی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سرموجی
تجاوز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ و اکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیانِ امت میں
سے کسی کا اس پر نیکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرام کی حیات برزخیہ
کے جسمانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہل حق اہلسنت کا تاریخِ ملت کے ہر دور میں
اجماع رہا ہے۔

شہاداتِ اجماع

① محدث کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذہ خاتمہ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔

نحن نوؤمن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یزوق فی قبرہ ان جسدہ
الشریف لا تأکلہ الارض والا جماع علی ہذہ۔

ترجمہ۔ ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تقدیر کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں
زندہ ہیں، آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی،
اور اس عقیدے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

② شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ۔

ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة وموتاً فلا بد من ذوق
الموتين لكل احد غير الانبياءؑ

ترجمہ۔ پورے اہلسنت وجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت
یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے
انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔

③ علامہ محقق محمد عبدالسندیؒ استاذ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ۔

اما هم (ای الانبياء) فحياتهم لا شك فيها وخلاف احد من العلماء في ذلك....
فهو صلى الله عليه وسلم حي على الدوامؑ

ترجمہ۔ انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے
اشکاف ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

④ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔

حیات متفق علیہ است، بیچ کس را دروے خلافی نیستؑ

ترجمہ۔ حضور انورؐ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہل حق میں) کسی کا اختلاف نہیں۔

⑤ نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ۔

”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں“ یہ مسئلہ متفق ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں

کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔

لہ عینی علی البخاری جلد ۷ ص ۶۱۰ ۶۱۱ رسالہ مدنیہ ص ۱۴۱ ۱۴۲ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۶۱۱ ۶۱۲ مظاہر حق جلد ۱ ص ۲۲۵ ۲۲۶ عن ابن
امت نے آنحضرتؐ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے
جو اس دنیا میں تھا، یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لازم وہاں ثابت ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا
مغزوم ان نظروں میں بیان فرماتے ہیں ”انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھنا سوں“ لطائف قاسمیہ ص ۳

① قلب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ
قبر کے پاس..... انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں ہے

جب جمع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر وفدِ اطہر کی

حیاتِ جسمانی کا انکار

آخر کن کا مذہب ہے؟

① شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

من انكر الحیوة فی القبر وهم المعتزلة ومن عا نھوهم واجلب اهل السنة
عن ذلك۔

ترجمہ۔ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے
ہم عقیدہ ہیں، اہلسنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

② حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیاتِ اہل سنت میں
سے نہیں ہیں۔

قد تمسك به من انكر الحیوة فی القبر واجیب عن اهل السنة..... ان
حیوۃہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعبقہا موت بل یستمر حیاً۔

ترجمہ منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلسنت کی طرف سے
ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور
آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ۱۵ پر نقل اور تسلیم کیا ہے۔

۱۵ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۷۷ عینی علی البخاری جلد ۱۵ ص ۱۷۷ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۲ مصر

الفصل السابع

وفیہ اربعۃ من المباحث

مبحث اول

حیات فی القبر

مجمع اہل السنۃ و الجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں رہا جہاں بدن میت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں، پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو "دخول روح در جسد" سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق "التصال روح بجد" سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال و جواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اُسے "موت فی القبر" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے، کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح و حیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر، یہ تو سوال و جواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر، لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی "حیات فی القبر" روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ "اعادۃ روح بجد" کے ساتھ خواہ "التصال روح بجد" کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن

کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ امانت جتنی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں سوادِ اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادۂ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصالِ روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کے حاصل ہے، براہِ راست ہمارا موضوع نہیں۔ ہاں، یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت شناسی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”حیات فی القبر“ کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادۂ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصالِ روح یا تاثیرِ روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادۂ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصالِ روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔

آئیے؛ چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادۂ روح سے قائم ہوتی ہے، یا اتصالِ روح۔

حضرت براہ بن عاذبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے ارشاد فرمایا:

فتقاد روحه في جسده فياتہ ملکان فی جلسانہ فيقولان له من ربك
الحديث رواه احمد .^{۱۷}

ترجمہ پس اس مرتے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے
اس کے سامنے آتے ہیں پس اُسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے .

والحديث صحيح . (تقيق الرواة جلد ۱ ص ۳۴)

ما نظر ابن قیّم فرماتے ہیں :-

سواء الامام احمد و ابو داؤد و روى النسائي وابن ماجه اوله و رواه ابو عوانة
الاسفرائيني في صحيحه و ذهب الى القول بموجب هذا الحديث جميع اهل
السنة والحديث من سائر الطوائف .^{۱۸}

النص الصحيح الصريح وهو قوله صلى الله عليه وسلم « فتقاد روحه
في جسده .^{۱۹}

فالحديث صحيح لا شك فيه .^{۲۰}

رواه احمد محتج بهم في الصحيح والحديث حسنة المنذرى ورواه ايضا
ابو داؤد والحاكم وابن ابى شيبة وابن منده و ابو نعيم و ابو عوانة الاسفرائيني
في صحيحه من طرق صحيحة والبيهقي وقال هذا حديث صحيح لاسناد .^{۲۱}

ابن منده کی پوری روایت ما نظر ابن قیّم نے کتاب الروح ص ۵۶ تامہ نقل کی ہے۔ اس میں
یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائک سے فرماتے ہیں :-

عد و اروح عبدك الى الارض فاني وعدتهم ان ارحم فيها .^{۲۲}

ترجمہ میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو کہ میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں
پھر زمین میں لوٹاؤں گا .

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجدین سے تعلق قائم کر کے وہاں سے ہو کر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

هذا حديث ثابت مشهور ومستفيض صحيحه جماعة من الحفاظ ولا
نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل ردوه في كتبهم و تلقوه
بالقول وجعلوه اصلا عن اصول الدين .

ترجمہ۔ یہ حدیث ثابت ہے، مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری
جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض
نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کو
اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثاني

رد الاشتباہات فی تحقیق الروات

حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد :-

قال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی واما حدیث البراء رواه المنہال بن عمرو
عن زاذان عن البراء و حدیث مشہور رواه عن المنہال الجمر العفیر و
رواه عن البراء عدی بن ثابت و محمد بن عقبہ و غیرہما و رواه
عن زاذان عطاء بن السائب قال و هو حدیث اجمع رواة الاثر علی شہرتہ
و استفاصتہ و قال الحافظ ابو عبد اللہ بن منذہ هذا الحدیث اسنادہ متصل

مشہور رواہ جماعة عن البراء . (شرح حدیث المنزول ص ۲۱۰ الحافظ ابن تیمیہ)
حافظ ابن قیم کا ایک اور حوالہ :-

وهو حدیث صحیحہ جماعة من الحفاظ

اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ الجمعیہ لابن قیم ص ۲۱۰

امام احمد کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ :-

اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ "فتاویٰ روحہ فی جسدہ" کے قطعہ روایت

میں منفرد ہے۔ ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے "لیس بالقوی"۔

جو ابابعرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ امام

عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزم چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث

ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی اور منہال بن عمرو کو

ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواۃ میں ہے :-

وفي اسناد الحدیث منہال بن عمرو وثقہ ابن معین والعجلی وقد تكلم

ابن حزم في المنہال ولا نيلتفت لكلام بن حزم بعد احتجاج الشيخين به و

لما رأى ابن حزم حدیث المنہال راد علی معتقدہ فی انكار عذاب

الاجساد فی قبرها طعن فيه و طعنہ مردود والحدیث صحیح بہ

ترجمہ :- اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے، اسے امام یحییٰ بن معین اور عجلیؒ

ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزم نے اس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے

کیونکہ حدیث کے دو بڑے امام اسے حجت مان رہے ہیں۔ ابن حزم چونکہ عذاب قبر

کے جہانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے

انہوں نے اس پر جرح کر دی، حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے

ماظ ابن قیّم لکھتے ہیں۔

فالمہمال احد الثقات العدل قال ابن معین المہمال ثقہ وقال العجلی کوفی ثقہ واعظم ما قیل فیہ انه سمع من بیته صوت عناء و هذا لا یوجب القدح فی روایتہ و اطراح حدیثہ وتضعیف ابن حزم لہ لاشیء فانہ لم یدکر موجبا لتضعیفہ غیر تفرد بقولہ فتعاد روحہ فی جسدہ وقد بینا انہ لم یتفرد بہا بل رواہا غیرہ قدروی ما ہو ابلغ منہا۔

ترجمہ: مہمال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ جو ان پر اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے گاتے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے ہی مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا ترکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں موجب قدر نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشیء ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت برادر بن عازبؓ سے اس حدیث کو داذان نقل کر رہے ہیں اور اس کا سماع حضرت برادرؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزم کو کلام ہے۔

جو ابان گذارش ہے کہ مافظ ابو عوانہ اسفرائینی نے زاذان کنندی کا حضرت برادرؓ سے صیغہ سماع

نقل کیا ہے۔ پس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

ماظ ابن قیّم لکھتے ہیں۔

هذه العلة باطلة فان اباعوانة الاسفرائني رواه في صحيحه باسناده
قال عن ابن عمرو وذاذان الكندي قال سمعت البراء

ترجمہ یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابو عوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی
سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔
تفرد ذاذان کے متعلق فرماتے ہیں:-

فالحديث لا شك فيه صحيح وقد رواه عن البراء بن عازب جماعة غير
ذاذان منهم عدی بن ثابت و محمد بن عقبه و مجاهد

ترجمہ پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براء سے اسے
ذاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت
محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توشیح ذاذان کے متعلق ملاحظہ ہو:-

امام یحییٰ بن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں خطیب^۴
اور عجبلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی توشیح کی ہے (تہذیب لہتہذیب جلد ۳ ص ۴۰۳)
علامہ عزیزی اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ (السراج المنیر جلد ۱ ص ۵۱۴ مصر)
حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

وذاذان من الثقات روی عن اصاب الصحابة كعروفيہ وسوى
له مسلم في صحيحه قال يحيى بن معين ثقة قال حميد بن هلال
وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثل هؤلاء

ترجمہ ذاذان ثقہ راویوں میں سے ہے۔ اس نے حضرت عمرؓ سے اکابر صحابہ سے
روایات لیں ہیں۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحییٰ بن معین

اسے ثقہ کہتے ہیں جمید بن ہلال سے زاذان کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا، ایسے ذمہ دار دار لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث

اعادۂ روح کے متعلق مشکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب میں "اعادۂ روح" کے قائل ہیں، لیکن مشکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادۂ روح کے قائل نہیں، بلکہ انصال روح سے بدن مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:-

لس المراد بالحي ههنا ما يعاد فيه الروح ويصدر عنه الافعال الاختيارية
بل ما لم يدرك الالذة والذلة فاذا خلق الله فيه ادراكا...
حيالا جمادا.

ترجمہ: اس جگہ سے "حی" سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں، بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ المومذ لذت کا ادراک کر سکے۔ اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کئے جاتے ہیں:-

① — میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے پس عذابِ قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہلسنت و اجماع کا ہے۔

② — میت قبر میں جمادِ محض ہے پس عذابِ قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ و روافض کا مسلک ہے۔

③ — میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت ”جو بعضہم تعذیب غیر الحی“ میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے اس پر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں، جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو۔ پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ اُم و لذت کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہوگی، جمادِ محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ ”حیاتِ میت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس ”صورتِ عذابِ قبر کو تم تجویز کر رہے ہو، اسے بھی حیاتِ قبر لازم آرہی ہے۔ ہاں اس صورتِ حیات میں اعادہ روح لازم نہیں۔ چنانچہ ”بنا براس علی شرح العقائد“ میں ایسے جواب پر لکھا ہے۔

هذاجواب اشکال اوں ده المعتزلہ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یدون
فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰؑ

ترجمہ۔ یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا، معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا ”وہ نہیں حکمیں گے وہاں کوئی اور موت، انکے لیے تو وہی موت ہے جو آپکی

یہ صورتِ جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادۂ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیثِ برابر بن عاذب کی رو سے خبر واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادۂ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جاسکتا تھا۔ ہاں عذابِ قبر کی روایات چونکہ حد تو اتارے تک پہنچ رہی تھیں، اور ان کی رو سے میتِ مدفون کے لیے لذت و الم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہاں اسے ہی حیاتِ میت ثابت کرنے کے لیے ایک ذریعہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصراب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے میت میں پھر روح نہ لوٹنے کو، کیا تحقیقِ واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک لازمی شکلِ جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسک وہی ہے جو محدثین کا تھا؟ شرحِ نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے :-

وعندی فی هذا الجواب بحث و هو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة
بان الروح تعاد فی الجسد عن السؤال فالجواب بانكار الاعادة غیر مرجح
وقد اجاب المشائخ عن هذه الآية بوجوه^۱

ترجمہ میرے نزدیک یہ جواب محلِ نظر ہے۔ اس لیے کہ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹانی جاتی ہے۔ پس اعادۂ روح کا انکار کہے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں۔ معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔

سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح ان البدن اذا
المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانكره الجمهور
مبتدأ

و كذلك السؤال للروح بلا بدن قاله ابن ميسرة وابن حزم ولو كان كذلك
لم يكن للقبور بالروح اختصاص.

هذا قول منكر عند عامة اهل السنة والجماعة.

واذا قبضت الروح عرج بها الى الله في اذنى زمان ثم تقاد الى البدن
فتسأل وهي في البدن.

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں "حیات فی القبر"

کا حکمی ہونا ردِ افض کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ جی یہی
ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ
ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورتِ جواب ہے، وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے۔
جب جملہ اموات کے لیے اعادۂ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کس دلیل کی بناء
پر استثنیٰ کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکی فرماتے ہیں:-

و عود الروح الى البدن فی سائر الموتی فضلا عن الشهداء فضلا

عن الانبياء وانما النظر فی استمرارها فی البدن.

ترجمہ: روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے شہداء اور
انبیاء پر تو بدرجہ اولیٰ اس کا تحقق ہوگا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن
میں دائماً رہے گی یا پھر یہ تعلق ٹوٹے گا۔

شرح حدیث النزول للحافظ ابن تیمیہ ص ۵۱۵ ایضاً ص ۵۱۶ ایضاً ص ۵۱۷ ایضاً ص ۵۱۸ ایضاً ص ۵۱۹

عہ اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال و جواب روح اور بدن کے مجموعے سے متعلق ہیں۔ علامہ صدر الدین
الحنفی نے اس کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجئے:-

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب

مفردہ عن البدن و متصلہ بہ۔ (شرح عقیدۃ الطحاوی ص ۲۳۳)

احادیث شریفہ میں "حیات فی القبر" کے لیے اعادہ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے یا بدن میں ادراک المم ولذات کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں:-

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح
الی البدن وقت السؤال۔

ترجمہ۔ احادیث الصحیحہ متواترہ بتا رہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں
لوٹائی جاتی ہے۔

قطع می کنم بعو د حیات مرہرہتیت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ۔

اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو

اختلاف نہیں اور عملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادہ روح

کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں۔ عود روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی

مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام کے لیے یہ مفارقت قطعاً

ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح

انبیاء کے لیے اس عدم مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ قافیہ و تدبیر۔

المبحث الرابع

اعادہ روح اور اتصالِ روح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادہ روح تو احادیث صحیحہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ میں ارواحِ قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورتِ زیر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے، کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ قدسیہ بھی پھر معرض مفارقت میں آجاتی ہیں؟ اہل سنت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصالِ روح کا موقف اثباتِ حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی و روانی ہے اور اس صورتِ کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیاتِ عنصری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورتِ کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصالِ روح کا موقف کسی نصِ صریح پر مبنی نہیں بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا۔ کچھ بعض مقامات پر ارواحِ قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی اپنی قبورِ شریفیہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سُننے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا۔ اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدانِ مطہرہ کو ارواحِ قدسیہ کا مستقر قرار دے کہ اعلیٰ علیین سے ایک قومی تعلق پیدا کریں۔ اور منتقل ہو کہ ارواحِ قدسیہ کو وہاں مان کہ ابدانِ مدفونہ سے ایک قومی علاقہ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صحیحہ پر مبنی تھا اور اتصالِ روح کا موقف علمائے کبار نے محض تطبیق میں روایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار

کیا تھا۔ بہت ہی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی عند قبر کے سمعته و
من صلی علی ناساً بلغته فكيف التطبیق؟ قلنا وجه التطبیق ان
مقرا ارواح المؤمنین فی علیین او فی السماء السابقه و نحو
ذلك كما مر و مقرا ارواح الكفار فی سبعین ومع ذلك لكل روح
منها اتصال بجسده فی قبره لا یدرك كنهه الا الله تعالیٰ وبذلك
الاتصال یصح ان یرض علی الانسان المجموع المركب من الجسد
والروح مقعدہ من الجنة او النار و یحس اللذة و الا لعلو یرسم
سلام الزائر له

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر
درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور دُور کا پڑھائیے پہنچا یا جاتا ہے (اور
یہ بھی سابقاً گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دونوں مضمونوں میں
تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مؤمنین کا مقبرہ علیین یا ساتویں آسمان
ہی میں ہے۔ اسی طرح ارواح کفار مقامِ سجن میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق
کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور
ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ہاں جس کے جسد
کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملت
قبر روح و جسد کے مجموعے سے ہوتے ہیں اور الم و لذت کا ادراک اسی طرح واقع
ہوتا ہے۔

پس جب اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصالِ روح کا موقف من

حیث الاستدلال اجتہادی ہے۔ تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیاتِ عنصری سببانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصالِ روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثین اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورتِ کیفیت حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیث صحیحہ صحیحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پرے بھی دنیائے بارہم دیکھے ہیں ہم پہلے بہت سے ایسے واقعات پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے اپنے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ان کے ابدان مبارک کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:-

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفا تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام سے ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ بعض دوسرے اجسادِ کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان اہل حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

انبیاء کرام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اُس کے ادراکات

① — جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستان اُعدا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہدائے اعدا اپنی اصل حالت پر بالکل تروتازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُعد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

② — بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزامیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا۔

السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہاں سے جواب آیا :-

علینا وعلیکم السلام ورجعتہ اللہ۔

③ — حضرت عمرو بن جوح انصاریؓ بھی شہدائے اُعد میں سے تھے۔ جب سیلاب نے اُن کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کئے گئے ہیں۔ جنگِ اُعد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا :-

فوجد الم یتغیرا کانہما مانا بالامس وكان احدہما قد جرح فوضع یدہ

علی جرحہ فدفن وهو كذلك فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت

کما کانت یدہ

ترجمہ پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا کہ وہ ابھی کسی ہی قوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر تھپوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آگیا جہاں کہ تھا۔

④ — حضرت خدیجہؓ اور حضرت عبدالشہین جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفیہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے اعظم میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریبان جنازوں میں شامل ہوئے۔ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء انہم احياء یذقون وان
الحیاء فیہم متعلقۃ بالجسد۔

ترجمہ: شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی، اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی محفل عن الافعال ہیں۔ پردہ بزرخ اس ادراک لطیف میں حاصل ہوتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جب کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں، تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اس عالم کے بہت سے حالات مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

مسک ارجمند از اکابر دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علی

حیات الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیات النبی کے باب میں ہم اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسک دیوبند سے کیا مراد ہے ؟ معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر، کابانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسک ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر اپنی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے ما انا علیہ واصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آئے تھے دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسک عمل کا نام نہ تھا، بلکہ سلف صالحین، اہل تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرز امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلسنت والجماعت اور فروعاً میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسک عمل پر تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں مسک فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا اور اس سے کسی کا اختلاف نہ تھا۔

اپانک اوپر سے تاریخ اور جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اد اہل سنت میں ان

بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے جہاز پہنچ گئے۔ تاکہ علمائے حرمین سے اس پر

دستخط لینے میں کامیاب ہو سکیں۔ ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بدلے مفہوم سے پیش کی جا سکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے "موضوعات زیر بحث" اکابر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہلسنت پر جانچنے کی کوشش کی۔

اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار کی قلمبند کر دیئے۔ اور اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں۔ فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہند، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرمادیں اور فقط اعتماد نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:-

رأيت الاجوبة كلها فوجدتها حقة صحيحة.

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔

ان عقائد پر پھر مکہ منظم، مدینہ منورہ جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار جن میں کہ احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں اور یہ "المہند"، نامی دستاویز عقائد علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوئی۔

اس منزل سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح معین اور مشخص صورت میں سامنے آ گیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علمائے حق کی صدائے بازگشت تھی۔

دیوبندیت کے مناظرہ تحریر میں آنے کے بعد اب یہ امکان نہ رہا کہ کوئی شخص علمائے دیوبند کی طرف کسی ایسے عقیدے کو منسوب کرے، جو اکابر کی اس اجتماعی مسلکی دستاویز کے خلاف ہو اور نہ ہی یہ امکان باقی رہا کہ کوئی منسوب بہ دارالعلوم افکار و آراء کے باہمی اختلاف میں اس مرکزی دستاویز سے کچھ تجاوز کر سکے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اکابر دیوبند کے مسلک پر بھی کہے اور عقائد بھی اس کے اس "مرکزی مسلکی دستاویز" کے خلاف ہوں اور نہ صرف خلاف بلکہ اس کا رد و ابطال اس کے نزدیک جڑ و تبلیغِ توحید ہو، تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کذب و دجل اور دھوکہ و فریب آخر کس بلا کا نام ہے عقل و قرد سے کھیلنے کا یہ خوف ناک منظر ہم نے آنکھوں دیکھا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مرکزی مسلکی دستاویز کے علاوہ اور دوسرے مسائل میں اختلاف خواہ وہ تعبیرات و ترجیحات میں ہو یا فقہی جزئیات میں، ترجیحات کے باب میں ہو تنظیمات عمل میں، اصل دیوبندیت کو ہرگز مشتبہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ دیوبندیت اکابر دیوبند میں سے کسی ایک شخصیت کا نام نہیں اور نہ دیوبندیت کا معیار اکابر میں سے کسی ایک بزرگ کی تقلید شخصی ہے بلکہ مسلکِ دیوبند کا مرکزی نقطہ "المہند علی المنہد" ہے جسے وقت کے تمام اکابر دیوبند اجتماعاً آئینہ دیوبندیت قرار دے چکے ہوئے ہیں۔

مسائل حدیث میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ کے اختلافات ترجیحات اہل علم سے مخفی نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت تھانویؒ کے مختلف مواقف عمل سے کون واقف نہیں۔ اور مختلف علمائے دیوبند کے مختلف نظریات بلکہ تفردات کس دور میں نہیں رہے۔ اکابر کی علمی تحقیقات کے ناپید اکٹار سمندر اور تصنیفات کے ضخیم دقاتر اس حقیقتِ حال کے پر زور ترجمان ہیں کہ اکابر دیوبند افکارِ بشرییت اور اسرارِ کتاب و سنت کی تعلیم و تفہیم میں ہمیشہ دقیق النظر اور عمیق الفکر اور سلف صالحین کے متبع رہے ہیں اور انہوں نے اپنی روایتی وسیع النظری کو کبھی گروہی تعصب یا دھڑے بندی کی تدریج سے نہیں دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

افکار و آراء کے ان اختلافات میں کبھی ایک طبقے نے دوسرے کی دیوبندیت کو چیلنج نہیں کیا

نہ اسے اس پہلو سے کسی شے کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کبھی سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلک دیوبند سے
 ہٹ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات ان ابواب میں ہے جو مسلک
 دیوبند کی مرکزی مسلکی دستاویزہ "المہند علی المفند" سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے مسلک دیوبند
 کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا معین ہوئے، وہ بلا ریب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند"
 ہی ہے۔ مسلک دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہوتیں۔ ہاں باعتبار کیفیت
 یعنی قوت و ضعف کے مختلف بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مسئلہ حیات، النبی کا مدار اگر صرف "آب حیات" پر ہوتا تو اس سے اختلاف مسلک
 دیوبند سے خروج نہ تھا، اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نانو توئی
 کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسلک عمل کے بانی تھے۔ بلکہ حضرت نانو توئی اور حضرت گنگوہی نے دارالعلوم
 دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ سلف صالحین اہلسنت کی اعتقاد اور عملاً کامل اتباع ہی تھی۔ ان
 اکابر سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف یہ صورت فکر تو پیش کر سکتا تھا کہ جانب مخالف اہل سنت
 سے خروج ہے۔ یا یہ اختلاف حدود اہل سنت میں بھی سمو سکتا ہے، لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی
 تھی کہ یہ مسلک دیوبند سے خروج ہے یا نہیں، اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نانو توئی یا حضرت گنگوہی
 کی تقلید شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسئلہ حیات النبی میں مسلک
 دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں، بلکہ "المہند" کی اجماعی مسلکی دستاویزہ ہے۔ پس اس سے
 اختلاف یقیناً مسلک دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے، ورنہ ان تمام اکابر کی
 تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے "المہند" کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا اور ان تمام بزرگوں کی بھی
 تجہیل ہوتی ہے، جو اسے دوسروں کے سامنے اسے دیوبندی مسلک فکر کے ترجمان کی صورت میں
 پیش کرتے رہے۔

مسئلہ زیر بحث میں مسلک دیوبند تو "المہند" سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم

اکابر دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تصریحات بھی تائیداً پیش خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

مرثومین

① — بحوالہ العالمین، مرکز دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار التشریح

حضرت مولانا شیخ محمد قاسم نانوتوی الصدیقی انارٹھربھانہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک کتاب ”ہدیۃ الشیعہ“ تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں :-

رسول اللہؐ بلکہ تمام انبیاءؑ بالیقین قبر میں زندہ ہیں، تو اس صورت میں آپ کی ہلک زائل ہونے ہی نہیں پائی، جو دار ثول کی ملک اس کے قائم مقام ہو، بلکہ جیسے ہم تم

عہ ہدیۃ الشیعہ اور ہدیۃ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں۔ اول الذکر حضرت نانوتویؒ کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہیؒ کی مولانا نانوتویؒ کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہیؒ کی ہی تحریر پر لکھی گئی تھی یہ آپ حیات سے بہت پہلے کی تصنیف ہے حضرت مولانا نانوتویؒ آپ حیات میں لکھتے ہیں :-

ارشاد حضرت مجتہد علم و عمل جامع کمالات عیانی و دینیہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب

علیحدہ ارشد حضرت پیر و مرشد امام اللہ فیوضہ باعث تحریر اصل رسالہ یعنی ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔

(آب حیات ص ۵ مطبع مجتہدانی)

ہدیۃ الشیعہ میں حیات البنی کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتویؒ کی افتاد طبع قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے نذر پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کو اس سے بالکل تعلق قرار دیتے ہیں، حق یہ ہے کہ ہدیۃ الشیعہ (حیات البنی کے بیان پر حضرت نانوتویؒ کی پہلی تصنیف) کے محرک ہی حضرت گنگوہیؒ تھے۔ فافہم و تدبر۔

کہیں چلے جائیں یا چندے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور سہارے لواحق وغیرہ سہاری اشیاء کو برتن
اور اس سے سہاری ملک ذائل نہیں ہوتی اور برتنے والے یا وارث مالک نہیں بن جاتے
یہی ہی رسول اللہ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے
مالک ہیں، کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقہ جو ابو بکر صدیقؓ
سے مروی ہے۔ اس حدیث کی لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات
ہیں، پیشیہ نہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔

پھر نالوتوی لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں۔

انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔

اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ

لہ بیتہ الشیعہ ۲۲۸ از حضرت نالوتویؒ لطائف قاسمیہ ص ۷۷ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویؒ اور علماء دیوبند جو آنحضرتؐ
کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات برزخی اسی دنیا والے
جہد اطہر سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمیع الوجہ دنیاوی حیات ہے جب حضرت نالوتویؒ حیات دنیاوی کے مفہوم اور
اس کی حدود کو خود واضح فرما رہے ہیں کہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیاوی کا اطلاق محض ابدان
دنیاوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ وہی ہے کہ اس حیات دنیاوی کے ابطال کے لیے ان آیات
اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطلوب و محبوب نہ ہونے کا بیان ہے جو
لوگ اس مغالطہ وہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کو اسی عالم دنیا
میں زندہ سمجھتے ہیں اور اسمعلی دار من الدار کے قائل نہیں۔ انہیں حضورؐ کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر کہ آپ نے مغالطے
ڈالنے سے منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ واللہ بہ العرفق۔ عہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نالوتویؒ
حیات البنی کے معنوں کو محض الہامی طور پر بیان نہیں کر رہے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے۔ یوں
کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ وہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے
کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات البنی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید
شیعہ کے لیے بیان کیا تھا۔ رب العزت تعقیر کی تہمت سے محفوظ رکھے۔

جانے منکر وں کا کام یہی ہے

پھر لکھتے ہیں :-

انبیاء کو ابدانِ دُنیائے حجاب سے زندہ سمجھیں گے، پر حسبِ ہدایت کل نفس ذلُفۃ

الموت اور اُنک میت وانہم میتون، تمام انبیائے کرام خاصاً حضرت سرورِ انام

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔

حضرت نالوتویؑ ایک دوسرے مقام پر انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ورودِ موت کا

اقرار ان لفظوں میں کرتے ہیں :-

باجملہ موتِ انبیاء اور موتِ عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استنار

حیات زیرِ پردہ موت ہے اور یہاں القطارِ حیات، جو ہر عرضِ موت ہے

اگر موت ضدِ حیات، اور صفتِ وجودی ہو یا یونہی دیگر اگر موت، عدم اور مکہ حیات

ہو اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب باری نے حضرت سرورِ عالم کو جدا خطاب

کر کے ارشاد فرمایا: اُنک میت اور سو آپ کے اوروں کو بھی جدا ارشاد فرمایا،

انہم میتون اور مثلِ حملہ لاحقہ ثمر انکم یوم القیمة عند ربکم تختصون

سب کو شامل کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ اُنکم میتون، باجملاً جیسے حیاتِ نبویؐ

اور حیاتِ مومنین امت میں فرق ہے۔ چنانچہ اُس کے اثبات کے لیے تقریرِ وافی

اور تحریرِ شافی کافی ادراکِ گذشتہ میں گزر چکی ہے۔ ایسے ہی موتِ نبویؐ اور

۱۔ آبِ حیات ص ۲۵ لطائفِ قاسمیہ ص ۷۷ حضرت کی یہ تصریح ان لوگوں کے منہ پر ایک عبرتناک

ظہانچہ ہے جو یہ پراپگینڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت نالوتویؑ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضورؐ پر ورودِ موت ہی نہیں ہوا

اور وہ حضورؐ کے لیے کسی قسم کی وفات کے قابل نہیں، یہ حضرت پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔ ثانیاً اس عبارت سے ممکن

حیات کا یہ پراپگینڈہ بھی بے غبار ہو گیا کہ وفاتِ البنی کی یہ مذکورہ آیات حضرت نالوتویؑ کو یاد نہ تھیں یا بیان

حیاتِ البنی کے وقت مستحضر نہ تھیں اور سامنے نہ تھیں۔

موتِ مومنین میں بھی فرق ہے اور وہ فرق بین الموتین وہی فرق بین الحیاتین ہے اور اسی بنا پر لازم ہے کہ نومِ نبوی اور نومِ مومنین میں فرق ہو۔ اس لیے کہ النومِ احوال الموت۔ چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلامِ پاک میں موت اور نوم کو ایک سلاک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-
 اللہ یوفی النفس حین موتھا والتی لومت فی منامھا۔

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ہوئی۔ چنانچہ ارسال کا تقدم امساک پر وال ہے۔ جیسے موت تقدم حیات پر دلالت کرتی ہے۔ تو پھر جو حال وقت امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک نوم ہوگا۔ جس کی موت کے وقت استتار حیات ہوگا، اس کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہو تو شدت استتار و ضعف استتار ہو..... چنانچہ آنحضرتؐ کا کلام اس سچیدان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

بنام عینای و لاینام قلبی او کما قال۔ (رواہ البخاری و مسلم بالفاظ مختلفہ)
 ترجمہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

لہ عزیزی شرح جامع صغیر جلد ص۔ نہ فیسک التی قضی علیہا الموتی ویرسل الاخری الی اجل مستی
 (پ ۲۴، الزمر) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی، پھر انہیں ان کے متعلق رو کے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا۔ اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت تک کے لیے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح شکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جن سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا القطاع و لیا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے (فوائد القرآن للشیخ العثماني ص ۶) ہاں انبیاء کرام سے نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو۔ واللہ اعلم نہ آپ حیات میں عجبائی

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت نانوتویؒ حضور پروردگار ﷺ کے ہرگز منکر نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی انہیں پوری تائید حاصل تھی اور وہ اپنی رائے میں منفرد تھے۔ آیت اللہ میت و نلمہ میتوں ان سے اوٹھل نہ تھی، وہ اسے ان مباحث میں پڑھتے بھی جتے اور تشریح بھی کرتے تھے اور آپ کی یہ تشریح اسلاف امت کے خلاف نہ تھی۔ حقیقت یہی ہے، البتہ جھوٹ کا کوئی علاج نہیں۔

② — فخر المحدثین قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

ولان النبیین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احياء فلا معنى لتوريث
الاحياء منهم ^{عليه}

ترجمہ: چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت سب کے سب زندہ ہیں۔ اس لیے ان کے آگے ان کی وراثت چلے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہونا۔
پھر فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ صلی یوزق ^ع۔ اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "آب حیات" میں بحال مزید علیہ ثابت کیا ہے۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں:-

(کسی) قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں! تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ

۱۔ الکوٰئب الدرری جلد ۱ ص ۲۳۳ ۲۔ ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸ مجتہبائی عمہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کی اس حیات النبی کی تقریر کے متعلق لکھتے ہیں: تقریراً انیقاً ینبغی ان ینکت بماء الذہب. (اور جز المسائل جلد ۶ ص ۴۸۲)

عمہ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کے پورے حامی تھے۔

میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے، اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارتِ قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم نور الثرم قدہ نے حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ سے آنک میت الایہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوہی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اوسچا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیاء کرام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الانبیاء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ انتہی کلامہ الشریف۔

عہ معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ کے اپنے روضہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر پورے اجماع امت کا منکر ہے۔ عہ ثم یسئل النبی الشفاعۃ یقول یا رسول اللہ اسألك الشفاعۃ (فتح القدیر آخر کتاب الحج جلد ۲ ص ۳۲۷ مصر) لہ حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آرہا ہے یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا اس لیے اس پر کفایت ہے۔ لہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

③۔ رئیس المحققین زبیدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (۱۲۳۹ھ)

”المہند علی المہند“ میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-
 عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ
 الشریف و حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتویۃ برزخیۃ لکونہ فی عالم
 البرزخ بل

اس پر حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں :-

ہو معتقدنا و معتقد مشائخنا جمعاً لادیب فیہ

ترجمہ۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی
 شک نہیں۔

حضرت شیخ الہند کے تصحیح کردہ ابو داؤد کے حاشیہ ص ۱۵۶ میں ہے :-

ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالمجد حسبوا ان
 جسد النبی کے جسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب

ترجمہ۔ وہاں شریفیہ کے بعد حضور پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کرے
 گایا روح متصل بہ جسد پر اس کا عروض ہوگا؟ حضور کا جواب کہ انبیائے کرام کے
 اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کی کیفیت کا کافی جواب تھا۔

④۔ فخر المحدثین زبیدۃ العارفين حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احياء
 فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت جبابہا کما لا فرق

علمائے دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف سی ہی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے
 برہنہ برس پہلے آپ نے مولانا عبد السمیع رامپوری کی کتاب انوارِ ساطعہ کے جواب میں براہینِ قاطعہ لکھی
 تھی۔ یہ کتاب حضرت گنگوہی کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا
 خاں میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ
 نے اپنا عقیدہ حیات البنی ان الفاظ میں لکھا ہے:-

اس بات کو خوب یاد کر لیتا ضرور ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
 اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب اور جنات میں جہاں چاہیں باذنِ تعالیٰ اچلتے
 پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملنے
 پہنچاتے ہیں اور اعمالِ امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ
 دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالفت نہیں مگر یہ کہ
 ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت
 بنیاد اور عرض و حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدوں اعلام
 حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اس جہن (عالم دنیا) کے فرد ہو
 ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک بنزخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم
 برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس تشریف آوری ایک بنزخی زندگی سے تھی اور اس
 میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی بھوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔
 اس عالم میں عالم برزخ کے مسافر سی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے آپ نے عقیدہ حیات البنی صرف مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں
 ترتیب نہ دیا تھا پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پہلے آ رہے ہیں اور براہینِ قاطعہ اس پر شاہد ہے

فی حضوره و غیبتہ فی زمن حیاتہ ولہذا العلة لم یذهب الیہ احد
من الاممۃ بل

ترجمہ۔ یقیناً نبی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیاء کے کرام اپنی اپنی
قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں، یا
پردہ زمین میں استراحت فرما ہوں (وہ زندہ یقیناً ہیں) جیسے کہ آپ کی اس دنیا
کی زندگی میں آپ کے حاضر ہونے یا غائب ہوتے میں زندہ ہونے کے اعتبار
سے، کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں :-

ان الانبیاء فی قبورہم احياء۔^{۱۷}

ترجمہ۔ یقیناً انبیاء کے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
رأس الاتقیاء حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس یقین کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ
سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے :-

استانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالتا تو کیا سوا جہہ شریفیہ
کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ خوفزدہ، مودبانہ، دبے
پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دُور کھڑے ہوئے بکمال خشوع و صلوات و سلام
عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آل حضرت معیات ہیں۔
لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی
پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔^{۱۸}
پھر لکھتے ہیں :-

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حتى في قبره

الشريف وحيوته صلى الله عليه وسلم دينوته من غير تكليف فثبت
بمذا ان حيوته دينوته لكونها في عالم البرزخ .

ترجمہ ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ
ہیں اور آپ کی حیات (اس دُنیا والے حیدر اظہر میں ہونے کے اعتبار سے) دُنیا کی
ہے، ہاں (بجميع الوجوه دُنیاوی نہیں) اس میں آپ سکتے بالاحکام نہیں ہیں
آپ کی حیات اس طرح دُنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے بذنی ہے۔

⑤ — شیخ الاتیقار زبیدۃ الصلیٰ حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوریؒ قدس سرہ العزیزہ مذکورۃ الصدر "المہند علی المفید" (جس کی عبارت دربارہ
حیات البتی اور پدیدہ قارئین ہو چکی ہے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

الذی کتب فی هذه الرسالة حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح و
هو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان الله علیہم اجمعین احیانا الله بہا و
واماتنا علیہا وانا العبد الضعیف عبدالرحیم عفی عنہ الوائیفورئیؒ

ترجمہ جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح
کے ساتھ موجود ہے یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے میں
ہوں بندہ ضعیف عبدالرحیم عفی عنہ رائے پوریؒ

⑥ — امام کبریٰ محدث شہیر حضرت مولانا العلامة شیخ امام النور شاہ صاحب کشمیریؒ

یرید بقوله الانبیاء احياء مجموع الاستغاض لا الارواح فقط .

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ «انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں» کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں، بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ اشخاص انبیاء (روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:-

المراء بحديث «الانبياء احياء في قبورهم يصلون» انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم فلا يريد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوة ورد السلام فكيف وجه في الحديث بقاء الحيوة بفعل الصلوة وكذا رد السلام برد الروح ۛ

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں اور (قائز الحیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی، یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادا کے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضور نے حیات البتی کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح نوسٹنے (متوجہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:-

قوله فنبى الله حتى يرزق و احياء في قبورهم يصلون تسرد في ذكر الحيوة افعالها لا اصلها اور اد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض ۛ

ترجمہ: حضور کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ افعال حیات (زندہ والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا توں کہیں کہ انبیائے کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

④ — حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الغرار، جامع البدعۃ الظلماء

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب مٹھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھا سکے، پس خدا کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقعے ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث السنن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (کذا فی المواہب) اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے بلکہ

بدا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے۔ ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی سے تشریف رکھتے ہیں، نداء غائب لازم نہیں آتی۔

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے، جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا۔ علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ تھے۔ آپ فرماتے ہیں:-

① جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر مواتین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ زمین جس سے جسم مبارک مخصوص مع الروح جس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔

② ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:-
ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

③ ایک مرتبہ فرمایا کہ:-
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضورؐ خود بے طبعیٰ الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق پہنچتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:-

تیسرے اور چوتھے سے قوی ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں

کھا سکتی۔ حدیث شریف میں ہے :-

حرم الله اجساد الانبياء على الارض۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث وراثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

منع معاشر الانبياء لا تورث ما تركنا صدقة۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء متحققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں اموروں سے۔ ان امتیازات سے حیات بزرگیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے..... اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔

④ حضرت حکیم الامتؒ ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں :-

خوب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں، ورنہ واقع میں

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے امواتِ مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھاتی۔ مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مرجانے کے نکاح جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔
 ایک مرتبہ فرمایا کہ ۱۔

ایک شخص نے حیاتِ انبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے۔ بل احياء عند ربہم اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کہ زندہ نہ ہوں گے اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں۔ اس میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ تائید کے درجہ میں ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ۲۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیاتِ برزخیہ ثابت ہے۔ وہ حیاتِ شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیاتِ ناسوتی کے قریب اقرب ہے چنانچہ بہت سے احکامِ ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھتے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے۔

⑥ ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبضِ حدیثِ قبر میں زندہ ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

مدینہ طیبہ جانے والوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔

⑧ حضرت حکیم الامتؒ کے ایک غلیظہ حب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ :-

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرنا :-

یا سیدی یا رسول اللہ اشرف علی خویہ مک یسلم علیک ویسئک ان یدعوا
اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ویحشرہ معک۔

⑨ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ :-

بس اب میں بیان کر اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارتِ قبر شریف کے برکات

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا :-

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض

کیا۔ السلام علیک یا جدی۔ جواب مسموع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی۔ اس پر ان کو

وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے :-

فی حالة البعد روحی کنت ارساها قبل الارض عنی وہی ناضلتی

فہدہ دولة الاشباح قد حضرت فامد دیمینک کی تحفلی بہا شفقتی

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا۔

انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا ہوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔

- ④ پھر فرماتے ہیں۔ آپ نبیؐ حدیث قبر میں زندہ ہیں۔
 ⑤ مدینہ منورہ جانے والے... یوں کہے کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی، کیونکہ
 حضورؐ زندہ ہیں۔

مذکورہ بالا تحریرات وارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا
 اشرف علی تھانویؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر میں زندہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔
 ⑧ — رئیس المتکلمین، فاتمہ المحققین، محدث کبیر، شیخ الاسلام

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

الانبياء احياء عند ربهم يرزقون

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔

ان النبي حتى كما تقرر وانه يصلي في قبره باذان واقامة

ترجمہ۔ بے شک حضور اکرمؐ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں

اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اما بعد وفاته فروجه المقدسة صلى الله عليه وسلم قد استقرت في الرفيق

الاعلى مع ارواح الانبياء عليهم الصلوة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار

حياته في قبره الشريف فان لروحه صلى الله عليه وسلم اشراقاً على البدن

المبارك المطيب واشراقاً وتعلقاً به وبدنه في ضريحه غير مفقود و اذا

سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام كما ورد في الحديث

نه انكشف ص ۴۴۱ ۱ و غرر البيان ص ۳ جمادى الاولى ۴۴ ص ۳ فتح الملہم جلد ۳ ص ۳۳۳ ۲ ایضاً ص ۴۱۹

عہ قال شیخ الاسلام المراد بقول رد الله على روحه كانت سابقة عقب دفنه لانها تعاد ثم

تترجع ثم تعاد كما في الفتح ص ۳۳۳

ولم يفارق الملائع الا على ومن كثف دراكه وغلظت طباعة من هذا الادراك
فلينظر الى الشمس في علوم محلها

ترجمہ۔ وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدسہ دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے
ساتھ رفیقِ اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے۔ لیکن اس سے آپ کا اپنی قبر شریف میں
زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح اقدس قبر میں رکھے بدن
پاک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اس کی روشنی اس پر پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر
کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ آپ کا بدن مبارک قبر سے ہرگز غائب نہیں ہو اور جب
بھی کوئی مسلمان آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو
آپ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے
ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود آپ ملائعِ اعلیٰ علیٰ علیین سے
جدا نہیں ہوتے، جس کا ادراک کثیف ہو اور اس کی فطرت ایسے حقائق کے ادراک
کرنے میں غلیظ ہو، اسے سورج کو اس کے علوم محل میں دیکھنا چاہیے۔

⑨ — محدث شہیر، مجاہد کبیر، عمدۃ الفقہاء، رأس الاتقیاء، مفتی اقلیم ہند

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی

حضرت مفتی اعظم "المہند" جس میں مسئلہ حیات البتہ ایک مستقل سوال اور جواب کی
صورت میں مرقوم ہے، اس پر لکھتے ہیں:-

رأيت الاجوبة كلما فوجدتها حقة صريحة لا يحوم حول سداد قاتمها شك
والاريب وهو معتقدك ومعتقد مشائخي

۱۰ فتح الملہم جلد ۳ ص ۴۱۱ ۱۱ المہند ص ۵۲ اعزازیہ

عہ جیسا کہ علامہ قزوینی کی رائے ہے۔ والتفصیل فی جذب القلوب

ترجمہ میں لے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صریح پایا ہے۔ کوئی شک
یادیں اس کے ارد گرد بھی گھوم نہیں سکتا۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے سب مشائخ
بھی اپنی عقائد پر تھے۔

⑩ — رئیس المحدثین، امام المجاہدین، شیخ الاسلام والمسلمین، استاذ الہند والحجاز

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہم

نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی
زمانے تک ہے، جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں
برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کی حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو احادیث امت کو
ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسد نبی کے قائل ہیں، مگر بلاعلاقہ روح اور متعدد لوگوں

عہ یہ تصریح ان لوگوں کے لیے مقام عبرت ہے جو بعض اپنے موقف کی حمایت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی دوسرے اکابر دیوبند کے نام "المہند" کی تصدیق میں لکھ دیئے تھے یا
یہ کہ دوسرے اکابر نے "المہند" پر صرف اعتماد استحضار کر دیئے تھے، عبارات خود نہ دیکھی تھیں، دیکھتے
حضرت مفتی صاحب کس طرح واضح طور پر تصریح فرما رہے ہیں کہ میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں۔ اب بھی
اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے مسکنی حمایت میں جھوٹ بولا ہے، انہوں نے جوابات خود ہرگز
نہ دیکھے تھے، تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ بے حیاباش و ہرچہ خواہی کُن

عہ اس سے مراد نجدیہ متاخرین ہیں ورنہ متقدمین نجدیہ تو اجماع امت کے مخالف نہ تھے۔ شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن
عبدالوہاب نجدی لکھتے ہیں :-

والذی نقصد ان رتبة نبينا صلى الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق

وانه حتى في قبره حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها في التذليل

اذا هو افضل منهم بل ريب وافه يسمع من يسمع عليه. (اتحاف النبوة ص ۲۱۵ مطبوعہ کانپور)

کی زبان سے بالفاظِ کریمہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ دربارہ حیاتِ نبوی علیہ السلام
 سُنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے۔ اب غور فرمائیے
 کہ ان اکابر کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔ حضرت مولانا نانوتوی
 قدس سرہ العزیز نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب تحریر فرمائی ہے۔ جو کہ مشہور
 بین العالم ہے۔ اس میں کس زور شور سے حیاتِ نبوی کا اثبات کیا ہے اور مذہب
 اہل سنت و اجماعت اور فضائل نبوت میں کسی درجہ اور قوت کے دلائل درج فرمائے
 ہیں۔ مولانا گنگوہی قدس سرہ "ہدایۃ الشیعہ" اور رسالہ "حج" وغیرہ میں بھی اس کی
 تصریح و تائید فرما رہے ہیں۔ چونکہ اس سلسلہ میں خصوصاً ان حضرات کی عبارتیں
 بہت طویل واقع ہو رہی ہیں اور متعدد رسالے اسی مضمون کے تفصیلاً و اجمالاً
 چھپے ہوئے مشہور ہیں۔ اس لیے بخوفِ تطویل میں نقل نہیں کرتا ہوں۔ جس کا جی چاہے
 "آبِ حیات" و "ہدایۃ الشیعہ" و "اجوبۃ اربعین" و "لطائفِ قاسمیہ" و "ہدایۃ الشیعہ"
 و "زبدۃ المناسک" وغیرہ رسائل میں دیکھ لیوے۔ یہ ایک خاص سلسلہ ہے، جس
 میں وہابیہ نے علمائے حرمین کی مخالفت کی ہے اور بارہا جدال و نزاع کی نوبت
 آئی۔ اس سلسلہ میں اہل سنیہ آئندہ کی وجہ سے وہاں وہابی سنی سے ممتاز ہوتا ہے
 پھر لکھتے ہیں:-

عہ اس سے معلوم ہوا کہ حیاتِ النبی کا عقیدہ ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت میں سے ہے جو اس کا
 قائل نہیں، وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ حیاتِ النبی میں حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کے مابین کوئی اختلاف
 نہ تھا۔ دونوں بزرگوں کا عقیدہ ایک ہی تھا۔

عہ اس سے معلوم ہوا کہ اس سلسلہ حیاتِ النبی کے اقرار سے ہی کسی کا سنی ہونا سچا جاتا ہے۔

لہ رجم المدینین ص ۲۸ مطبوعہ ممبئی جو پ بقی پریس دہلی، معنیقہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی

یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو۔ اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔

محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ و ہایتیہ کے مشہور اور ماہر الامتیاز دین اہل سنت و جمیع ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں وہ وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے "علاقہ بین الروح و الجسم" کے منکر ہیں۔ اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آب حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز "مدیۃ الشیعہ"، "ابواب اربعین" حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس سرہ الغریزہ اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳ مطبوعہ انجمن کتب دارالافتاء جلد ۱ ص ۱۰۴

عہ حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیات جسمانی اور بقا "علاقہ بین الروح و الجسم" کے منکر اہلسنت میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ عہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ آنحضرت کے تعلق میں الروح و الجسم کا اقرار کر لیا جائے بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت ہونا (خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تعلقاً) اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و قوت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیام عبرت ہے جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار تو کرتے ہیں، مگر اس کے اثبات میں مصلحتاً خاموش ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ آب حیات لکھنے کی غرض محض رد و انقضای ہی نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اصل مقصد عقیدہ حیات البنی کا اثبات تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز آں حضرت کی شان مبارک میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں، جن کے حریم معنی تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ رسالہ "آبِ حیات"، "قبلہ نما"، "ستحذیر الناس"، "ہدیۃ الشیعہ"، "اجوبۃ اربعین"، "قاسم العلوم"، "مناظرہ عجیبہ" وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔

دس اکابر دیوبند قدس اللہ سرہ ہم کا بیان ختم ہوا۔ تلک عشرہ کاملہ۔

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

①— صدر الافاضل، فخر الامثل، جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ الحاج

القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں :-

مسئلہ زیر بحث میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متواتر ذوق کا تعلق ہے۔ دیوبندیت تو یہی ہے کہ بزرخ میں آنحضرت کو حیاتِ دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دارالعلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان تینوں کا مسلک بھی حیاتِ دنیوی (کہ اس عالم پر بزخ کی حیات اسی حیدر اظہر میں ہے، جو اس دنیا میں تھا) ہے۔ پھر آخر الذکر دو بزرگوں کے تلامیذ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امردہی، حضرت مولانا غلیل احمد

سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا عافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک تھا، جو ان کے مطبوعہ فتاویٰ و مقالات میں محفوظ ہے۔

پھر ان اکابر کے تلامذہ مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند وغیرہ وغیرہ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ یہی حضرات دیوبندیت کے اساطین کہلاتے ہیں۔ اس لیے دیوبندیت تو حیات النبی کے بارے میں حیات دُنیوی (باعتبار ابدان دُنیا) ہی ہے جو برزخ میں قائم ہے۔

محمدہ و نصلی، احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ”المہند“ وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام سجدہ عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند حال وارد تان

پھر حضرت قاری صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

”اب حیات، وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درسا در نما پڑھی۔ بت مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا۔ میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں، تو انہوں نے بایں ذہن و ذکا فرمایا کہ میرے بس

کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے؟
 حاصل یہ ہوا کہ سرورِ عالم سر اُن مشاہدہ جمالِ الہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں
 ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لمحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں
 مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارفِ کامل
 حالتِ کشف میں اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا، تو
 اس نے سرورِ عالم کو اس حال میں پایا :-

ورأيتہ مستقرًا على حالة واحدة متوجهًا الى الخلق لا بسلباس
 العظمة فاذا توجه اليه انسان بجهد همتہ ولا يريد الانسان
 العالی الهممة فقط بل كل ذي كبد يشتاق الى شئ ويتوجه اليه بقصدہ
 وشوقه فانه يتدلى اليه ورأيتہ صلى الله عليه وسلم ينشرح
 انشراحًا عظيمًا من صلى الله عليه وسلم ومدحه.

ترجمہ میں نے سرورِ عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگانِ الہی کی طرف متوجہ تھے
 پوری توجہ کے ساتھ عظمت و بڑائی کا لباس آپ کے ذیبتن محتاجِ کونی خدا کا
 بندہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرورِ عالم اس
 سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور پر درود و سلام بھیجا اور
 آپ کی تعریف کی، تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے اُن کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے، یعنی حضرت
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب

عہ جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث "ما من احد یسلو علی الا ذل اللہ علی روحی"
 پر وارد کئے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمائے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت
 قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

”فیوض الحرمین“ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم وعلہ اتم واحکم۔

(مضمون حضرت علامہ القاری محمد طیب صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

ربیع الاول ۱۳۷۲ھ ————— ۱۹۵۳ء

② — زبدۃ المحدثین شمس العارفین شیخ المصنف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

دامت برکاتہم، شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور

مکرم و محترم مدنیو عنکم بعد سلام مستون

نہایت طویل گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے ایسے شخص کو مخاطب بنا، جو نہ تو مفتی نہ مولوی۔ اس ناکارہ کی حقیقت ایک نقل نویس کی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں، جو اکابر و اسلاف کی کتاب میں ملتا ہے، اسی کو ادھر ادھر نقل کرتا رہتا ہوں۔ اسی کا نام شرح موطا ہے، یہی تبلیغی رسال کی حقیقت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ دونوں طرف کے کچھ لوگ تبری تحریر کو قبول کرنے کو آمادہ ہیں، موجب تعجب ہے جن حضرات کو اس ناکارہ کے جملہ اکابر حضرت گنگوہی قدس سرہ سے لے کر حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی تحریرات قابل قبول نہیں ہیں، وہ اس ناکارہ کی تحریر کو کیا قبول کرسکتے ہیں۔ بہر حال یہ ناکارہ ان اکابر کا بالکل متبع ہے۔ ان کے اس صاف ارشادات اور تحریرات کے بعد جس پر حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند، حضرت رائی پوری حضرت تھانوی قدس اللہ سرہم نے بلا کسی اجمال کے ”ہذا معتقدنا و معتقد مشائخنا“ لکھا ہے۔ کیا کوئی گنجائش ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہا جاسکے

عہ فیوض الحرمین ص ۲۳ پھر یہ بھی فرماتے ہیں۔ ما توجہت قبل فترہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الا وایتہ حاضرًا ظاہرًا ما بان انفتح بصورہ وحی فرأیتہ علی ما هو واما ان تأثرت نفسی منہ تأثرًا

(فیوض الحرمین ص ۲۳ مطبوعہ دیوبند)

جو نصوص آپ نے مہمات کے متعلق لکھی ہیں، ان سے کوئی بڑھا لکھا انکار کر سکتا ہے؟
 بالخصوص جن حضرات کی رائے ہمیشہ تلاوت قرآن اور دن ساری عمر تدریسِ سُجاری
 شریف وغیرہ کتبِ حدیث میں گزریں، ان کو کبھی بھی پتہ نہ چلا کہ قرآن پاک کی آیات
 میں کیا وارد ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں کیا فرمایا۔ ان میں سے
 حضرت رائے پوری قدس سرہ کے علاوہ کون سا ایسا ہے جس کی عمر کا معتد بہ حصہ
 تدریسِ حدیث میں نہیں گزرا اور حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ کے علوم
 و معارف کو سننے والے ابھی تک دنیا میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر ان میں سے
 کسی کو بھی نہ تو قرآن پاک کی کسی آیت کا پتہ چلا، نہ حدیثِ پاک میں کوئی مہمات
 والی روایت ان کی نظر سے گزری۔ یہ ناکارہ اپنے ان اکابر کے متعلق وہی عقیدہ
 رکھتا ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے اکابر یعنی صحابہ کرامؓ کے متعلق
 ارشاد فرمایا کہ «فانهم على علم وقفوا و ببصرنا فذكفوا و هم على كشف
 الامور كانوا اقوى و بفضل ما كانوا فيه اولى فنادوهم من مقصر
 و ما فوقهم من محسرو قد قصر قوم و منهم فجبوا و طمع عنهم اقوام
 فخلوا و انهم بين ذلك لعلی هدی مستقیم، حقیقت یہ ہے کہ اس دور
 فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ سلفِ صالحین کے
 خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی «ان من
 ورائكم فتنايكث فيها المال و يفتح فيها القرآن حتى ياخذہ المؤمن و
 المنافق و الرجل و المرأة و الكبير و الصغير و العبد و الحر فيوشك قائل
 ان يقول ما للناس لا يتبعوني و قد قراءت القرآن ما هم بمتبعو حتى ابدع
 لهم فيه فاياكم ما ابدع الخ لہذا یہ ناکارہ تو حذو النعل بالنعل ان حضرت

کا جامہ متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ بھی ان اکابر کی تحقیق کے خلاف
 ہے، تو وہ لغو ہے، ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی
 نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ بیجا حیات کے درجات متفاد
 ہیں، جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح
 مہمات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صحیحہ میں موت کا
 اطلاق کیا گیا سونے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے «الحمد لله الذي
 احبانا بعد ما اماتنا»، وارد ہے، قرآن پاک میں «الله يتوفى الانفس حين
 موتها»، الآیہ میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا «لا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله»
 میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
 پر موت کا اطلاق کیا گیا۔ ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ
 یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں بھی
 وہی موت مراد ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایان شان ہے خود حضرت
 عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں، اس کی واضح تائید کرتے
 ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی نوع مہمات کے بھی قائل نہ تھے جیسا سچے ان کا ارشاد
 «ان رجالا من المنافقين بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
 توفى والله مامات ولكن ذهب الى ربه كما ذهب موسى ابن عمران
 والله ليرجع رسول الله صلى الله عليه وسلم كما رجع موسى فليقطع
 ايديك رجال وارجلهم زعموا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مات»
 بیہقی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت وکذلك
 جعلناكم امة وسطا الآیہ کے متعلق فرماتے ہیں سو اللہ ان کنت اظن
 انه صلى الله عليه وسلم سيدتي في امته حتى يشهد عليه باخر اعمالها وانہ

هو الذی حملنی علی ان قلت ما قلت، لہذا شیخین کے مکالمہ کو موجودہ مسئلہ
متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکل انکار فرماتے
تھے اور سمجھتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں
گے۔ اس لحاظ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ بنوع من
الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار صرف موت بجمیع الوجہ سے ہے کہ
نوع خاص من الحیات فی الجسد الاطہر باقی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجسادِ انبیاء
کے بقا کے قائل ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع
کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ
حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے: «اکثر واعلیٰ من الصلوٰۃ
فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی» اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔
قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بیت» اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں
ان اللہ حرم الخ آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیوۃ کی نہیں،
تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال «کیف تعرض» کا جواب کیسے
بن گیا۔ روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری
بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا، ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت
قبرِ اطہر کا وہ حصہ جو جسدِ اطہر سے متصل ہے، کعبہ شریف بلکہ عرشِ معلیٰ سے متصل
ہے۔ کیا یہ فضیلت صرف اس جسدِ اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق
رہ چکا ہے، اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر مومنین کے مبارک جو کبھی جسدِ اطہر پر
پڑ چکا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال یہ ناکارہ تو اکابرِ یونیند
قدس اللہ سرارہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا تنفقہ فیصلہ «المہند»
میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے جملہ سوالات کا جواب واضح

ہو گیا مختصر نمبر وار بھی عرض ہے لیکن آپ نے ص ۵ پر سوالات کر کے گرامی نامہ ختم کر کے ص ۱ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے، یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں:-
صفحہ نمبر ۵۔

①— اجداد انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔
②— یہ ظاہر ہے کہ حیوۃ نور روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے بغیر تعلق روح کے حیاۃ کا کیا مطلب ؟

③— اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذرہ کائنات میں ہوتی ہے، تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص رہی؟ علامہ سخاوی فرماتے ہیں: ”نحن توّمن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یرزق فی قبرہ“

④— ایک دیوبندی سے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتدار ہے یا نہیں، بے محل ہے۔ علامہ سخاوی تو امام بیہقی کا یہ قول نقل کرتے ہیں قال البیہقی و فی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃؓ انہ لقیہم بیت المقدس و فی حدیث ابی ذرؓ و مالک بن صعصعہ فی قصۃ المعراج انہ لقیہم فی جماعۃ من الانبیاء بالسّموات فکلہم و کلموہ و کل ذلک صحیح لا ینخالف بعضهم بعضاً فقد یرى موسى عليه السلام قائماً يصلي في قبره ثم یرى ہوسی وغیرہ الی بیت المقدس کما سرى بنینا فیرام فیہ ثم یرج بهم الی السموات کما یرج بنینا فیرام فیہا کما اخبر قال و حللہم فی اوقات مختلفۃ لمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق و فی کل ذلک دلۃ علی حیوۃ ہم، یہ تو بہت ہی صاف ہے لیکن اگر یہ حضرات

اپنی قبروں میں روح مع الجسد ہوں اور دوسری مواقع میں روح متمثل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

⑤ — جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے، حضور اقدس اس کو سنتے ہیں۔ "من صلی علی عند قبوری سمعته"، نص مرتجح ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے "سند جید" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے۔ اگر کوئی فرق نہیں تھا، تو ان کا یہ فعل عبث تھا، فقط۔

اس کے بعد صفحہ نمبر ۶ پر پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں؟

① — یہ اُپر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیوۃ ہے۔

② — یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیوۃ کی ہے۔

③ — مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بہتد میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت راجپوریؒ وغیرہ کا یہ ارشاد "هذا معتقدنا و معتقد مشائخنا" واضح ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہما ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی رح قدس سرہما سے "انک میت" الآیہ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہما کی تعبیر سے بھی اُدرنچا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے، مگر انبیاء کرامؑ کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تعاقب

آفتاب و جو باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر
اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکمِ روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین
ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس
تحقیق سے نکتہ ان الله يحرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء بھی ظاہر ہو
جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم ناواقف ان داصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

④ معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد

ہے بقیۃً متبند میں جو ہے صحیح ہے۔ شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

⑤ حضرت رائے پوری دامِ محمدیم بار بار زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں

کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا

کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر من میں

الی ارذل العمر لکیلا بعلم من بعد علم شیئاً میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور بھی کس نفسی

کے الفاظ ارشاد فرمائے، جن کا نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابر کے

مقابلے میں کیا پزیر ہوں۔

نوٹ: علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو

دیگر اہل فن کے اقوال کے لحاظ سے دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دوسرے

اکابر کے خلاف ہوگی، تو خود کیا جائے گا، ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقل سے اونچے ہیں۔ اردو

رسائل و اشتہارات میں لانا، ان میں بحثیں کرنا نہایت ناموزوں ہے۔ لا یدرک

الصبی مدارک العالم۔ ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ

جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ فقط والسلام

ذکر یا تعلم خود منظر ہر العلوم سہارنپور

۲۵، ج ۱، ۱۸۸۵ء

③ — فخر المحدثین و الفقہاء اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یاسندھ

من ینکر حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ کان فوادہ فارغاً من
حبہ و عقلہ خالیاً من لبہ .

ترجمہ: جو شخص حضور اکرم کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا
دل حضور کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

④ — زُبدۃ الفقہاء بدرالادب اور حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب

دامت برکاتہم . منقحی اعظم دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسالہ ”رحمت کائنات“ مصنفہ مولانا زاہد اکھینقی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء
علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہلسنت و الجماعہ
کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیامت
باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود
ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے، جو سرمایہ سعادت دُنیا و آخرت
ہے (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی بھدا اللہ اس سے بڑا نفع پہنچا۔ دل سے دُعا
نگلی جمہور علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام بزرخ میں جسب عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان
 کی حیات بزرخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی
 کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ کچھ آثار
 بعض دنیاوی احکام میں بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازواج مطہرات
 سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقہ میں میں امام بیہقی کا اور تخرین
 میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے
 کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ بیہقی نے
 فرمایا ہے: *ولحیة الانبیاء بعد موتهم شواہد من الاحادیث الصحیحة*
 اس میں تخریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیح سے ثابت
 ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے، روح پر نہیں۔ اس لیے
 حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور *شفاء السقام*
 میں امام حدیث وفقہ تلمی الدین سبکی نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ
 کی تحقیق کے لیے لکھا ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفا کے
 حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے :-

وقد ذکرنا من جماعته من العلماء و شہد له صلوة موسیٰ علیہ السلام
 فی قبره فان الصلوة یتدعی جہا معها وكذلك الصفات المذكورة
 فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلها صفات الاجسام ولا یلزم من كونها
 حیاة حقیقة ان یكون الابدان معها كما كانت فی الدنیا من الاحتیاج
 الی الطعام والشراب والامتناع عن المفرد فی المحباب الثقیف وغیر
 ذلك من الصفات الاجسام التي نشاهدھا بل قد یكون لها حکم اخرفلیس
 فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاة الحقیقیة بهما (شفاء الاستقام من السبکی)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-
 فلم یبق الا انها حياة حقيقية الآن وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول
 جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان .
 اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے
 نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت
 کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کچھ ان سے
 اعلیٰ و اتوئے ہی ہے .

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی
 کے ہے۔ جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند
 کا ہے۔

(۳، ۴) مسند مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی
 کا قیل جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی
 مستقل مذہب نہیں، اتباع سلف و جمہور اہل سنت و الجماعت کے خلاف
 ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ دارالعلوم کراچی

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

⑤ — محدث کبیر فقیر شہیر جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

اجواب :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود ہیں اور حیات میں

آپ کے مزار مبارک پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنتیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بحسدہ و روتہ ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خطاب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔
 ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء۔ (المحدث) وعن
 ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی من بعد اعلتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جیداً۔ (القول البدیع)
 عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبياء صلوة اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون رواہ ابن عدی والبیہقی
 وعندیہا۔

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور جو انکار کرتا ہے، بدعتی اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بحسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۳۳/۵/۶۷

۵۳ الف : انجواب :-

اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبور میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کوان کے اجسامِ مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی

ان کا شریک و ہمیم نہیں ہے۔ ان کی قبور پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں :-

قال الشيخ الكبير ابو عبد الله القرشي سافرت الى الشام فلما وصلت الى قبره
ضريح الخليل عليه وعلى نبينا افضل الصلوة والسلام تلقاني فقلت يا
رسول اجعلني ضيافتي عندك الدعاء لاهل مصر فدعا لهم ففرح الله
عندهم فقال ليا فتى نقوله تلقاني الخليل قوله حق لا ينكره الاحباہل بمعت
ما يرد عليهم من الاحوال التي يشاهدون فيها ملكوت السموات والارض
وينظرون الانبياء احياء ردت اليهم امر واحمد بعد ما قبضوا واذن
لهم في الخروج من قبورهم والتصرف في الملكوت العلوي والسفلي
و يمثل صورته الكريمة السامية صلى الله عليه واله وسلم كأنه قائم في
لحده عالم به يسمع كلامه قال صلى الله عليه وسلم من صلى علي عند
قبري سمعته

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی اپنے
مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہل سنت و الجماعت
کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوة و سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے
زید کا خیال صحیح نہیں ہے۔ جبکہ کقول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہلسنت و الجماعت
کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ، شرح زندقانی،
انبار الاذکیاء، الخصائص الجبرئی، شرح اللباب، شفاہ السقام وغیر ذلک
من الکتب

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج

ہے کہ یہ اس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۵/۵/۶۸ھ

② — رأس الاقطیاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی

دامت برکاتہم، خلیفہ اعظم حضرت مولانا ابوالشیخ حسین علی والی پھر دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام اولادِ آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت اور اذک
 میت وانہم میتون۔ کل من علیہا فان اعلان خداوندی سے تمام نبی آدم
 خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت
 کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور
 عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان
 لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو "قدمونی۔ قدمونی" مجھے جلد پہنچا دو، کہتا ہے
 اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے "کہ اے مجھے ہلاکت ہو، مجھے کہاں لے
 جا رہے ہو؟ قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے
 وقت جو توں کی آواز سننا۔ قبر میں عذاب اور ثواب۔ یہ دلیل ہے کہ موت کے
 بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا
 اعلان "احیاء" "حیات میت" کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سردارانِ نبیاء
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی نشان
 کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسبداطہر قبر شریف
 میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسبداطہر پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان

درود شریف جہرا سلام ڈالے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت و اجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غور غشتوی

④ — بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، مجاہدگیری، شیخ اتفیر حفزہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری دابر کاہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدانِ دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالمِ برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدانِ دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت و اجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے۔ یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحبِ بعیرت اس عقیدہ حیاتِ البقیۃ کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی

باطن کی آنکھیں کھلی ہیں۔ ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روداد
اطہر کی حیات بدیہیات میں ہے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

⑧ — رائس التقیار اسوۃ الصالحین شیخ اشباح منقر مولانا عبدالقادر راپوری دست برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے، جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہ لوگ بے کار وقت ضائع
کر رہے ہیں۔

(ارشاد حضرت رائے پوری بہ تحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

⑨ — دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب قائم شدہ ۱۹۱۵ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دست برکاتہم

اجواب:

صریح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ الانبیاء احياء فی قبورہم۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جہور
علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو بقعہ
نور اور دریا سچلے جنت میں۔ حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری
جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ الا فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح مشکوٰۃ میں لکھتے
ہیں "حیات انبیاء متفق علیہ است۔ بیچ کس رادرو خلافتی نیست۔ حیات جہانی
دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔ چنانکہ شہداء راست" اور حضرت
محدث گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی

کہتے ہیں۔ کیونکہ بالاتفاق سنتے ہیں۔ اس استنفاع اور طلب دعا جناب
بدری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیات انبیاء فی القبر کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع
کا انکار ہے اور سخت بدعت اعتقادی کا ارتکاب ہے۔ بہر حال اگر کسی نے علمی
کی وجہ سے انکار کیا، تو جہالت محضہ واجب الاجتناب ہے اور اگر احادیث کثیرہ
اور اجماع امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالہ سے
توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۷ جون ۱۹۵۹ء

حیات النبی کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرت پر ورود موت کے قائل نہیں۔ اس کے
اذالہ اور حیات بعد الوفات کے اثبات واستمرار پر یہ سوال بیان لیجئے۔

⑩ — سلطان المناظرین عمدة المحققین بقیة السلف حجة الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم

پٹی ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں۔

کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لیے بھی روح مبارک حبلطہر
سے جدا نہیں ہوئی، کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر
ممنون فرمائیں۔

تحقیق: یہ غلط خیال ہے اور خصوصاً قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور شاید ایسا خیال
کرنے والوں کو مسئلہ حیات النبی کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر "موت" کا نفس ورود ایک ناقابل انکار بلکہ ناقابل شک و ریب حقیقت ہے۔ قرآن مجید

۵۸ء کی تخریر ہے جب ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور پٹی ضلع لاہور میں تھا۔

میں صاف نفلوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کُلِّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (بہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ حَيُّونَ (زمزم) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دو چار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں، ازاں جملہ حضور کے تخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اِنَّ لِلّٰهِ سَكْرَاتٍ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ثُمَّ نَصَبَ يَدَاہُ فَجَعَلَ يَقُولُ فِي الرَّفِيقِ الْاَعْلٰی حَتّٰی قَبِضَ وَمَا لَتْ يَدَاہُ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے ”آپ رفیق اعلیٰ ہیں“ یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آگیا۔

نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں:-
 قَالَ لَمَّا قَبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَسَلَ اِخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ فَقَالَ ابُو بَكْرٍ مَا نَسِيتُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا قَبِضَ اللهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يَجِبُ اَنْ يَدْفَنَ فِيْهِ۔ اَدْفَنُوْهُ فِي مَوْضِعِ فَرَاشَةَ لِتَرْمِذِي۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ۔ دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا۔ اس وقت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کرتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہتے

ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے نکلا و اکرمہ (ہائے کیسی بے چینی ہے) تو حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا لا کرب علی ابیک بعد الیوم، اذ قد حضر من ابیک ما لیس اللہ تبارک احدًا۔ الحدیث (بھی آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آ گیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں ہے)۔

اور وفات نبویؐ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نصوص قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں مفید کن حیثیت رکھتا ہے۔ ازاں جملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبویؐ کی خبر پہنچی تو آپ سیدہ خدیجہؓ کے پاس آئے پہلے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا۔

بابی انت و امتی لا یجمع اللہ علیک موتین اما الموتة التي کتبت علیک فقد متہما۔

ترجمہ۔ آپ پر میرے ماں باپ خدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو دفعہ موت نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی ہے وہ بہر حال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرتؓ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ ”ایسا نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت کو وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آگئی“

ایک دوسرے مطلب حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لیے دو موتیں ہیں۔ پہلی دفعہ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے، پھر قبر میں نکیرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی، اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبویؐ کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے۔ واللہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔۔

من کان یعبد محمداً فان محمداً اقدم مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت وقال « فانک میت وانہم میتون » وقال تعالیٰ « وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل لقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن ینضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین ۔

ترجمہ۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اس سے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں (پھر وفات نبویؐ کے ثبوت میں) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے « آپ کو بھی (اے رسول!) موت آنی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مر نیوالے ہیں (نیز صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حجتیہ و قیوم خدا تو ہیں نہیں)، تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں گراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ صحابہ کرامؓ کے بھرے مجمع میں دیا۔ اور کسی نے اس کے کسی جز پر کوئی تنقید نہیں کی۔ بلکہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ”ابو بکرؓ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔“

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کے عام قانون کُل نفس ذائقۃ الموت کے ماتحت موت جاری ہوتی (اور دو موت، نصوص قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور دوسری طرف گویا صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔ لہذا سوال میں کسی کا جو ”خیال“ ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں روحیات النبیؐ کی مراد نہ سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ ”علماء کرام“ جو ”حیات النبیؐ“ کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدسؐ کو حیات بخش دی گئی ہے۔ غالباً متقدمین میں امام بیہقی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاءؐ پر مستقل

۱۔ امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں:-

من صلی علی عند قبری سمعته ومن علی ذائماً ابلغته۔

ترجمہ: کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھے گا میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دوسرے درود شریف پڑھے گا وہ

رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں اس سند کے متعلق تمام اعاذیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیہم ارواحہم فہم احواء عند ربہم
کالشہداء۔ (ذرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۲۳۳)

ترجمہ۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں ہیں وہ اللہ کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

(فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

طاعلی القاریؒ کی اپنی کتاب الدرۃ المصنیۃ فی زیارۃ امصطویہ میں فرماتے ہیں۔

ومن اعظم فوائد زیارۃ ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ
سمعہ مما عا حقیقیاً ورد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی
او یسلم علیہ من بعد فان ذلك لا یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء
عنه بسند حید من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی
من بعد اعلمتہ۔

ترجمہ۔ زیارۃ قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ
کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا
فرماتے ہیں بجز اس شخص کے جو دور سے درود و سلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں
پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے جو اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص
میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور
سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (ذوالعلم القرآن مئی ۱۹۵۹ء)

طاعلی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابوالشیخ کی ہے بسند حید

کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی توثیق ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عنفا اللہ عنہ

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک علیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ”شفا السقام“ میں مدحیات انبیاء پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ”قرآن عزیز صاف حضورؐ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت وانہم میتون) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اتی مقبوضٌ (میں قبض کیا جاؤں گا)۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں۔ ان معمدا قدمات (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں۔

یقال انه موت غیر مستمر وانہ اسی بعد الموت۔ (شفا السقام ص ۱۴۲)
ترجمہ جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمر (کا ذکر) ہے اور حضورؐ کو اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرمادی۔

بہر حال حیات انبیاء کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر ”موت“ قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات مع الجسد بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح و سالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے
هذا الجواب ویؤب اللہ علی من تاب۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی حدیث کو سند جدید سے مانا گیا ہے۔ پھر تعلیم القرآن کی جولائی اور اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرحمن کھیلپوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی :-
”میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع

ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے، (از تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقیہ حیات ہیں۔ وکفی بہم شرفاً وفضلاً۔ ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضور کے سماع حقیقی کی تشریح کی گئی ہے۔ وہو الحق والحق احق ان یتبع۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی (دواں پھراں) نے اللہ مرقدہ نے سلازالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریرات سامنے بیٹھ کر سنیں اور فرمایا۔ مسک دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر میر سامنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسک برحق ہے۔

حضرت مولانا منصور محمد نعمانی نے ایک جلسہ میں بیان کیا کہ میں جب سلازالی کے مناظرہ کے لیے چلا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحب سے ملاقات نہ کروں۔ وہ بطور مبصر مناظرہ میں میری تقریریں سنیں اور حضرت سے میری ملاقات

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور علماء دیوبند کا مسک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے بارے میں کوئی نہ کہے گا کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غشتوی کبھی کھلے بندوں حیات البنی کا اقرار نہ کرتے اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیمپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشفاقہ التوحید والسنۃ کے سرپرست بھی رہے نہ کہتے کہ حیات البنی میں مولانا منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے۔ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ ان میں بڑے مسلمانوں کی تشریح و تفصیل کے مقابلے میں ایک بدی عقیدے کی اثبات اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علم و دیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت در حیرت کہ بادہ فرودش از کجاستنید

صورة ماكتبه اكابر العلماء وجمابذة الفضلاء من تولى لدروس الافتاء في عقيدة حياة الانبياء

پاکستان کے دس اکابر مسک دیوبند کا متنقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جبہ منبری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو روڈ پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی مہر و محدثین اور تکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاء انبیاء پر آب حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ المہندی علی المنقذ بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی ہے اب جو اس مسک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وهو یمہدی السبیل۔

○ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ○ عبدالحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ شنگ

○ محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ ○ شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ

○ محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ ○ مفتی محمد حسن عفا اللہ عنہ

○ خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ ○ مفتی محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور

○ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ ○ محمد عبدالقدور خواستی عفا اللہ عنہ (خانپور)

پنجاب کی رُبّ صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جاسکا۔ ہندوستان بشکے دیش، برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا۔ اور اکابر دیوبند کی پہلی تصریحات سے کہیں سر مو بھی آگے نہیں نکلے۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلاء دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں، مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات غلط طور پر مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کچھ علماء حیاتی ہیں اور کچھ مماتی۔ پھر لطف یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کوئی آثارِ قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جاسکے اور حقیقت حال معلوم نہ کی جاسکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑے زور سے چلا۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف کے دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی غرض اور کوئی مصلحت نہ تھی۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے

غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار الریح الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسک پر حجم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے تھبٹ اس پر دستخط کر دیئے۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں سنیوں نے سب سے پہلے اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آرا رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند چھ سوال روانہ کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ظفر الدین صاحب نے نمبر ۶۸۴ کے تحت ۱۳۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پر ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مماتوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔ اب دارالعلوم دیوبند کا یہ عالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگئی ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو طرے سے لڑھکیں۔ آپ غموس کریں گے کہ یہ فتوے مقام حیات کا ہی

ایک دوسرے مختصر پیرایہ ہے۔ ماتنا اللہ علیٰ ہذہ العقیدۃ اصلاً و خیراً مؤلف معاً اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶۸۲

ج

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں

①— کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہل سنت و اجماعت کا عقیدہ ہے کہ سرِ دار و عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روزِ شریف میں دنیا کی سب سے بڑی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اجواب ۹۲

حامدًا ومصليًا

تمہید— سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ مسئلہ متفقہ میں بزرگانِ دیوبند کا مسک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف و مشہور ہیں مثلاً ۱۔ آبِ حیات ۲۔ جمالِ قاسمی ۳۔ نشر الطیب ۴۔ الشہاب الثاقب ۵۔ المعارج العقلیہ ۶۔ فیض الباری ۷۔ المہند علی المفسد ۸۔ تسکین الصدور ۹۔ متنقہ اعلان ۱۰۔ مقام حیات وغیر ذلک۔ پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرمادئے۔ عبارت مجوزہ یہ ہے:

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلاۃ و سلام سنتے ہیں۔

اس صاف اور صحیح عبارت پر اقراری دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فی اللجب ویا حسرتاہ۔

پھر یہ المیہ اس وقت مزید دوچند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام کے بجائے تشدد و افتراق، نزاع و جدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت نفس اور شرافتِ ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالج اللہ المشتکیٰ۔

خدا اصلاح اعمال کی توفیق بخشنے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔
اس مہتد کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں :-

① — جی ہاں —

تمام اہل سنت و الجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیاتِ دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوۃ نماز و دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۃ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت، کتاب و سنت اور اجماع امت سے

ثابت ہے۔ چنانچہ اولیٰ ثلاثہ پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں :-

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃ، دلالت اور اقتضاء) ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی۔ اس لیے اختصار کے غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

① **وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ۔** (پہا الزخرف)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید نور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-
يستدل به على حيات الانبياء۔

② **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مَرِيضَةٍ مِنْ لِقَائِهِ۔** (پہا الم سجدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:-
معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔ اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں۔ لہذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسلکہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت الفراد قوت و استدلال میں عبارتہ النص کے مثل ہوتا ہے۔

③ **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتٌ بل أحياء ولكن تشعرون۔**

(پہا البقرہ: آیت ۱۵۴ ع ۱۹)

④ بل احياء عند ربهم يرزقون فراحين بما آتاهم الله من فضله (پہلے آیت عمران آیت ۱۲۹)
ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشهداء

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے بہر حال افضل ہیں۔

غور فرمائیے! حافظ الدین کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالت النص یعنی درجہ اولویت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

⑤ فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض تاكل مناساته. (پہلے السبار)

اس آیت سے بھی دلالت النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین حصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھالینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا ٹکڑا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

① حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔
الانبیاء احياء في قبورهم يصلون

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے روایت کی توثیق کرتے ہیں اور

اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدون سند
الخصائص الكبرى میں اور سند ابو یعلیٰ کے پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری^۱
اور فتح الملہم میں بھی مذکور ہے۔

حدیث شریف کی صحت کے متعلق علماء اہل الرجال کی تفصیلی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ :-

وصححه الیہتی^۲ امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے

محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ووافقہ المحافظ فی المجلد السادس^۳

امام بیہقی کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔

علامہ عثمانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں^۴

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ :-

رجال ابی یعلیٰ ثقاة^۵ ابو یعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں :-

وہو حدیث صحیح^۶ یہ حدیث صحیح ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں :-

یصح خبراً نبیاً احياء فی قبورهم^۷ الانبیاء احياء فی قبورهم کی حدیث صحیح ہے۔

ملا عبد الرؤف مناوی لکھتے ہیں :-

هذا حدیث صحیح^۸ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۔ الخصائص الكبرى ص ۲۸۱ ۲۔ فتح الباری ص ۲۵۲ ۳۔ فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۳۱ ۴۔ فتح الباری جلد ۲ ص ۱۵۲ ۵۔ فیض الباری جلد ۲ ص ۲۲۹ ۶۔ مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱ ۷۔ السراج النیر جلد ۲ ص ۱۳۲ ۸۔ مرآة المفاتیح جلد ۲ ص ۲۱۷ ۹۔ فیض الباری ص ۱۸۳

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

ابویعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالکؓ آور وہ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون ^{بہ}

امام ابویعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں
میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانی ^{۲۱} لکھتے ہیں:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و سواہ لا تفارقه لما صح ان الانبیاء
احیاء فی قبورہم ^{۲۲}

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے
جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء
علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احياء فی قبورہم رواہ المنذری
وصححہ البیہقی ^{۲۳}

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں، علامہ منذری نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقی نے
اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں:-

رواہ ابویعلیٰ برجال ثقات و رواہ البیہقی وصححہ ^{۲۴}

ابوعلیٰ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے بلکہ

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام ابوعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور مثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

② حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

ما من احد یسل علی الارۃ الا رد اللہ علی روحی حتی یرد علیہ السلام

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا

دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آرا

امام سبکی فرماتے ہیں کہ: وهو اعتماد صحیح

(امام ابو داؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے) اور یہ اعتماد صحیح ہے۔

عافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: رواۃ ثقات

علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ: اسنادہ حسن

عافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: صححہ النووی فی الاذکار

۱۵ فضائل درود شریف ص ۳۷۰ ابو داؤد جلد ۱ ص ۲۷۹ واللفظہ منہ احمد جلد ۲ ص ۵۲۴ ۳۰ ثغفار السقام ص ۱۰۵

۱۶ فتح الباری ص ۲۷۹ ۱۷ السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۷۹ ۱۸ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔۔ بالاسناد الصحيح
 حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔۔ وهو حدیث جیدہ
 علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔۔ بالاسناد صحيح
 نواب صدیق صدیق حسن خاں صاحبؒ لکھتے ہیں۔۔
 قال النووي في الاذكار اسناده صحيح وقال ابن حجر رواه ثقات

علامہ سمہ پوریؒ فرماتے ہیں۔۔
 وی ابوداؤد بسند صحيح
 مولانا نور شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔۔ رواه ثقات
 امام سخاویؒ فرماتے ہیں۔۔

روى احمد و ابوداؤد والطبرانی والبيهقي باسناد حسن بل صححه
 النووي في كتاب الاذكار وغيره

اور علامہ محمد بن محمد الفابجی البوسنیؒ فرماتے ہیں۔۔
 قال النووي في الاذكار ورياض الصالحين اسناده صحيح وصححه
 ايضا ابن القيم

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں
 جیسا کہ آپ نے باحوالہ پڑھ لیا۔ اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تحسین اور تصحیح کرتی ہے
 حضرت اوس بن اوسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔

ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة
 وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلوة فيه فان صلواتكم معروضة

۱۔ کتاب الاذکار ص ۱۷۱ سے فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۱۷ سے زرقانی شرح مواہب ص ۳۸۸ سے دلیل الطالب ص ۸۴۳
 ۲۔ فوار الفار ص ۳۳ سے عقیدۃ الاسلام ص ۵۲ سے فتح المسلمین ص ۳۳ سے القول البلیغ ص ۸۸ سے حیاة الانبیاء اللیبی ص ۳۳

علي قال قالوا وكيف تعرض صلواتنا عليك وقد ارميت قال . يقولون
 بليت فقال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء
 بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت
 آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نوحہ
 اولیٰ ہوگا اور اسی میں نوحہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا
 کر و کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ
 ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم
 السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-

وصححه ابن خزيمة وغيره

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں :-

ومن تامل في هذا الاسناد لم يشك في صحته لثقة رواته وشهادتهم

وقبول الائمة حديثهم

اور یہی الفاظ اس موقع پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں۔

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :-

صح عنه صلى الله عليه وسلم ان الارض لا تاكل اجساد الانبياء

۱۔ ابوداؤد ص ۱۱۱ واللفظہ۔ والدارمی ص ۱۹۵ والنسائی ص ۱۵۴ مستدرک ص ۲۷۸ ص ۵۲۰ موارد الطمان ص ۱۲۱ وابن ماجہ ص ۱۷۰
 و ابن کبریٰ ص ۲۳۹ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۱۶ فتح الباری ص ۲۷۹ ج ۱۰ الاہتمام ص ۲۲۲ اصحاب السنن ص ۱۵۰ فتح الباری ص ۲۷۹

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاءؑ

علامہ منتدیؒ فرماتے ہیں:- انہ حسنؒ

اور علامہ عبد الغنی الناطقیؒ لکھتے ہیں:- انہ حسن صحیحؒ

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:- حدیث صحیحؒ

علامہ الورثاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

فانه صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان اللہ عز وجل حرم علی

الارض ان تاكل اجساد الانبیاءؑ

اصول حدیث کے اعتبار سے یہ روایت بھی بالکل صحیح (بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں

نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح

علی شرط الشیخین کہا ہے۔

④ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث

میں ارشاد فرمایا:-

فنبی اللہ حی یرزق

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں:- اسنادہ جیدہ۔

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں:- ورجاله ثقات۔

۱۔ کتاب الروح ۱۰۰ القول البدیع ص ۱۱۹ ۲۔ ترجمان السنۃ جلد ۳ ص ۲۹۷ ۳۔ تاریخ النبوة ص ۹۳۰ ۴۔ خزائن

ص ۱۹ ۵۔ مستدرک حاکم ص ۵۳۰ ۶۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹ ۷۔ ترجمان السنۃ ص ۲۹۷ ۸۔ السراج المنیر جلد ۱ ص ۱۲۹

علامہ منہاویؒ کا ارشاد ہے۔ قال الدمیر بحر جالہ ثقاتؒ

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:-

رواہ ابن ماجہ برجال ثقاتؒ

ماقظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:- قلت رجالہ ثقاتؒ

اور علامہ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:-

رواہ ابن ماجہ باسناد جیدؒ

ملا علی قاریؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرہؒ

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:- باسنادہ جیدؒ

اور مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں:- باسنادہ جیدؒ

⑤ حضرت عبداللہ بن سعوطؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان لله ملئکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلامؐ

حدیث شریف کی صحت کے متعلق

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں:- حدیث صحیحہؒ

علامہ بیہمیؒ فرماتے ہیں:-

رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیحؒ

۱۔ فیض القدیر جلد ۲ ص ۸۰۔ زرقانی شارح مواہب ص ۳۳۶۔ تہذیب التہذیب ص ۲۹۸۔ خلاصۃ النفا
ص ۲۸۔ مرقات ص ۱۱۲۔ نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۶۲۔ عون المعیر ص ۴۵۔ نسائی ص ۴۳۔ اسناد احمد
ص ۴۲۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۱۶۔ دارمی ص ۳۱۔ موارد الطمان ص ۵۱۲۔ مشکوٰۃ ص ۸۶۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۵۲۔ ایضاً ص ۱۵۲۔
ص ۹۳۔ خصائص الکبریٰ ص ۲۸۰۔ السراج المنیر ص ۵۱۸۔ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۲

امام حاکمؒ اور علامہ قسیمیؒ فرماتے ہیں، صحیح ہے۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں :-

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابونعیم والبیہقی والمنذری وابن حبان والمحاکم
فی صحیحہما وقال صحیح الاسناد۔

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے بلکہ علامہ سمہودیؒ اور علامہ ابن عبدالبہادیؒ کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے مختلف طرق سے اس نیک صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔ یہاں تک شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

ومتواتر رسیدہ اس معنی ہے۔

⑤ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-

من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعیدا اعلتہ۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے درود پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں) کے بتلایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند بطریق ابوالشیخ کے متعلق فرماتے ہیں :-

بسند جید۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں، وبسند جید۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، بسند جید۔

۱۔ مستدرک حاکم ص ۲۱۲ ۲۔ القول البدیع ص ۱۵ ۳۔ وفار الوفا ص ۲۴ ۴۔ الصائم المنکی ص ۱۶۸ ۵۔ فتاویٰ عزیزی ص ۱۶۸ ۶۔ جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹ ۷۔ فتح الباری ص ۲۵۲ ۸۔ القول البدیع ص ۱۱۶ ۹۔ مرقاۃ ص ۱۱۶

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ بھی لکھتے ہیں۔ اسنادہ جیدہ

اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔

ان اکابرین محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ ان دونوں نفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:-

ان ابن الصلاح یرى التسوية بين الجيد والصحيح.

چونکہ حضرات اہلبیار علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے (یہاں اختصار کی غرض سے پھر احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے) اس لیے امام سیوطیؒ نے تو اتر کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو سائر الانبياء معلومة عندنا
علماً قطعياً لما قام عندنا من الادلة في ذلك وتواترت به الاخبار الدالة
على ذلك.

ایک دوسرے مقام پر تو اتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان من جملة ما تواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم حياة الانبياء في قبورهم.

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے بلکہ

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

۱۔ دلیل الطالب ص ۸۴۲ ۲۔ فتح المسلمین ص ۲۱۳ ۳۔ تدریب الراوی ص ۱۲۱ ۴۔ اہبار الاذکیار ص ۱۲۱ ۵۔ امام سیوطی ص ۱۴۶

۶۔ انظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنی ص ۱۲۱ ۷۔ المنحة الوہبہ ص ۱۲۱

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے۔ — جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں مجددہ موجود اور حیات ہیں۔ — اور اہل السنۃ والجماعت کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مفسرین۔ ۲۔ محدثین۔ ۳۔ مفسکین اور ۴۔ فقہاء۔ اس لیے آنے والے دلائل میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اب باقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

ان حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیاً و
الانبیاء احياء فی قبورهمؑ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ فرماتے ہیں۔

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احياء۔
 ہاں! حضراتِ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں
 مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:-

ان اللہ جل شأه رء الانبیاء ارواحہم فہم احياء عند ربہم كالشہداء۔
 بے شک اللہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا
 دیتے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔
 حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں:-

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کسائر الانبیاء
 فی قبورہم وہم احياء عندہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم
 العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشون
 وباعتبار القالب فرشیون۔

قابلِ اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس
 طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں
 اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا
 میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔
 اس عبارت میں حیاتِ انبیاء علیہم السلام کو قابلِ اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔
 علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:-

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم
 السلام احياء فی قبورہم حیاء اکل من حیاء الشہداء التي احسنوا للہ

بہا فی کتابہ العزیز

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔
دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وَمَا آدِلَةٌ حَيَاةَ الْأَنْبِيَاءِ فَمَقْتَضَاهَا حَيَاةَ الْأَبْدَانِ كَعَالَةِ الدُّنْيَا مَعَ
الِاسْتِعْنَاءِ مِنَ الْغِذَاءِ

بہر کیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں بھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی منصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہیں محض بوزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عاۓہ خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حتیٰ اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں۔ یہی بات شیخ الاسلام دہلوی فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حتیٰ
واجساد ایشان نیز ثابت یا شد و بوسیدہ نگر دند۔ و آن حیات بچو حیات
دُنیا باشد، با وجود استغناء از غذا۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

وقول فمبار و مقرر جمہور ہم اینست کہ انبیاء بعد از اوقات موت زندہ اند
بحیات دنیوی بلکہ

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی

کنیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراکِ علم اور شعور حاصل ہے۔ اس طرح اس حیاتِ برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جہانی حیات سے تمیز کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 من انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء احياء في
 قبورهم يصلون فاذا اثبت ان نبينا صلى الله عليه وسلم حيا
 فالحي لا بد اما ان يكون عالما او جاهلا ولا يجوز ان يكون النبي
 صلى الله عليه وسلم جاهلا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل، اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لامحالہ آپ عالم ہوں گے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

لان عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حي يحس ويعلم
 وتعرض عليه اعمال الامة ويبلغ الصلوة والسلام

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوة و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے جس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد بن عقیل احنبلیؒ کا ارشاد ہے۔

وهو حَيٌّ في قبره يصلِّي له

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
امام بدرالدین بعلی احنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا اختصار کیا
ہے لکھتے ہیں۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بہا اوقات نماز بھی
پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تہذیب کے طور پر پڑھتے ہیں اس
لیے پابندی لازم نہیں۔ قد يصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قد مضارع
پر داخل ہو کر اکثر تعقیل کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ عزیزیؒ حدیث ما من احد يسلم علي الا روح الله علي روحه کی تشریح کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

الارادة الله علي روحه، اى ردة عقلت نطقه لانه حي دائما وروحه

لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم

اور روح سے مراد نطق ہے۔ کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ آپ کی روح
مبارک آپ سے الگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

لہ الروضة البهية ص ۱۲ لہ مختصر الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۷۷ لہ رضى جلد ۲ ص ۲۸۸ ، متن متین ص ۲۸۸

لہ السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۷۸

فالجواب ان الانبياء احياء في قبورهم

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الحنفی المصری الحنفی محدث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط

کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وفيه دليل على انه صلى الله عليه وسلم حي حياة مستمرة

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دائمی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکی متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

و عندهم محمد صلواة الله عليه حيا في قبره

اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت والجماعت کے امام ابو الحسن الاشعری کے

نزدیک مسلم عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر طہر میں زندہ ہیں۔ یہاں یہ اصل بھی

پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے معنی مکتبہ فکر اشعری

اور ماتیدی مراد ہوتے ہیں۔ اب مطلب صاف ہے کہ اہل سنت والجماعت کے دونوں طبقے اشعری

اور ما تزییدی کا مجموعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں۔ چنانچہ امام ابو منصور
طاہر الشافعی البغدادی لکھتے ہیں:-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم
حي بعد وفاته يسر بطاعات امته[ؑ]

ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات
کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔
اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مزاد ہو یا شوافع کی بہر صورت ان میں محققین کلمہ سک
اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشربلانی لکھتے ہیں:-

ولما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حي يبرزق متمتع
بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن الابصار القاصرين من
شريف المقامات[ؑ]

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔
آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان
نگاہوں سے اوچھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق
و عبادات سے منتفع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں
کا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں :-

ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں معتمد السکل ہیں کس طرح مراحت کے ساتھ

حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت و اجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں

عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام منصریہ

مبارک کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علمائے دیوبند جو خالص اہل سنت و اجماعت

ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات پر

کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ ذیل میں علمائے دیوبند کے ایسے حوالے

نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر

حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے

مختی یعنی سب سے پہلے محدثین پھر مسکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے۔

ملاحظہ ہو۔

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی بخاری فرماتے ہیں :-

والاحسن ان يقال ان حياته صلى الله عليه وسلم لا يتعقبها موت بل يسكن

حیا والانبیاء احياء فی قبورهم^۱

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دومی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بہار پوری^۲ لکھتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی فی قبرہ کما ان الانبیاء احياء فی قبورهم^۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے

حضرت علامہ عثمانی^۳ فرماتے ہیں:-

فدللت النصوص الصحیحہ علی حیاة الانبیاء^۳

نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ^۴ فرماتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة^۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں

اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہیں یہ بات

بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان واقامت سے نماز

پڑھنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

ان كثير من الاعمال قد ثبت في القبور كالاذان والاقامة عند
الدارمی وقراءة القرآن عند الترمذیؒ

قبور میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت

دارمی کی روایت میں اور قرأت قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں۔

غور کیجئے! قبر میں اذان و اقامت کا ثبوت اسی طرح قرأت قرآن کا ثبوت حیات نبوی

کی کس قدر صریح دلیل ہے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آپ بنفس حدیث زندہ ہیں۔

حضرت اقدس مولانا ابو العتیق عبدالہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادیؒ لکھتے ہیں:-

انهم اتفقوا على حيوته صلى الله عليه وسلم بل حياة الانبياء عليهم

السلام متفق عليهما لا خلاف لاحد فيه.

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام

انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہ ہے جس میں کوئی اختلاف

نہیں ہے۔

غور فرمائیے! حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ مظلہ العالی حدیث مامن احدی سلم

علی الارضا لہ علی روحی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔

آگے فرماتے ہیں:-

اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام

علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث شریف و نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ان اللہ ملت کتہ سیاحین فی الارض

یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:-

اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی

درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دُور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک

کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوة و سلام عرض کرے تو

آپ اس کو نفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جو اب بھی

عنایت فرماتے ہیں بلکہ

مشکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی

کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں:-

عندنا و عند مشائخنا حیاة حضرة الرمالہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویہ

۱۷ معارف الحدیث ص ۲۳۸ ۲۳۹ ہدایۃ الشیعہ ص ۳۶ ۳۷ نشر الطیب ص ۱۱۱ ۱۱۲ معارف الحدیث ص ۱۱۲

من غیر تکلیف وہی مختصہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وجميع الانبياء صلوات
 اللہ علیہم والشهداء لا بسرخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما
 نص عليه العلامة السيوطي في رسالة انباه الاذكياء بحياة الانبياء
 حيث قال: قال الشيخ تقي الدين سبكي حياة الانبياء والشهداء في القبر
 كحياة في الدنيا ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان
 الصلوة تستدعي جسدًا احيا الى اخر ما قال فثبت بهذا ان حياته دنيوية
 برزخية لكونها في عالم البرزخ بل

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک
 میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات
 مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے
 ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ
 علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ انباه الاذکیاء بحیوة الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے کہ
 ہیں کہ علامہ تقي الدين سبكي نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں
 حیات ایسی ہے کہ جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا
 اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اگرچہ اس سے ثابت ہوا کہ
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ
 میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ المہند علی المفند سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زاد سہا اللہ
 شرقا کے ان پھیس اعترادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے
 کہلاتے ہیں جسے شرح علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے مرتب کیا۔

اور جس پر اپنی جماعت دیوبند کے تئیں بزرگوں جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا امیر محمد حسن صاحب امر وہی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا صیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں، کی تصدیقات لکھو اگر علماء حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں۔ وہ حضرات ان کے تشلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اس طرح یہ رسالہ بعد یہ جوابا علمائے دیوبند کا اجماعی جواب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے یا کہنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لیے ملاحظہ ہوں۔

حضرت الامام مولانا محمد قاسم نالوتوی فرماتے ہیں :-

حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کے حیات کے لیے ساتھ ہے رافع حیات اور دافع حیات نہیں بلکہ

واضح رہے کہ حضرت نالوتویؒ نفس موت کو اعتقاد لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں :-

میں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ پر حسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانہم میتون۔ تمام انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا۔ لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر بنیوں کی نظر سے مستور ہے۔ بمثل امت کے ان کی موت میں روال نہیں ہے بلکہ

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

① اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح

وسالم رہنا اور تغیر ارضیٰ سے بالکل محفوظ رہنا۔

② اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

③ اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سچے امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح

دلیل ہے کہ ازواج طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کے

بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور

از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔

حضرت مدنیؒ کی مراد لفظاً حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبدک کا

تعلق جسم مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے۔ بلکہ روح کا تعلق دنیوی

جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا

محمد قاسم صاحب نالوتویؒ نے ایک مقام پر صاف نظروں میں اس کی تصریح فرمائی ہے :-

انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدان دُنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔

فقہائے دیوبند اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں :-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ ونبی اللہ حیت برزق ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:-

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ لکھتے ہیں:-

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور سب سے اس کی طویل ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء میں فرماتے ہیں:-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں سجدہ موجود اور حیات ہیں۔

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحابِ ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں ہیں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا تو کوئی حنفی۔ سب سے قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خاں کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام محبت کے لیے ہم اس مقام پر اصحابِ ظواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعویٰ بھی صاف ہو جائے۔
قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:-

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حي

بعد وفاته وانه ليس بطاعات امته وان الانبياء لا يلبون مع ان مطلق

الادراك كالعلم والسمع ثابت لسائر الموتى (الى ان قال) ورد النص في

كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء بين زقون وان الحيوة فيهم متعلقة

۱۔ نظر الطیب من ۱۱۰ قناری دارالعلوم مکمل و مدلل جلد ۵ ص ۴۴۳ قناری دارالعلوم غیر مطبوعہ

بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء
احياء في قبورهم رواه المنذرى وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن
النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسرى جب عند
الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي ۱۰

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں
اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام پوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق ادراک عیسے
علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اور اللہ
تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں
اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء
اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی
ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت
کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات ٹرخ رنگ کے ٹیڈے کے پاس
موسے علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قافی شوکانی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی تسلیم کرتے ہیں
اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ
حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔
ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں :-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبياء

احیاء فی قبورہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں:-

قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلي الله عليه وسلم حي بعد وفاته ويؤيد ذلك ما ثبت ان الشهداء احياء يرزقون في قبورهم والنبى صلي الله عليه وسلم منهم

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔
شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:-

والذی نعتقد ان رتبة نبينا صلي الله عليه وسلم اعلى مراتب المخلوقين على الاطلاق وانه حي في قبره حياة مستقرة ابلغ من حيات الشهداء المنصوص عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بلا ريب وانه يسمع من يسلو عليه

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیاتِ دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ علمائے نجد کا بھی یہی نظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ علمائے نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کئی اعتقاد کرتے ہیں۔

اما الکلام علی حیوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذلك اعتقاد
سلف الامة واثمتنا وھما الاموۃ۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتدا ہیں۔

متاخرین اصحابِ نطوایہ حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔
اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر ورود پھجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔

اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں۔
ان الانبیاء احياء فی قبورهم۔

حضرات انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذمہ دار اصحابِ نطوایہ بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور بزمخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس سلسلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروع حدیث اور کتب فقہ و فیر

میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر انمائن و اعراض نہیں کیا جاسکتا۔

اجماع امت اور حیات الانبیاء

»علماء امت اور حیات الانبیاء« کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سطر سطر سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کیے جا رہے ہیں۔
امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ :-

مخن نو من ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی ینزق فی قبرہ وان
جسدہ الشریف لا تاكلہ الارض الا جماع علی ہذا۔

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں
کھا سکتی اور اس پر اجماع معتقد ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ
کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث
سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک مذنی دلیل ہے۔
علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں :-

اماہم فحیاتہم لا شک فیہا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلک والی ان
قال منہم صلی اللہ علیہ وسلم حتی علی الدوام۔

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے

کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہی اجماعِ سکوتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

حیات متفق علیہ است، یہ صحیح کس را دروے خلاف نیست۔

شیخ محدث دہلوی ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا

دعوے کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں

خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔

نواب صاحب دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم

السلام کی یہ حیات من کل الوجوه دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوه

سے دنیوی ہے مثلاً ادراکِ علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں:-

والمحصل ان حياة الانبياء ثابتة بالاجماع۔

عاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگانِ دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء

مولانا ابوالعزیز عبدالبہادی صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں:-

انہما اتفقوا علی حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاة الانبیاء علیہم السلام

متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ ۱۰

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں کہ :-

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے ۱۱

اصحابِ طواہر حضرات اور اجماعی حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلمیٰ لکھتے ہیں :-
اہلسنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الائمہ اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں آگے فرماتے ہیں انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے ۱۲

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ الباری فرماتے ہیں :-

واذا ثبت انہم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر

۱۲ حیات النبی ص ۲

۱۱ الودار المحمود شرح الوداد و جلد ۱ ص ۱۱۱ حیات نبوی

کون الشهداء احياء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشهداء۔^۱

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام اور شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

غور فرمائیے۔ جب شہداء کی زندگی نص قرآن سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لا محالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی۔ لہذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرام کی حیات ثابت ہے۔

سوال ۱۷: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے۔ نام متعین فرمائیں۔

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیری فرماتے ہیں کہ:-
ان امور سے جن کی بنا پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا۔
اس کا ایک بڑا جوڑم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضہ اطہر کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ٹہریوں کا طواف کر رہے ہو، اس پر علماء نے ان پر کفر کا فتوے لگا دیا۔^۲

اسی طرح فرقہ متکشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۱۷۱، حیات النبیؐ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبیؐ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب ۱، بلا تاویل حیات النبیؐ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حنفلیؒ فرماتے ہیں:-

(وبیکرہ املامۃ) مبتدع ای صاحب بدعة۔^{۱۷}

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:-

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔^{۱۸}

سوال ۱۷۲، حجاج کرام کا سر دار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب ۱، پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں، اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام کا تحفہ پیش کر سکے مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

زیارتِ روضہ اطہر احادیث شریفیہ کی روشنی میں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-
من زار قبری وجبت له شفاعتیؑ

جس نے میری قبر کی زیارت کی تو بلاشبہ اس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگی۔
ایک دوسری روایت میں ہے :-

من زار بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتیؑ
جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی ہی
میں زیارت کر لی۔

غور فرمائیے! کس قدر مبالغہ کے ساتھ زیارت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ وعدہ

کے بعد وعید کی روایتیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :-
من حج البیت ولم یزدح فقد جفانیؑ

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے بلاشبہ میرے
ساتھ زیادتی کی۔

انہی وعدہ و وعید کی روایات کی بنا پر پوری امت نے یہ سمجھا کہ روضہ اقدس کی زیارت
گو اعتقادی اعتبار سے سنت ہے تاہم عملی اعتبار سے واجب کے قریب ہے چنانچہ محقق علی
الاطلاق شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں :-

ان زیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحبہ وقریبہ من الواجب نظراً
الی هذا النزاع وهو الحق عندی فان الاف الاول من السلف كانوا

۱۔ صحیح ابن خزیمہ۔ دارقطنی بیہقی باسناد حسن بحوالہ آثار السنن ص ۱۲۶ طحاوی علی المراتی الفلاح ص ۲۰۵ ۲۔ ایضاً
فصل فی زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابن عدی بسند حسن مترقات المفاتیح)

يَشُدُّونَ رِحَالَهُمْ لِيُزَيَّرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُزَعِّمُونَ زِمَامَتَهُ
اعظم القربات به

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں :-
انما قربة من الوجوب لمن له سعة
مخدوم محمد ہاشم سندھی فرماتے ہیں :-

تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آل بدلیل قوی آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم من حج ولعمیر زنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن، و نیز
مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت
له شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصححه عبدالحق،
و نیز فرمود او صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی
حیاتی رواہ ابو سعید بن منصور والد دارقطنی، و وارد شدہ اند در فضل
زیارت اعمادیت و آثار بسیار کہ اکتفا کردہ سے شود از آئینہا بریں مقدار
طلباً للاختصار

اجماع امت اور زیارتِ روضہ اقدس

میساکہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارتِ نبوی جہاں اعمادیت کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے
وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماع امت سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ
مخدوم ہاشم سندھی فرماتے ہیں :-

یادکنہ اجماع کردہ اند مسلمانان برآنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات
و افضل طاعات و اکدمن و مندوبات است

لہ بحوالہ مذکورہ بالا فیض الباری جلد ۲ ص ۴۳۳ سے شامی جلد ۱ ص ۲۹۸ کے حیات القلوب ص ۲۹۸ کے ایضاً

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:-

اعلم ان زیارة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر
 عیة بما ذکرہ بعض المخالفین من افضل القریات وافضل الطاعات فالحج المساعی
 لنیل الدرجات قریبة من درجة الواجبات بل قبل انہما من الواجبات
 لمن له سعة وترکها غفلة عظیمة وجفوة کبیرة وفيہ اشارۃ الی
 حدیث استدل بہ علی زیارة وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم
 ینرفی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید قال بعض المالکۃ بان المشی
 الی المدینة افضل من الکعبۃ وبت المقدس ۛ

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارت نبویؐ اجماع امت سے ثابت ہے وہاں
 یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا۔ نیز درجہ کی تقین کے ساتھ
 ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بھی بتلایا گیا
 کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے۔ ہمارے
 فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے (بعد میں
 زیارت کرے) اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد
 میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے۔

قالوا ان کان الحج فرضاً قدمہ علیہا والا تخیر ۛ

پھر مدینہ جانے میں بھی بہتر یہ ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی

نیت کرے:-

والاولی فی زیارة مجرید النبیہ لزیارة قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ۛ

الحاصل۔ مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے جس پر دور صحابہؓ سے لے کر

ۛ بذل الجہود جلد ۳ ص ۲۱۷ طحاوی علی المراقی الفلاح ص ۳۱۷ ۛ ایضاً

آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالک والشافعی وابوحنیفۃ واحمد علی ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ

وسلم من افضل المنذوبات۔

لہذا اس نظریہ کی بنیاد پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے — روضہ اطہر کی زیارت

کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا — جن میں سماع البنی عند القبر اور زیارت نبوی کی

تصریح ہے — انکار ہے اور اجماع امت سے انحراف جس کی امانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً

قطعاً گنجائش نہیں ہے — اعاذنا اللہ منہ — وہیں سخت محرومی اور حرمان نصیبی بھی ہے چنانچہ

بذل المجہود کی عبارت گزر چکی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں :-

وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ

و شناختی قبیحہ۔

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو

دجال و کذاب و مشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہلسنت و اجماعت

سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ایسے شخص کو

اہل سنت و اجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں — اس باب

(حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جو

شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت و اجماعت سے خارج ہے۔

اس فتوے پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت

مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب صدر مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور اور استاذ انکل حضرت مولانا محمد

رسول خاں صاحب ہزاروی کے بھی دستخط ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ خود ایسے لوگ (منکرین حیاۃ الانبیاء)

دوسرے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو خصوصاً مسلمانوں کو کافر مشرک اور دجال کہیں، یہ ایک حیرت انگیز

بات ہے۔

نااطقہ سر بگریاں ہے اسے کیا کہیے

سوال ۱۱: منکرین ثواب و عذاب قبر کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: جملہ اہلسنت و اجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر (برزخ) میں اہل ایمان

اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین کو نیز گناہگاروں کو عذاب

اور تکلیف ہوتی ہے، اس میں کس شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع امت

کے صریح دلائل کے پیش نظریہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے عذاب قبر کے

منکر کو کافر کہا ہے۔ حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑے محتاط ہیں اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک

کلمہ میں مثلاً سو معانی کا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جن میں ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف

ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد

اسلام ہی کا پہلو ہو۔ ہاں! اگر خود ہی وہ کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ

سے اس کو کوئی تاویل نہیں سچا سکتی۔ مسئلہ کی وضاحت کے لیے مسلم حضرات فقہاء کرام میں سے

چند بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

عذاب و راحت قبر کا منکر اور فقہائے اسلام

علامہ طاہر بن احمد الحنفی لکھتے ہیں:-

ولا يجوز الصلوة خلف من ينكر شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم وينكر الكرام

الکاتبین وعذاب القبر کذا من ينکر الرویة لانه کافر
 جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کرام الکاتبین اور عذاب قبر
 اور رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیوں کہ
 وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی
 محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبد الواحد کھنقی السیرا سنی فرماتے ہیں :-
 ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرویۃ وعذاب القبر والکرام
 الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم
 شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کرام الکاتبین کے افکار
 کرنے والے کی اقتدار میں نماز درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے
 کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکار عذاب
 قبر کو کفر لکھا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزری الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں :-
 فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرح بہ الاحادیث
 الصحیحۃ ولكن الله تعالى ياخذ بابصار الخلاق واسماهم من الجن
 والانس عن روية عذاب القبر ونعیمہ لحكمة الہیة ومن شك فی
 ذلك فهو ملحد بک

۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۹ فتح القدیر مصری جلد ۱ ص ۱۴۹ فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۳ طبع مصری
 ۲۔ محقق تذکرۃ القرطبی لعبد الوہاب الشحرانی ص ۲۶ طبع مصری۔

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صریحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوتھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الہی کا تقاضا ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ٹکڑے ہے۔

علامہ عبدالشکور السالمیؒ فرماتے ہیں۔

فَمَا عَذَابَ الْعَبْرَةِ لِلْمُؤْمِنِينَ حَقٌّ لِلْكَافِرِينَ مِنَ الْوَأَجَابَاتِ وَاللَّهُ تَعَالَى يَقُولُ النَّارِ عِزُّهُنَّ عَلَيْهِمْ عَذَابًا وَعَشِيًّا يَعْنِي فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ دَلَّ اللَّهُ أَنَّ كَانُ صَحِيحًا فِي أَيْ مَوْضِعٍ وَعَلَى أَحْسَنِ حَالٍ وَمَنْ أَنْكَرَ هَذَا يَصِيرُ كَافِرًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِهٖ

عذاب قبر مؤمنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشادِ دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے، جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو۔ جو

اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

مولانا عبدالعلی بصر العلوم السخفیؒ لکھتے ہیں۔

منكر الشفاعة لاهل الكبائر والزوية وعذاب القبر وكرام
الكاتبين كافر به

ترجمہ۔ اہل کبائر کی شفاعت کا منکر رویت باری تعالیٰ کا منکر عذاب قبر کا منکر اور کرام کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند ۲۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

دستخط حضرات مفتیان کرام